

مَقَالَاتُ مُنْفَعِي عَظَم

مُنْفَعِي عَظَم پَاكِسْتَانِ حَضَرَتِ مَوْلَانَا مُنْفَعِي مُحَمَّد شَفِيعِ صَاحِبِ رَحْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْهِ

کے چند اہم

دینی، علمی، فقہی اور اصلاحی مقالات کا مجموعہ

مُرتَبِّہ

حَافِظ قاری مُحَمَّد اکبر شاہ بُخاری

پیش لفظ

مَوْلَانَا مُنْفَعِي سَيِّد عَبْدِ السَّكُورِ تَرْمِذِي

دَارُ الرِّشْقَةِ کراچی

www.ahlehaq.org

مَقَالَاتُ مُفْتًى عَظَمَ

مُفْتًى عَظَمَ پَاكِسْتَانِ حَضْرَتِ مُولَانَا مُفْتًى مُحَمَّدِ شَفِيعِ حَبِّ صَاحِبِ مَدْرَسَةِ اَلْمَدِیْنَةِ

کے چند اہم

دینی، علمی، فقہی اور اصلاحی مقالات کا مجموعہ

مُتَبِّعُ

حَافِظِ قَارِی مُحَمَّدِ اکْبَرِ شَاہِ بُخَارِی

پیش لفظ

مُولَانَا مُفْتًى سَیِّدِ عَبْدِ السَّکُورِ تَرْمِذِی

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۵ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 280 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ سبیلہ کراچی

بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار فیصل آباد

ادارۃ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم 20 نا بھر روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

یونیورسٹی بک انجمنی خیبر بازار پشاور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ اسلامیہ گامی اوڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست مقالات مفتی اعظمؒ

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۶۳	احکام عید الاضحیٰ و قربانی	۷	حمد و نعت
	اذان ، نماز ، خطبہ جمعہ	۱۱	پیش لفظ
۱۶۹	(مسائل حاضرہ)	۱۵	تقریظ
	رجم کی سزاء	۱۷	مختصر سوانح مفتی اعظم پاکستان
۱۷۹	(قرآن اور سنت کی روشنی میں)	۲۹	مقالات مفتی اعظم پاکستان
	سود و ربا کی اسلامی تعریف اور اس کے		مختصر سرگزشت
۱۸۹	حرام ہونے کی حکمت	۳۱	(خودنوشت حالات)
	شراب کی حرمت اور شراب نوشی سے		دارالعلوم دیوبند اور اس کا مزاج
۱۹۵	پیدا ہونے والی خرابیاں	۴۵	و مذاق
	انتخاب میں ووٹ ، ووٹر اور امیدوار کی	۵۵	اسلامی توحید
۲۰۷	شرعی حیثیت	۶۳	رجوع الی اللہ
۲۱۳	پاکستان کا حالیہ الیکشن ۱۹۷۰ء	۷۱	رسول مقبول ﷺ کی حقانیت
۲۱۷	اختلافات امت اور ان کا حل		آنحضرت ﷺ کی تادیب و ترتیب
۲۲۹	جہاد پاکستان	۸۳	کا قدرتی نظام
۲۳۷	جہاد کی فرضیت اور فضیلت	۹۷	اتباع رسول ﷺ
۲۳۹	حب وطن اور اسلام	۱۰۱	ختم نبوت ﷺ
۲۵۵	اسلام اور سوشلزم	۱۱۵	درد شریف کے فضائل و مسائل
۲۶۵	میری علمی و مطالعاتی زندگی	۱۲۵	اہل علم کے لئے دعوت فکر و عمل
	نابالغ لڑکی کا نکاح اور		شبِ برأت ، رسوم و رواج
۲۷۱	سوء اختیار کا مسئلہ	۱۳۱	کی حیثیت
۲۷۷	اسلامی دستور (نظم)	۱۳۹	فضائل و احکام رمضان المبارک
		۱۴۹	زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت

انتساب

میرے شیخ معظم مفتی اعظم پاکستان
حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب^{۲۱}
کے نام



تمنائے حرم

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

”۱۵/ربیع الاول ۱۳۹۵ھ۔ اس وقت جبکہ مسلسل بیماریوں کے سبب چند قدم کے فاصلے پر مسجد تک جانا دشوار تھا۔“

اے کاش پھر مدینہ میں اپنا قیام ہو
 دن رات پھر لبوں پہ درود و سلام ہو
 پھر ذکر لا الہ الا اللہ مرا حرز جان ہو
 اور وقت واپسی یہی میرا کلام ہو
 محرابِ مصطفیٰ میں ہو معراج سر نصیب
 پھر سامنے وہ روضہ خیر الانام ہو
 پھر بھی مواجہہ میں درود و سلام کا
 پر کیف وہ نظارہ ہر خاص و عام ہو
 پھر کاش میں مکین حرمِ مصطفیٰ میں ہوں
 فصلِ خدا سے روضہ جنت مقام ہو
 پھر ذکر لا الہ بنے حرز جاں مرا
 دوزخ کی آنچ مجھ پر الہی حرام ہو
 کتنا بلند اس عجیبی کا مقام ہے
 جس کو وہ خود یہ کہدیں کہ میرا غلام ہے

الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ دعا قبول فرمائی اور مسلسل بیماری، کمزوری اور ہزاروں موانع رفع فرما کر ۱۱/رمضان ۱۳۹۵ھ میں عمرہ رمضان اور زیارت روضہ اقدس نصیب فرمائی۔ ۱۲ منہ

چند اشعار نعتیہ

جور جب ۱۳۹۵ھ میں شعر شاعری کا سب ذوق ختم ہو جانے پر اچانک لکھے گئے

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

وہ حضرت سرورِ کونین فخرِ نوعِ انساں
رسولِ اِس دجاں ، آئینہ اخلاقِ ربّانی

فرشتوں پر شرف جس کے سبب ہے ، ابنِ آدم کو
ہوا جس کے سبب رشکِ جنان یہ عالم فانی

وہ جس نے نوعِ انساں کو فرشتوں پر شرف بخشا
ہوا جس سے منورِ عالم نا سوتِ ظلمانی

وہ جس نے اُمیوں کو علم و حکمت کی امامت دی
سکھائے جس نے چرواہوں کو آدابِ جہان بانی

نظر وہ کیمیا ، کا یا لیٹ دی جس نے قوموں کی
ہوئے شیر و شکر جو کل تلک تھے آگ اور پانی

قبائلِ اوس و خزرج کے جو صیدیوں سے محارب تھے
ہوئے سب بھائی بھائی ، تجھے جو کل تک دشمن جانی

لقبِ امی علومِ اولین و آخرین در بر
امامِ انبیاءِ مرسلین از فضلِ ربّانی

(البلاغ)

نعتِ رسولِ عربی ﷺ

پھر پیشِ نظر گنبدِ خضرا ہے حرم ہے
 پھر نامِ خدا روضہٴ جنت میں قدم ہے
 پھر شکرِ خدا سامنے محرابِ نبیؐ ہے
 پھر سر ہے مرا اور ترا نقشِ قدم ہے
 محرابِ نبیؐ ہے کہ کوئی طورِ تجلی
 دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے
 پھر منتِ دربان کا اعزاز ملا ہے
 اب ڈر ہے کسی کا نہ کسی چیز کا غم ہے
 پھر بارگاہِ سیدِ کونینؐ میں پہنچا
 یہ اُن کا کرم، اُن کا کرم اُن کا کرم ہے
 ذرّہ ناچیز ہے خورشیدِ بداماں
 دیکھ اُن کے غلاموں کا بھی کیا جاہ و حشم ہے
 ہر موعے بدن بھی زباں بن کے کرے شکر
 کم ہے بخدا اُن کی عنایات سے کم ہے
 رگ رگ میں محبت ہو رسولؐ عربی کی
 جنت کے خزان کی یہی بیجِ سلم ہے
 وہ رحمتِ عالم ہے شہِ اسود و احمر
 وہ سیدِ کونینؐ ہے آقائے اُمم ہے
 وہ عالمِ توحید کا مظہر ہے کہ جس میں
 مشرق ہے نہ مغرب ہے، عرب ہے نہ عجم ہے
 دلِ نعتِ رسولِ عربیؐ کہنے کو لے چین
 عالم ہے تحیر کا، زباں ہے نہ قلم ہے

پیش لفظ

از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی

بانی و مہتمم جامعہ حقانیہ۔ ساہیوال ضلع سرگودھا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد :

اکابر علماء و مشائخ اور بزرگان دین کے ارشادات و فرمودات اور خطبات و مقالات روحانی زندگی کی بقاء و ترقی کے لئے عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی صحبت و معیت کے قائم مقام ہیں۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے :

ایک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

آج کے اس پُر فتن زمانہ میں علماء و اولیاء اللہ کے مواعظ و ملفوظات اور ان کے مضامین و مقالات کو عام کرنے کی ضرورت مزید بڑھ گئی ہے۔ علوم ظاہریہ کی تکمیل کے باوجود علوم باطنہ کی تکمیل کے بغیر انسان کی انسانیت اُجاگر نہیں ہو سکتی اور تکمیل باطن کے سلسلہ میں اکابر علماء و اولیاء کے اقوال و مواعظ اور خطبات و مقالات نسخہٴ کیمیا ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اُن کا مرتبہ و مقام اور فضل و کمال حضرات علماء و مشائخ کی نظر میں نہایت بلند و بالا ہے۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں اکابر علماء و مشائخ سے صرف علوم و فنون پر ہی اکتساب نہیں کیا تھا، بلکہ روحانی فیوض و برکات بھی حاصل کئے اور بڑے بڑے نامور اور جلیل القدر اساتذہ کے زیر سایہ عرصہ دراز تک ایسی شاندار اور قابل قدر خدمات انجام دیتے رہے کہ ان کی خدمات پر نہ صرف یہ کہ معاصر علماء کرام نے خراج تحسین پیش کیا، بلکہ حضرات اکابر و مشائخ نے بھی اپنی خوشنودی کی مہر تصدیق ثبت کر دی اور حضرت ممدوح کو کمالاتِ علمیہ و عملیہ کا جامع قرار دے کر فقہی بصیرت اور اپنے اجتہاد کی سند عطا فرمادی۔

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے اپنی باطنی تربیت اور روحانیت کی تکمیل کے لئے رجوع کیا۔ حضرت حکیم الامت کے فیض صحبت سے آپ نے تصوف و سلوک کے اُن اعلیٰ و ارفع مقامات تک رسائی حاصل کی کہ بہت جلد آپ کا شمار حضرت حکیم الامت کے محبوب اور اجل خلفاء میں ہونے لگا۔ حضرت ممدوح علم و معرفت کے دونوں چشموں سے فیضیاب و سیراب ہو کر علمی و روحانی کمالات کی جامعیت میں اپنے اکابر و مشائخ کے بجا طور پر جانشین قرار پائے۔

حضرت سیدی مفتی صاحب نے یوں تو دین کے ہر شعبہ تفسیر و حدیث فقہ و عقائد کلام، معیشت و سیاست، سیرت و تاریخ، اصلاح و ارشاد، تعلیم و تبلیغ و اصلاح اور زبان ادب میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مگر آپ کا خاص موضوع فقہ رہا ہے اور اس میں جو خداداد ملکہ، وسعت معلومات اور دقت نظری آپ کو حاصل تھی، وہ آں ممدوح کا ہی خاص حصہ تھا۔ صرف علم فقہ میں آپ نے ایک سو کے قریب رسائل تصنیف فرمائے۔ اسی طرح حضرت کے رشحاتِ قلم سے جو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور کراچی کے دارالعلوم میں محفوظ ہیں ان کی تعداد بھی اسی ۸۰ ہزار کے قریب ہے۔

علم فقہ میں حضرت کو جو خداداد بصیرت حاصل تھی اور تفقہ کا جو خاص ملکہ آپ کو عطا کیا گیا تھا، اس کی وجہ سے بجا طور پر آپ کو مفتی اعظم پاکستان کے لقب کا اعزاز ملا اور ہر خاص و عام کی زبان پر یہ لقب مشہور ہو گیا۔

علم تفسیر میں ”احکام القرآن“ عربی اور ”معارف القرآن“ اردو آپ کے ایسے علمی شاہکار ہیں جو مصارفِ قرآنیہ کے پیاسوں کے لئے ہمیشہ باعثِ تسکین بنے رہیں گے اور یہ ایسے عظیم کارنامے ہیں کہ اس صدی میں تو کیا شاید قریب کی گزشتہ صدیوں میں بھی ان کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ باوجود ضعفِ عمر اور انحطاطِ قوی کے اس خدمت کو انجام تک پہنچا دینا آں ممدوح کی کرامات میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ ظاہر ہے کہ تفسیر معارف القرآن کے تقریباً چھ ہزار صفحات پر مشتمل مضامین عالیہ اور معارف قرآنیہ کو محققانہ انداز میں بیان کرنا کرامت سے کم نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ دارالعلوم دیوبند اور خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کے ممتاز فضلاء اور فیض یافتہ علماء میں ایک خاص مقام و مرتبہ پر فائز تھے۔ اپنے علمی اور روحانی کمالات اور مختلف دینی شعبوں میں خدمات اور فیوضات ارشاد و اصلاح کے لحاظ سے بمصداق شعر مسطورہ گویا ایک عالم کے کمالات کے جامع اور ان کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود تواضع عجز و انکساری، تحمل و بردباری جیسے اوصافِ فاضلہ میں آپ کی ذات ستو و صفات اپنی مثال آپ تھی۔

غرضیکہ دارالعلوم دیوبند اور خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کی نسبت سے آپ کی علمی فقہی، اصلاحی اور روحانی خدماتِ جلیلہ سے پورا عالمِ اسلام آگاہ اور زمانہ آشنا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کے ارشاد فرمودہ خطابات و مواعظِ حسنہ اور تحریر کردہ مقالات و مضامین کو عام مواعظ و خطابات و مقالات کی نسبت ایک خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں عامۃ الناس آپ کے خطابات و مقالات سے مستفید و مستفیض ہوں گے وہاں اہل علم بھی خصوصیت سے بہرہ ور ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ عزیز مکرم سید حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سلمہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ جنہوں نے اکابر علماء و مشائخ اور بزرگانِ دین کے حالات و کمالات اور واقعات کی ترتیب و تالیف اور سوانح نگاری کے ساتھ ساتھ اُن کے ارشاد فرمودہ گرانقدر خطابات اور تحریر کردہ مقالات جو مختلف جرائد و رسائل میں بکھرے ہوئے تھے، یکجا کتابی شکل میں مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور اس سلسلہ میں عزیز سلمہ کی بیسیوں تالیفات منصبہ شہود پر آچکی ہیں، جن میں ”اکابر علماء دیوبند“، ”تحریک پاکستان اور علماء دیوبند“، حیاتِ احتشام، خطاباتِ احتشام، خطباتِ اکابر، مقالاتِ اکابر، ”تذکرہ شیخ الاسلام پاکستان“، ”تذکرہ خطیب الامت“، سوانحِ خلیل، ذکرِ طیب، بیس بڑے علمائے حق، کاروانِ تھانوی، مفتی محمد حسن اور اُن کے خلفاء، مفتی اعظم پاکستان اور اُن کے ممتاز تلامذہ و خلفاء، ذکرِ خیر محمد، سیرت بدرِ عالم، ”مفتی اعظم پاکستان اکابر و معاصر کی نظر میں“، حیاتِ مولانا ظفر احمد عثمانی، مقالاتِ مولانا ظفر احمد عثمانی اور ذکرِ متین قابلِ ذکر ہیں۔

عزیز موصوف حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے محبین اور آخری دور کے خاص متوسلین میں سے ہیں۔ ان کو حضرت کے ساتھ دلی لگاؤ اور محبت کا خصوصی تعلق ہے۔ زیرِ نظر کتاب ”مقالاتِ مفتی اعظم“

میں عزیز سلمہ نے بڑی محنت سے حضرت کے علمی، دینی اور اصلاحی اہم مقالات کو جمع کر دیا ہے۔ اس طرح سے حضرت کے قیمتی موتیوں کا یہ ایک عظیم قابلِ قدر ذخیرہ اکٹھا ہو گیا ہے جو نہایت ہی قابلِ تحسین کام ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اہم مجموعہ ”مقالاتِ مفتی اعظم“ کو شرفِ قبولیت بخشیں اور اسے عوام و خواص کے لئے نافع و مفید فرمائیں۔ آمین

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

www.ahlehaq.org



تقریظ

از شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(مہتمم جامعہ امدادیہ۔ فیصل آباد)

عزیز گرامی محمد اکبر شاہ صاحب بخاری سلمہ اپنے اکابر اور بزرگوار سے ایک خاص تعلق و محبت رکھتے ہیں اور انہوں نے اکابر علماء و مشائخ دیوبند پر متعدد کتب لکھی ہیں، جو اکابر سے ان کی عقیدت و محبت کی دلیل ہیں۔ عزیز موصوف کو سوانح نگاری اور اکابر و مشائخ کے حالات و خدمات اور ان کے خطابات و مقالات کو جمع کرنے کا خاص ذوق اور عمدہ سلیقہ حاصل ہے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس علامہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ کے حالات و کمالات پر ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ زیر نظر دو کتابیں ”خطابات مفتی اعظم“ اور ”مقالات مفتی اعظم“ انہوں نے اب نئی مرتب کی ہیں، جن میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے نہایت قابل قدر اور بے انتہا قیمتی مواعظ و خطابات اور مقالات و مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

آج کے دور میں اکابر علماء و صلحاء کے خطابات و ارشادات اور مقالات و مضامین کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ جس طرح علماء و صلحاء کی صحبت سے بے انتہاء فائدہ ہوتا ہے، اسی طرح اکابر علماء و صلحاء کے علوم و معارف کی اشاعت سے بھی بے حد فوائد حاصل ہوتے ہیں اور ان کے ملفوظات اور مواعظ اور مضامین کے استفادہ سے ان سے تعلق و محبت بھی بڑھتی ہے اور عمل صالح کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

زیر نظر کتابیں اس لحاظ سے بھی نہایت مفید اور نتیجہ خیز ہیں کہ ان کے قیمتی مضامین کا انتساب جس عظیم ہستی کی طرف ہے، ان کی علمی و روحانی عظمت ہی ان خطابات و مقالات کی رفعت اور بلندی کی دلیل ہے۔ بہر حال عزیز موصوف سلمہ کی یہ کاوش قابل قدر ہے اور یہ دونوں کتابیں

”خطباتِ مفتی اعظم“ اور ”مقالاتِ مفتی اعظم“ نہایت ہی مفید کتابیں ہیں۔

میری خواہش ہے کہ تمام مسلمان ان کتابوں سے مستفید ہوں اور مرتب و ناشر کے لئے دعا گوں ہوں۔ حق تعالیٰ اس محنت و کوشش کو قبول فرمائیں اور ہم سب کے لئے نافع و مفید فرمائیں۔

آمین

احقر نذیر احمد غفرلہ

خادم جامعہ اسلامیہ امدادیہ
فیصل آباد

www.ahlehaq.org



مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

تاریک ہو گئی ہے شبستاں اولیاء
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

رئیس المفسرین والمحققین امام العلماء مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کا شمار ایسے علماء حق میں ہوتا ہے۔ جن کے علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور خلوص و للہیت کی قسم ملائکہ بھی کھا سکتے ہیں، ان کی پوری زندگی علوم دینیہ کی خدمت اور ملت اسلامیہ کی اصلاح میں صرف ہوئی وہ نہ صرف اپنے دور کے مفسر اعظم، مدبر حصر، فاضل اجل، عالم بے بدل اور فقیہ زماں تھے بلکہ راہ سلوک و تصوف کے بے مثل شیخ کامل اور شریعت و طریقت کے ایک عظیم امام تھے۔

ان کی رحلت سے نہ صرف علمی دنیا اُجڑ گئی، بلکہ دنیائے سلوک و تصوف کا آفتاب و ماہتاب غروب ہو گیا۔ اور مسند علماء و اولیاء خالی ہو گئی وہ حقیقت میں ہمارے قدیم اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔ وہ عالموں کے عالم اور اصحاب ارشاد کے صدر نشین تھے۔

ان کی حیات طیبہ کا ہر پہلو ہم سب کے لئے مشعل راہ اور نمونہ ہدایت تھا۔ ان کے تبحر علمی، تقدس و بزرگی اور دینی علوم و فنون میں کمال جامعیت کو بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔ الغرض آپ کی وفات تمام عالم اسلام کے لئے ایک عظیم نقصان ہے اور ہم سب اپنے عظیم سرپرست کے سایہ مبارک سے محروم ہو گئے ہیں۔ بلکہ بقول جناب مولانا احتشام الحق تھانوی صاحبؒ کہ: ”تمام علماء کرام یتیم ہو گئے ہیں“۔

علامہ اقبال نے سچ فرمایا ہے کہ :

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و رپیدا

ولادت باسعادت

آپ ۲۰ اور ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عثمان غنیؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یسین صاحب عثمانی دیوبندی دارالعلوم دیوبند میں فارسی کے مدرس تھے اور ایک عالم باعمل اور صاحب کمالات بزرگ تھے۔

وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جب اس کے مہتمم سے لے کر ایک ادنیٰ دربان تک سب ہی صاحب نسبت ولی اللہ تھے۔ ان کا سن پیدائش اور دارالعلوم کی تاریخ بنیاد ایک ہی ہے اس لئے وہ دارالعلوم کے ہم عمر اور ہم عصر تھے اور دارالعلوم کو اول سے آخر تک خوب دیکھا تھا۔

تعلیم و تربیت

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ایسے زینی ماحول میں آنکھیں کھولیں کہ بچپن ہی سے جہاں جلیل القدر علماء و اولیاء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحبؒ کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم آپ نے شروع کی، فارسی کی تمام کتابیں اپنے والد ماجد مولانا محمد یسین صاحب سے دارالعلوم میں پڑھیں۔ حساب و فنون ریاضی کی تعلیم اپنے چچا مولانا منظور احمد صاحبؒ سے حاصل کی، وہ بھی دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ فن تجوید قاری محمد یوسف میرٹھی سے حاصل کیا۔ تقریباً سولہ برس کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ کو جن عظیم المرتبت سے شرف تلمذ حاصل ہوا ان میں امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، فخر العلماء مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد احمد قاسمیؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ اور مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ جیسے اکابر بن شامل ہیں، جو بقول حضرت مفتی صاحبؒ کے ”اپنے دور کے آفتاب و ماہتاب تھے اور ہر شخص اپنی ذات میں ایک انجمن تھا۔“

درس و تدریس

حضرت مفتی اعظمؒ کا شمار اپنے زمانہ طالب علمی میں نہایت ذہین و متین اور محنتی طلباء میں ہوتا تھا۔ امتحانات میں ہمیشہ ایک خاص امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتے اسی لئے اساتذہ کرام آپ سے بے حد شفقت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ جب آپ تمام علوم و فنون سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے آپ کو ابتدائی کتب کی تعلیم کے لئے استاد مقرر فرمایا۔ پھر بہت جلد اعلیٰ مدرسین میں شامل ہو گئے اور ہر علم و فن کی جماعتوں کو پڑھاتے رہے۔ آپ کا درس ہمیشہ ہر جماعت میں مقبول رہا۔ مگر دورہ حدیث کی مشہور کتاب ابو داؤد شریف اور عربی ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری کا درس تو ایسا ہوتا تھا کہ مختلف ممالک کے علماء اور اساتذہ بھی شر یک ہونا سعادت سمجھتے تھے۔

دارالعلوم میں تدریسی خدمات کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔ اس ۲۷ سالہ دور میں برصغیر ہند و پاک کے علاوہ انڈونیشیا، ملائیشیا، سنگاپور، برما، افغانستان، بخارا، سمرقند اور عربستان کے تقریباً چالیس ہزار طلباء نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ جن میں سے آج بھی ہزاروں علماء مختلف ممالک میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ملت اسلامیہ کی فلاح و اصلاح میں مصروف ہیں۔

خدمت افتاء

دارالعلوم دیوبند میں تدریسی کے دوران آپ فقہی مناسبت اور فقہ کے خاص ذوق کی بناء پر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ افتاء میں شامل ہوئے اور جلد ہی ایک ممتاز فتویٰ نویس کا مقام حاصل کر لیا اور ان کی زیر نگرانی فتویٰ صادر فرماتے رہے۔ بالآخر ۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہو گئے تو ارباب دارالعلوم نے یہ اہم کام ۱۳۴۶ھ میں حضرت مفتی صاحبؒ کے سپرد کر دیا اور دارالعلوم کے عہدہ صدر مفتی کے عظیم منصب پر فائز ہوئے اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندی جیسے اکابر کی سرپرستی میں خدمت افتاء انجام دیتے رہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اس جلیل القدر منصب کا حق پوری طرح ادا کرتے رہے۔

آپ کی علمی شخصیت اور فقہی بصیرت پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے اکابرین وقت کامل اعتماد کرتے تھے ان کے علاوہ عالم اسلام کی ممتاز شخصیتوں نے آپ کی علمی و فقہی بصیرت کے بارے میں اپنے جس حسن ظن اور قلبی تاثرات کا اظہار کیا ہے ان کے مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ تمام عالم اسلام کے اکابرین کی نظر میں حضرت مفتی صاحب کا علمی مقام و مرتبہ کتنا بلند ہے۔ آپ کے عرصہ دارالعلوم دیوبند کے دوران تقریباً پچاس ہزار سے زائد فتاویٰ جاری ہوئے جو عزیز الفتاویٰ، امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے نام سے کئی عظیم جلدوں میں شائع ہوئے اور اب تک آپ کے قلم سے لاکھوں فتاویٰ جاری ہو چکے، جو عظیم ذخیرہ کی صورت میں غیر مطبوعہ ہیں۔

فقیہ الامت حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب نے جس طرح فقہ و حدیث اور تفسیر کی خدمت کی ہے شاید ہی کسی اور صاحب نے کی ہو۔ اسی طرح حکیم السلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کا فقہ و حدیث اور مناظرہ میں نہایت مفید تصانیف کا ایک عظیم ذخیرہ ہے جو آپ کے قلم سے نکلا اور خواص و عوام کے لئے مفید ثابت ہوا اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

بیعت و خلافت

حضرت مفتی صاحبؒ ابتداء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے اس وقت بیعت ہوئے جب وہ ۱۹۲۰ء میں مالٹا سے رہا ہو کر اپنے وطن آئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر ۱۳۴۹ھ میں مجاز بیعت و خلیفہ مقرر ہوئے۔

حضرت حکیم الامت کے ممتاز خلفاء میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ آپ پر خاص توجہ فرماتے کرتے تھے اور حضرت مفتی صاحبؒ بھی اپنی مشغولیات کے باوجود خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں مستقل حاضری دیتے رہتے تھے بلکہ کبھی کبھی تو کئی کئی ماہ وہاں قیام فرماتے تھے۔

بہر حال حضرت تھانوی قدس سرہ کی آپ پر خاص نظر عنایت تھی اور تقریباً بیس سال تک آپ حکیم الامتؒ کی صحبت میں رہے اور ان کی زیر نگرانی کئی عظیم تصانیف جیسے احکام قرآن وغیرہ بھی تصنیف فرمائیں۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت

کو آپ کی علمی قابلیت پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی آپ ہی سے مشورہ اور فتاویٰ طلب کرتے اور اس پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حکیم الامت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی عمر دراز کرے، مجھے دو خوشیاں ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے ذریعے علم حاصل ہوتا رہتا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔^۱ الغرض حضرت حکیم الامت کی نظر میں آپ کا بہت احترام تھا اور بقول عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے شیخ حکیم الامت کے صحیح جانشین تھے۔^۲

آپ نے جس طرح علمی و دینی خدمات انجام دی ہیں اسی طرح سلوک و تصوف میں جو خدمات کیں وہ ہر شخص پر عیاں ہیں آپ نے اپنی عام زندگی عوام کی اصلاح و فلاح کے لئے وقف کر دی۔ یہاں تک کہ اپنے وصیت نامہ میں بھی عام مسلمانوں کو خدا کی رضا اور شریعت نبوی ﷺ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے اور اپنی زندگی ہی میں اپنے جانشین مقرر کر دئے تاکہ عوام کی اصلاح زیادہ سے زیادہ ہو سکے اور شریعت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

تصانیف و تالیفات

حضرت مفتی صاحبؒ نے شب و روز کی مصروفیت اور دینی مشاغل کے باوجود اپنے شیخ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ویسے تو آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد تین سو کے قریب ہے اور تقریباً ہر عنوان پر کتاب اور متعدد مضامین لکھے ہیں مگر ان میں اسلام کا نظام اراضی، آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، آداب النبی ﷺ، احکام حج، سنت و بدعت، ختم نبوت کامل ۳ جلد، دستور قرآنی، سیرت خاتم الانبیاء، علامات قیامت اور نزول مسیح کشکول، جوہر الفقہ، مقام صحابہؓ، مسئلہ سود، مجالس حکیم الامتؒ، احکام القرآن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کامل اور تفسیر معارف القرآن علمی دنیا کا شاہکار ہیں۔

تفسیر معارف القرآن سال لہا سال تک ریڈیو پاکستان سے بھی نشر ہوتی رہی اور یہ آٹھ جلدوں میں مکمل ہے۔ اس تفسیر کے متعلق عالم اسلام کے اکابر نے جو خراج تحسین پیش کیا ہے وہ قابل دید

ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب نے اس تفسیر کو لکھ کر علماء مفسرین پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔

مفتی اعظم اور تحریک پاکستان

حضرت مفتی اعظم نے حصول پاکستان کی تاریخی تحریک اور جدوجہد میں بھی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ایما پر نمایاں حصہ لیا اور کھلم کھلا تحریک پاکستان کی زبردست حمایت کی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو علماء دیوبند کے سرپرست اور مربی تھے انہوں نے اپنے متوسلین اور خلفاء کے ذریعے زعماء مسلم لیگ خصوصاً مسٹر محمد علی جناح کے دینی تربیت کا فیصلہ کیا اور بارہا اپنے خلفاء اور نائبین میں سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، مولانا شبیر علی تھانویؒ اور حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو مسٹر جناح کے پاس بھیجا اور تبلیغ دین کا حق ادا کیا۔

اس طرح زعماء مسلم لیگ ان علماء اسلام سے بہت متاثر ہوئے۔ پھر ان علماء دیوبند نے قیام پاکستان کی عملی جدوجہد کے لئے ایک جماعت ”جمعیت علماء اسلام“ کے نام سے قائم کی اس کے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ صدر جمعیت کے معاون خاص منتخب ہوئے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی معیت میں برصغیر کے طول و عرض کا دورہ کیا۔

۱۹۴۵ء میں قائد ملت لیاقت علی خان کے حلقہ انتخاب میں جہاں کانگریس کا زبردست اثر تھا حضرت مفتی صاحب نے مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ دیا۔ جس کی بدولت ہوا کارخ بدل گیا اور قائد ملت کانگریس کے مقابلہ میں نمایاں پوزیشن میں کامیاب ہوئے اور خوشی سے اچھل پڑے اور کہا کہ یہ کامیابی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتویٰ کی بدولت ہوئی ہے۔

اسی طرح مفتی صاحب نے سرحد کے ریفرنڈم میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی اعظم پاکستان کے سرہے۔ اسی لئے ۱۹۴۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کنونشن کے خصوصی اجلاس میں جس میں تقسیم ہند کی پیش کردہ تجویز کو باقاعدہ منظور کیا گیا تھا۔ مسٹر جناح نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ،

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو خصوصی طور پر شرکت کی دعوت دی تھی اور اگست ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو انہیں بزرگوں کے دست مبارک سے پاکستان کی پرچم کشائی کرائی گئی۔ قیام پاکستان کی مبارک باد پیش کرتے ہوئے مسٹر جناح نے علامہ عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ سے کہا کہ پاکستان کی کامیابی کا سہرا آپ حضرات کے سر ہے اور صحیح معنوں میں آپ ہی اس کی مبارکبادی کے مستحق ہیں۔ (تمیر پاکستان و علمائے ربانی)

تحریک نظام اسلامی اور تحریک ختم نبوت

قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے زعماء مسلم لیگ کو کئے ہوئے وعدے یاد دلائے کہ پاکستان کا دستور قرآن و سنت کے مطابق ہوگا۔ اسی وعدہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قائد ملت اور دوسرے زعماء لیگ کے مشورہ سے پاکستان میں جلد اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ایک مکمل دستور قرآنی مرتب کرنے کے لئے ممتاز علماء کو جمع کرنے کا علامہ عثمانیؒ نے فیصلہ فرمایا اور اسی غرض کے لئے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو فوری طور پر ہندوستان بھیجا کہ جتنا جلدی ہو سکے علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مناظرہ حسن گیلانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کو لے کر آئیں، تاکہ جلد ہی اسلامی دستور بنایا جاسکے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے استاد مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی طلبی پر دیوبند سے کراچی ہجرت کر آئے اور یہاں آکر ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ اور دینی تعلیم کے فروغ کے لئے علمی جدوجہد شروع کر دی اور حضرت علامہ عثمانیؒ کے شانہ بشانہ قراردادِ مقاصد کی ترتیب و تدوین اور اس کی منظوری میں بڑا کام کیا۔

پھر ۱۹۴۹ء میں اسلامی مشاورتی بورڈ کے رکن نامزد ہوئے جس کے صدر حضرت علامہ سید ندویؒ تھے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اور علامہ ندویؒ کی وفات کے بعد جمیعت علماء اسلام اور بورڈ کی صدارت کے فرائض بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے سرانجام دیئے۔ جب ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا احتشام الحق صاحب کی کوششوں سے کراچی میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کرام نے جمع ہو کر متفقہ طور پر ۲۲ نکات پر مشتمل دستوری تجاویز مرتب کیں تو ان تجاویز کی ترتیب و تدوین میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ شروع سے لے کر آخر تک شریک رہے اور آپ ہی کی سرپرستی میں اس کمیٹی کے اجلاس ہوتے رہے۔ اس طرح تحریک ختم نبوت کے آغاز سے لے کر آخر تک بڑی سرگرمی سے اس میں حصہ لیتے رہے۔

اپنے اساتذہ کرام علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں مرزائیت کے خلاف ہندوپاک کے کونہ کونہ میں تقریریں کیں، مناظرے کئے اور تحریر و تقریر کے ذریعے قادیانیت کی جڑ اکھیڑ دی۔ ختم نبوت، علامت قیامت اور نزول مسیح، دعاوی مرزا، ایمان و کفر، ختم نبوت فی القرآن والحديث وغیرہ کتابیں لکھیں۔

جون ۱۹۵۳ء میں مرزائیت کے خلاف ہر فرقہ کے علماء کا ایک بورڈ بنایا گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس کی شوریٰ کے ممبر منتخب ہوئے۔ الغرض تحریک پاکستان ہو یا ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت یا تحریک اسلامی حضرت مفتی صاحبؒ پیش پیش رہے اور باطل کے سامنے ہمیشہ کلمہ حق ادا کرتے رہے اور آخر دم تک دین، قوم اور ملک و ملت کی بے لوث خدمت کرتے رہے۔

دارالعلوم کا قیام

قیام پاکستان کے بعد جب آپ دیوبند سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے تو دینی تعلیم کے فروغ کا احساس دل میں موجزن تھا اور جس طرح حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے دوسرے ممتاز خلفاء نے ملک کے دونوں حصوں کے مرکزی شہروں میں دارالعلوم دیوبند کے نمونہ کے طور پر عظیم دینی درسگاہوں کو قائم کر لیا جیسے حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ نے لاہور میں جامعہ اشرفیہ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے ملتان میں خیر المدارس حضرت مولانا اطہر علیؒ نے کشور گنج مشرقی پاکستان میں جامعہ امدادیہ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے بھی ۱۳۰۷ھ میں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں محلہ نانک واڑہ کی ایک عمارت میں مدرسہ اسلامیہ قائم فرمایا، جس میں صرف ایک استاد اور چند طلباء تھے۔ لیکن صرف چند ماہ کے بعد ہی یہ مدرسہ ”دارالعلوم“ کی شکل اختیار کر گیا اور کورنگی کراچی میں یہ عظیم الشان ”دارالعلوم“ پاکستان میں دوسرا دارالعلوم دیوبند مانا جاتا ہے۔ جس میں اس وقت تقریباً دو ہزار طلباء بیرون ملک سے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں اسی دارالعلوم کے فارغ التحصیل علماء پاکستان، ہندوستان، برما، انڈونیشیا اور دوسرے اسلامی ممالک میں دینی، علمی اور قومی خدمات انجام دے رہے ہیں اور حضرت مفتی صاحبؒ قدس سرہ کا فیض علمی جاری ہے۔ خدا کرے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ چشمہ فیض تا قیامت ملت اسلامیہ کو سیراب کرتا رہے۔ آمین !

اخلاق و عادات

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے شانِ جامعیت سے نوازا تھا۔ باطنی اور ظاہری علوم و کمالات میں جامعیت، پھر ہر ایک علم و فن میں تبحر آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ نہایت منکسر المزاج اور متبع سنت تھے۔ صدق وصف اور خلوص ولہیت کا پیکر تھے، صبر، توکل، ریاضت و استقامت، ذہانت، فراست، دیانت و شرافت میں بے نظیر تھے۔ آپ کی مجلس میں حضرت حکیم الامتؒ کے جلوے نظر آتے تھے۔ بڑے بڑے علماء و صلحاء اور روساء آپ کی نورانی مجلس میں بڑے شوق سے شریک ہوئے تھے آپ کی زبان اور بیان میں اس قدر اثر تھا کہ سامعین کی عجیب کیفیت ہو جاتی تھی۔ ہر کسی سے بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، باتیں آہستہ آہستہ کرتے تھے مگر جواب دو ٹوک اور مدلل و مختصر ہوتا تھا، سادہ مگر صاف لباس زیب تن کرتے تھے۔

حضرت استادِ مولانا خیر محمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت اگر عالم باعمل اور عارفِ کامل دیکھنا ہے تو وہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کو دیکھے، واقعی آپ اس دور کے ولی کامل تھے۔ آپ کا علم و فضل، زہد و تقویٰ، اور اخلاقِ حسنہ اسی بات کی نشاہد ہی کرتا ہے کہ آپ اس وقت شریعت و طریقت کے امام تھے۔ آپ ایک سچے مسلمان، عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ بارہا حج کے لئے تشریف لے گئے اور ہر بار یہی تمنا کی کہ

اے کاش پھر مدینہ میں اپنا قیام ہو
دن رات پھر لبوں پر درود و سلام ہو
محرابِ مصطفیٰ میں ہو معراج پھر نصیب
پھر سامنے وہ روضہ خیر الالام ہو

رحلت

۸ شوال، ہی کو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا نامہ گرامی ملا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ حضرت والد صاحب مدظلہم ۸ رمضان سے مسلسل صاحبِ فراش ہیں۔ دل کی تکلیف، بواسیر، فقرس اور بخار کی شکایات پید پید ہیں مگر بحمد اللہ! اب کچھ آفاقہ ہے دعا فرمائیں۔

اس کے بعد جب ۱۲ اشوال کا اخبار سامنے آیا تو سب سے پہلے ان جلی حروف پر نظر پڑی کہ ”برصغیر کے ممتاز عالم مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب انتقال فرما گئے۔“

انا لله وانا عليه راجعون۔

ان الفاظ نے دل پر بجلی گرا دی، قلب کا سکون چھین لیا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میرے اللہ کیا یہ سچ ہے؟ یہ کیا ہو گیا ہے؟ ایسی جلیل القدر ہستی کے سایہ عاطفت سے کیا ہم واقعی محروم ہو گئے ہیں؟ احباب نے دلاسا دیا کہ صبر سے کام لیا جائے لیکن صبر آئے تو کیسے آئے اب ہمیں دعائیں کون دے گا۔ ہمیں کون نصیحتیں کرے گا؟ ہر طرف موت العالم موت العالم کا منظر تھا۔ انا للہ کا ذکر کرتے ہوئے اسی طرح کراچی کے لئے روانہ ہو گیا۔ سکھر میں مدرسہ اشرفیہ میں نماز جمعہ ادا کی اس وقت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کو روتے ہوئے دیکھا اور کراچی میں حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہم کے حضرت مفتی صاحب کے متعلق قیمتی تاثرات سنے تو یقین ہو گیا کہ حقیقت میں ہم سب یعنی پورا عالم اسلام اپنے عظیم سرپرست کی جدائی سے یتیم ہو گیا ہے اور وہ ۱۰ اور ۱۱ اشوال کی درمیانی شب کو ہم سب کو روٹا ہوا چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔

انا لله وانا عليه راجعون۔

نماز جنازہ ان کے رفیق خاص حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی نے پڑھائی اور نماز جنازہ تقریباً ایک لاکھ متعقدین نے پڑھی۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
خدا ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

ممتاز علماء کا خراج عقیدت

یوں تو آپ کو عالم اسلام کے مشاہیر نے خراج تحسین پیش کیا ہے مگر یہاں صرف چند ممتاز علماء کی مختصر آراء درج کی جاتی ہیں تاکہ آپ کی شخصی عظمت کا اندازہ ہو سکے۔
مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ : حضرت مفتی صاحب کی وفات تمام ملت اسلامیہ کا عظیم سانحہ ہے۔

مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ : حضرت مفتی صاحب علم تفسیر، فقہ و حدیث کے امام تھے۔
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ : حضرت مفتی صاحب ہمارے اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔

مولانا سید محمد یوسف بنوری مدظلہ : حضرت مفتی صاحب کی زندگی کا ہر شعبہ رشد و ہدایت تھا۔
 مولانا محمد عبداللہ درخواسی مدظلہ : حضرت مفتی صاحب کی وفات ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔
 مولانا عبدالحق حقانی ایم۔ اے : حضرت مفتی صاحب تمام علماء امت کے اس وقت امام تھے۔
 مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدظلہ : حضرت مفتی صاحب کی رحلت نے قلب و جگر زخمی کر دیئے ہیں۔

مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ : وہ اس دور کے عظیم مذہبی مفکر تھے۔
 مولانا سید محمد اسعد مدنی مدظلہ : حضرت مفتی صاحب کی وفات سے دلی صدمہ ہوا ہے۔
 مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ : ایسی عظیم ہستیاں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔
 مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ : ان کی وفات سے تمام علماء کرام یتیم ہو گئے ہیں۔
 مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہ : وہ تمام عالم اسلام کے مذہبی و روحانی پیشوا تھے۔
 مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہ : آپ نے تمام زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں بسر کی۔
 مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہ : ان کی ذات اقدس تمام ملت اسلامیہ کے لئے نعمت عظیم تھی۔



مقالات مفتی اعظمؒ

خودنوشت حالات

(مختصر سرگزشت)

ناکارہ خلاق بندہ محمد شفیع ابن مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ حق تعالیٰ نے اس کا مولد و وطن مرکز علوم اسلامیہ دیوبند کو بنا دیا اور ایسے والد محترم کی آغوش میں پرورش کا موقع عطا فرمایا جو حافظ قرآن اور عالم دین ہونے کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ہمعصر تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے بانیان علمائے ربانی کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے کے مواقع ان کو ہمیشہ میسر رہے۔ اُن کا وجود ان بزرگوں کا زندہ تذکرہ تھا اور ان کی زندگی بچپن سے وفات تک دارالعلوم دیوبند ہی میں پوری ہوئی وہیں تعلیم حاصل کی وہیں مدرس ہو کر ساری عمر تعلیم کی خدمت گزاری کی۔

احقر کی ابتداء تعلیم قرآن والد محترم کی تجویز سے دارالعلوم کے اساتذہ قرآن حافظ عبد العظیم صاحب اور حافظ نامدار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے پاس ہوئی اور پھر خود والد محترم کی خدمت میں رہ کر اردو، فارسی، حساب، ریاضی اور ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم کے درجہ میں باقاعدہ داخلہ لے کر ۱۳۳۵ھ تک درس نظامی کا نصاب اُن ماہر فن اساتذہ کی خدمت میں رہ کر پورا کیا جن کی نظیر آج دنیا کے کسی گوشے میں ملنا مشکل ہے۔

بچپن سے متوسط تعلیم عربی تک شیخ العرب والعجم سیدی حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند قدس سرہ کی خدمت میں حاضری دی۔ کبھی کبھی درس بخاری کی غیر رسمی حاضری نصیب رہی۔ مالٹا جیل سے واپس تشریف لانے کے بعد انہی کے دستِ حق پرست پر بیعت طریقت نصیب ہوئی اور علوم عربیہ کی باقاعدہ تعلیم حضرات ذیل سے حاصل کی۔ حافظ حدیث جامع العلوم حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اور ماہر علوم معقول و منقول حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب و حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب۔

افسوس ہے کہ ان سطور کی تحریر کے وقت آخر الذکر دو بزرگوں کے سوا سب اس دارِ فانی سے رحلت فرما چکے ہیں۔ حق تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کا سایہ تادیر بعافیت قائم رکھیں اور اہل علم کو ان سے فیض یاب ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائیں۔

اساتذہ اور اکابر دارالعلوم کی نظرِ شفقت و عنایت اول ہی سے اس ناکارہ پر مبذول تھی۔ ۱۳۳۶ھ میں احقر نے فنون کی بقیہ چند کتابیں قاضی، میرزاہد اور امور عامہ وغیرہ پڑھنا شروع کیا تھا کہ اسی سال میں اکابر دارالعلوم نے احقر کو کچھ سبق پڑھانے کے لئے دے دیئے۔ اس طرح ۱۳۳۶ھ میری تعلیم و تعلم کا مشترک سال تھا۔ ۱۳۳۷ھ سے باقاعدہ دارالعلوم میں تدریس کی خدمت پر لگادیا گیا بارہ سال مسلسل مختلف علوم و فنون کی متوسط اور اعلیٰ کتابوں کے درس کی خدمت انجام دی۔ ۱۳۴۹ھ میں مجھے صدر مفتی کی حیثیت سے دارالعلوم کا منصبِ فتویٰ سپرد کیا گیا اس کے ساتھ کچھ کتابیں حدیث و تفسیر کی بھی زیرِ درس رہیں اور بالآخر ۱۳۶۲ھ میں تحریک پاکستان کی جدوجہد اور کچھ دوسرے اسباب کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گیا۔

دارالعلوم کی چھبیس سالہ خدمت درس و فتویٰ کے ساتھ خاص خاص موضوعات پر تصنیف کا بھی سلسلہ جاری رہا۔ ان تمام مشاغل اور بزرگانِ دارالعلوم کی صحبت سے اپنے حوصلے کے مطابق قرآن و حدیث سے کچھ مناسبت ہو گئی تھی۔ حضرت مجدد المملۃ حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کا شرف تو طالب علمی کے زمانے میں بھی ہوتا رہتا تھا مگر ۱۳۴۶ھ سے تجدید بیعت کے ساتھ مسلسل حاضر باشی کا شرف حاصل ہوا جو تقریباً بیس سال حضرت اقدس کی وفاتِ رجب ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔ حضرت قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے جملہ علوم و فنون کی کامل مہارت عطا فرمائی تھی اور ان میں سے خصوصاً تفسیر اور تصوف آپ کے مخصوص فن تھے۔ ان دونوں علوم میں آپ کی تصانیف بیان القرآن، التلکشف اور التشریف و دیگر رسائل تصوف اس پر کافی شاہد ہیں۔

حضرت قدس سرہ نے اپنی آخری عمر میں یہ ضرورت محسوس فرمائی کہ احکام القرآن پر کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں عصر حاضر کے مسائل کو بھی جس قدر قرآن کریم سے ثابت ہوتے ہیں، واضح کیا جائے۔ اس کام کو جلد پورا کرنے کے خیال سے چند اصحاب میں تقسیم فرمایا اس کا ایک حصہ احقر کے بھی سپرد ہوا جس کا کچھ حصہ تو حضرت قدس سرہ کی حیات ہی میں آپ کی زیرِ نگرانی

۱۔ ۲۳ شعبان ۱۳۹۲ھ کو جب کہ معارف القرآن پر نظر ثانی کا کام شروع ہوا تو یہ دونوں بزرگ بھی رخصت ہو چکے ہیں۔
حق تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں۔ ۱۲ منہ

لکھا گیا باقی حضرت کی وفات کے بعد بعونہ تعالیٰ پورا ہو گیا اور دو جلدوں میں شائع بھی ہو چکا، یہ مجموعہ عربی زبان میں ہے۔

اس سلسلے نے حضرت ”کی برکت سے بحمد اللہ قرآن کریم کے ساتھ ایک خصوصی تعلق اور طلب پیدا کر دی۔ اسکے بعد قضاء و قدر سے زندگی میں ایک نئے انقلاب کا دروازہ کھلا، ۱۳۶۵ھ یعنی ۱۹۴۶ء میں پاکستان کی تحریک قوی ہو کر پورے ملک میں پھیلی۔ حضرت قدس سرہ کے سابقہ ایماء اور موجودہ اکابر کے ارشاد پر اس تحریک میں حصہ لیا اور دو سال کے شب و روز اس جدوجہد میں صرف کئے۔ مدراس سے پشاور تک اور مغرب میں کراچی تک پورے ملک کے دورے کئے یہی تحریک پاکستان اور اس کی جدوجہد بالآخر دارالعلوم دیوبند سے استعفاء دینے پر منتہی ہوئی اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ دیرینہ تمنا پوری فرمادی کہ ہندوستان تقسیم ہو کر مسلمانوں کے لئے خالص اسلام کے نام پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کے نام سے وجود میں آگئی۔

اسلامی سلطنت، اسلامی نظام، اسلامی قانون کی قدیم تمنائیں اب امید کی صورت میں تبدیل ہونے لگیں اور اس کے ساتھ وطن مالوف کو ترک کرنے اور پاکستان کو وطن بنانے کی کشمکش دل میں موجزن ہوئی۔ وطن اصلی دیوبند کے علوم اسلامیہ کا مرکز اور منتخب علماء امت کا مرجع ہونے پر نظر جاتی تو سعدی شیرازی ”کایہ شعر یاد آتا۔

تولائے مردانِ ایں پاک بوم
براں گنجم خاطر از شام و روم

لیکن جب ملک کے سیاسی حالات اور ہندوستان میں مسلمانوں اور ان کے اداروں کے مستقبل پر نظر جاتی تو کوئی روشن پہلو سامنے نہ آتا۔ اس کے خلاف پاکستان میں ہر طرح کی صلاح و فلاح کی امید بظاہر اسباب نظر آتی تھی ادھر یہ کشمکش جاری تھی اور دوسری طرف پورے ملک میں بد امنی اور قتل و غارت گری کے قیامت خیز ہنگامے کھڑے ہو گئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا، لاکھوں انسانوں کو پھر پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا اور پھر جانے والوں کو عافیت کے ساتھ جانے کا موقع بھی نہ دیا گیا، جا بجا قتل عام، خوں ریزی، لوٹ مار اور اغوا کے روح فرسا نظارے تھے۔ کسی کا صحیح سالم پاکستان پہنچ جانا ایک عجوبہ یا کرامت سمجھا جاتا تھا۔

آٹھ ماہ کے بعد یہ ہنگامے کچھ فرو ہوئے تو میرے استاد محترم اور پھوپھی زاد بھائی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور چند عمائد کراچی نے یہ ارادہ کیا کہ پاکستان کے لئے اسلامی

دستور کا ایک خاکہ مرتب کر کے حکومت کے سامنے رکھا جائے تاکہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنا ہے وہ جلد سے جلد بروئے کار آسکے۔ اس تجویز کے لئے منجملہ چند علماء کے احقر کو بھی ہندوستان سے کراچی آنے کی دعوت دی گئی۔

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء میری عمر میں عظیم انقلاب کا دن تھا جس میں وطن مالوف مرکز علوم دیوبند کو خیر باد کہہ کر صرف چھوٹے بچوں اور ان کی والدہ کو ساتھ لے کر پاکستان کا رخ کیا۔ والدہ محترمہ اور اکثر اولاد اور سب عزیزوں اور گھریلو کو چھوڑنے کا دل گداز منظر اور جس طرف جا رہا ہوں وہاں ایک غریب الوطن کی حیثیت سے وقت گزارنے کی مشکلات کے ساتھ ایک نئی اسلامی حکومت کا وجود اور اس میں دینی رجحانات کے بروئے کار آنے کی خوش کن امیدوں کے ملے جلے تصورات میں غلطاں و پیچاں۔

دہلی اور چند مقامات پر اترتے ہوئے ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ ۶ مئی ۱۹۴۸ء کو اللہ تعالیٰ نے حدود پاکستان میں پہنچا دیا اور کراچی غیر اختیاری طور پر اپنا وطن بن گیا۔ یہاں آئے ہوئے اس وقت پندرہ سال پورے ہو کر تین ماہ زیادہ ہو رہے ہیں اس پندرہ سال میں کیا کیا اور کیا دیکھا۔ اس کی سرگذشت بہت طویل ہے یہ مقام اس کے لکھنے کا نہیں۔ جن مقاصد کے لئے پاکستان محبوب و مطلوب تھا اور اس کے لئے سب کچھ قربان کیا تھا حکومتوں کے انقلابات نے ان کی حیثیت ایک لذیذ خواب سے زیادہ باقی نہ چھوڑی۔

بلبل ہمہ تن خوں شد و گل شد ہمہ تن چاک

اے وائے بہارے اگر این ست بہارے

حکومت کے راستے سے کسی دینی انقلاب اور نمایاں اصلاح کی امیدیں خواب و خیال ہوتی جاتی ہیں۔ تاہم عام مسلمانوں میں دینی بیداری اور امور دین کا احساس بحمد اللہ ابھی تک سرمایہ زندگی بنا ہوا ہے۔ ان میں اہل صلاح و تقویٰ کی بحمد اللہ خاصی تعداد موجود ہے اسی احساس نے یہاں دینی خدمتوں کی راہیں کھولی ہوئی ہیں۔

حکومت کے پیمانے پر اسلامی کوششوں کے علاوہ عوامی طرز سے اصلاحی جدوجہد اور اس کے لئے کچھ اداروں کا قیام جو شروع سے پیش نظر تھا اور اس کی ابتداء ۱۳۷۰ھ ، ۱۹۵۰ء میں اس طرح ہوئی کہ آرام باغ کراچی کے متصل مسجد باب الاسلام میں روزانہ بعد صبح درس قرآن شروع ہوا اور ہر طرف سے آنے والے سوالات کے جواب میں جو فتاویٰ مسلسل لکھے جاتے اور بغیر نقل کے روانہ کر دیئے

جاتے تھے۔ اب اس کا انتظام اسی مسجد میں ایک دارالافتاء کے قیام کی صورت میں عمل میں آیا یہ درس قرآن امید سے زیادہ مفید و موثر ثابت ہوا سننے والوں کی زندگی میں انقلاب کے آثار دیکھے گئے۔ احقرنا کارہ کو زندگی کا ایک اچھا مشغلہ مل گیا بعد نماز فجر روزانہ ایک گھنٹہ کے عمل سے سات سال میں بحمد اللہ یہ درس قرآن مکمل ہو گیا۔

یہاں تک کی تمہید ماہ صفر ۱۳۸۳ھ میں اس وقت لکھی گئی تھی جب کہ تفسیر معارف القرآن کو کتابی صورت میں لانے کا ارادہ ہوا تھا پھر ۱۳۸۸ھ تک یہ سلسلہ ملتوی رہا۔ ۸۸ھ سے اس پر کام شروع ہوا جو ۱۳۹۲ھ تک پانچ سال میں بحمد اللہ مکمل ہو گیا اس تمہید کا آگے آنے والا حصہ تکمیل تفسیر کے بعد ۱۳۹۲ھ میں لکھا گیا۔

تفسیر ”معارف القرآن“ کی تصنیف قدرتی اسباب سے

احقرنا کارہ گناہگار بے علم و بے عمل کی یہ جرأت کبھی بھی نہ ہوتی کہ قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا ارادہ کرتا مگر نیرنگ تقدیر سے اس کے اسباب اس طرح شروع ہوئے کہ ریڈیو پاکستان سے روزانہ نشر ہونے والے درس قرآن کے متعلق مجھ سے فرمائش کی گئی جس کو چند اعذار کی بناء پر میں قبول نہ کر سکا پھر انھوں نے ایک دوسری تجویز پیش کی کہ روزانہ درس کے سلسلہ سے الگ ایک ہفتہ واری درس بنام معارف القرآن جاری کیا جائے، جس میں پورے قرآن کی تفسیر پیش نظر نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کی موجودہ ضرورت کے پیش نظر خاص خاص آیات کا انتخاب کر کے اُن کی تفسیر اور متعلقہ احکام بیان ہوا کریں، احقر نے اس کو اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ درس کا کوئی معاوضہ نہ لوں گا اور کسی ایسی پابندی کو بھی قبول نہ کروں گا جو میرے نزدیک درس قرآن کے مناسب نہ ہو، یہ شرط منظور کر لی گئی۔

بنام خدا تعالیٰ یہ درس بنام معارف القرآن ۱۳ شوال ۱۳۷۳ھ ۱۲ جولائی ۱۹۵۴ء سے شروع ہوا اور تقریباً گیارہ سال پابندی سے جاری رہا یہاں تک کہ جون ۱۹۶۴ء میں ریڈیو پاکستان کی اپنی نئی پالیسی کے تحت اس درس کو ختم کر دیا گیا، یہ درس معارف القرآن تیرہویں پارے اور سورہ ابراہیم پر ختم ہو گیا جس میں ان تیرہ پاروں کی مکمل تفسیر نہیں بلکہ منتخب آیات کی تفسیر تھی، احقر نے ایسی درمیانی آیات کو اس میں شامل نہیں کیا تھا جو خالص علمی مضامین پر مشتمل تھیں اور ریڈیائی تقریر کے ذریعہ عوام کے ذہن نشین کرنا اس کا مشکل تھا، یا وہ آیات جو مکرر سکر آتی ہیں۔

جس وقت یہ کام شروع کر رہا تھا اس کا کوئی دور دور خیاں نہ تھا کہ یہ کسی وقت کتابی صورت میں ایک مستقل تفسیر کے انداز پر شائع ہوگی مگر ہوا یہ کہ جب یہ درس نشر ہونا شروع ہوا تو پاکستان کے سب علاقوں سے اور ان سے زیادہ غیر ممالک افریقہ، یورپ وغیرہ میں بسنے والے مسلمانوں کی طرف سے بے شمار خطوط ریڈیو پاکستان کو اور خود احقر کو وصول ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ بہت سے دیندار اور نو تعلیم مسلمان اس درس سے بہت شغف رکھتے ہیں۔

افریقہ میں چونکہ یہ درس آخر شب یا بالکل صبح صادق کے وقت پہنچتا تھا، وہاں کے لوگوں نے اس کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر کے بعد میں سب کو بار بار سنانے کا اہتمام کیا اور جگہ جگہ سے اس کا تقاضا ہوا کہ اس درس کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے، عام مسلمانوں کے اس اشتیاق نے اس ناکارہ کی ہمت بڑھادی اور امراض و ضعف کے باوجود گیارہ سال تک یہ سلسلہ بڑی پابندی سے جاری رکھا، ۱۳۸۳ھ اور ۱۹۶۴ء میں جب درس کا سلسلہ بند ہوا تو بہت سے حضرات کی طرف سے یہ تقاضا ہوا کہ جتنا ہو چکا ہے اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے اور درمیان میں جو آیات چھوڑی گئی ہیں، ان کی بھی تکمیل کر دی جائے، بنام خدا یہ ارادہ کر لیا کہ موجودہ پر نظر ثانی اور درمیان سے باقی ماندہ آیات کی تکمیل کا کام شروع کیا جائے،

چنانچہ ۱۶ صفر ۱۳۸۳ھ میں سورہ فاتحہ کی تفسیر پر نظر ثانی مکمل ہو گئی، اور سورہ بقرہ پر کام شروع کیا اس میں احکام کی آیات مشککہ بہت ہیں جو ریڈیو پر نشری تقریر میں نہیں آئی تھیں، یہ کام بہت محنت اور فرصت کا متقاضی تھا، ہجوم مشاغل اور امراض نے فرصت نہ دی اور تقریباً یہ کام ذہول میں پڑ گیا۔

بہ نیرنگ تقدیر ایک شدید و طویل بیماری تکمیل تفسیر کا سبب بن گئی

۱۳۸۸ھ کے شعبان میں احقر کے اسفل بدن میں کچھ پھوڑے کی شکل نمودار ہوئی اور رفتہ رفتہ بڑھتی گئی آخر رمضان میں اس نے کھڑے ہونے سے معذور کر دیا۔ آخری آٹھ روزے بھی قضا ہوئے، گھر میں بیٹھ کر نماز ہونے لگی۔ اس کے ساتھ پاؤں میں نقر کا پُرانا درد شروع ہوا اس کا جو علاج پہلے کارگر ہو جاتا تھا وہ بھی کامیاب نہ ہوا اور دونوں پاؤں سے معذور ہو گیا، تقریباً دس ۱۰ مہینے اسی طرح معذوری و بیماری کے ساتھ موت و حیات کی کشمکش میں گزرے۔

جب چلنے پھرنے اور ہر کام سے معذور ہو گیا، زندگی کی امید بھی مضحل ہو گئی تو اب اس پر افسوس ہوا کہ یہ تفسیری اوراق جس قدر ہو چکے تھے اُن پر نظر ثانی کی تکمیل نہ ہو سکی اب یہ اوراق یونہی ضائع

ہو جائیں گے، حق تعالیٰ نے قلب میں ہمت عطا فرمائی اور شوال ۱۳۸۸ھ کے آخر میں بستر علالت پر ہی اللہ تعالیٰ نے اس کام کو شروع کر دیا اور ۱۲۵ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ کو سورہ بقرہ کی تکمیل ہو کر کتابت و طباعت کے لئے دے دی، اس کے بعد سے عین بیماری و معذوری کی حالت میں یہ کام تدریجی رفتار سے چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے دس ماہ کے بعد معذوری بھی رفع فرمادی تو رجب ۱۳۸۹ھ سے کام کسی قدر تیز ہوا مگر اسی کے ساتھ ملک میں جدید انتخابات نے سیاسی ہنگاموں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔

میں اگرچہ عرصہ دراز سے سیاست سے بالکل یکسو ہو چکا تھا مگر ان انتخابات نے پاکستان میں خالص اسلامی حکومت کے بجائے کیمونزم اور سوشل ازم پھیل جانے کے خطرات قوی کر دیئے اور سوشل ازم کو عین اسلام باور کرانے کے لئے جدوجہد اور جلسے و جلوس عام ہو گئے اس مسئلے کی نزاکت نے پھر اس پر آمادہ کر دیا کہ کم از کم اسلام اور سوشل ازم میں فرق اور سوشلزم کے خطرناک نتائج سے قوم کو آگاہ کرنے کی حد تک اس سیاسی میدان میں حصہ لیا جائے اس کے لئے تحریری مقالے بھی لکھنے پڑے اور مشرقی و مغربی پاکستان کے اہم مواقع میں جلسوں میں شرکت بھی کرنا پڑی، مسئلہ کی وضاحت تو مقدور بھر پوری ہو گئی، مگر سیاست کے میدان میں مسائل اور حقائق سے زیادہ زور و زکام کرتے ہیں انتخابات کا نتیجہ بالکل خلاف اور برعکس نکلا، اس کے اثر سے پاکستان پر جو زوال آنا تھا وہ آگیا، وَلِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔

انتخابات کے بعد احقر نے پھر سیاست سے مستعفی ہو کر اپنا یہ کام شروع کیا، اور الحمد للہ علیٰ کرمہ کہ رجب ۱۳۹۰ھ تک تیرہ پاروں کی معارف القرآن پر نظر ثانی اور درمیانی متروکہ آیات کی تفسیر بھی مکمل ہو گئی اور سورہ ابراہیم سے سورہ نحل تک دو پاروں کی مزید تفسیر بھی لکھی گئی، اب قرآن مجید نصف کے قریب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی اور۔۔۔۔۔ باقی ماندہ قرآن کی تفسیر لکھنا شروع کیا، اس کا اس وقت کوئی تصور نہیں تھا کہ کچھتر سال کی عمر اور سقوط قوی اس کے ساتھ مختلف قسم کے امراض کے تسلسل میں یہ تفسیر پوری ہو سکے گی۔

مگر یہ سمجھ کر کہ قرآن کو ختم کرنا مقصود نہیں قرآن میں اپنی عمر کو ختم کرنا ہے۔ اللہ کے نام پر یہ سلسلہ شروع کر دیا شعبان ۱۳۹۰ھ سے سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر شروع ہوئی اور ۲۳ صفر ۱۳۹۱ھ کو قرآن کی چوتھی منزل سورہ فرقان پارہ ۱۹ تک مکمل ہو گئی۔

آگے قرآن کی تین منزلیں یعنی تقریباً ایک تہائی قرآن کریم باقی تھا عمر کے ضعف مختلف قسم کے امراض کی بنا پر یہ خیال آیا کہ اس سب کی تکمیل تو شاید مجھ سے نہ ہو سکے مگر درمیانی پانچویں اور چھٹی منزل کی تفسیر احقر نے احکام القرآن میں بزبان عربی لکھ دی ہے جو شائع بھی ہو چکی ہے اگر میں اس کو نہ لکھ سکا تو میرے بعد بھی کوئی اللہ کا بندہ اسی احکام القرآن کی تفسیر کو اردو میں منتقل کر کے یہ حصہ پورا کر دیگا اور اس کی وصیت بھی چند حضرات کو کر دی اور درمیان کی یہ دو منزلیں چھوڑ کر آخری ساتویں منزل سورہ ق سے لکھنا شروع کر دیا۔

حق تعالیٰ کی مدد نے دستگیری فرمائی اور ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ سے شروع ہو کر شوال ۱۳۹۱ھ تک یہ آخری منزل پوری ہو گئی، صرف معوذتین یعنی آخر کی دو سورتیں چھوڑ دی گئیں۔

اب درمیانی دو منزلیں سورہ شعراء سے سورہ حجرات تک باقی تھیں اللہ کے نام پر ان کو بھی شروع کر دیا ان میں سورہ ص، صافات، زخرف تو برخوردار عزیزی مولوی محمد تقی سلمہ سے لکھوائی اور خود اس پر نظر ثانی کر کے مکمل کیا باقی سورتیں خود لکھنا شروع کیں اور قرآن مجید کا تقریباً ڈیڑھ پارہ باقی رہ گیا تھا کہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ ۸ جون ۱۹۷۳ء کو اچانک مجھے قلب کا ایک شدید مرض پیش آیا کہ موت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا دیکھنے والے تھوڑی دیر کا مہمان سمجھتے تھے۔

کراچی میں امراض قلب کے ہسپتال میں غیر شعوری طور پر پہنچا دیا گیا، تین روز کے بعد ڈاکٹروں نے کچھ اطمینان کا اظہار کیا جب کچھ ہوش وہو اس درست ہوئے تو باقی ماندہ تفسیر کا خیال ایک حسرت بن کر رہ گیا۔ برخوردار عزیزی مولوی محمد تقی سلمہ، کو وصیت کر دی کہ بقیہ کی تکمیل وہ کر دیں اس طرح قلب کا کچھ بوجھ ہلکا کیا۔

۱۔ یہ بھی اس حال میں کہ دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریوں اور فتوے کی مستقل خدمت کے علاوہ دوسرے اہم موضوعات پر دس مختصر اور مفصل کتابیں اور بھی لکھی گئیں جو شائع ہو چکی ہیں۔

(۱) احکام الحج جو مختصر اور سلیس ہونے کے ساتھ تمام ضروری احکام کو جامع بھی ہے۔ (۲) ایواقیت فی احکام الموایقیت موایقیت حج اور جدہ سے احرام کی تحقیق۔ (۳) منہج الخیر فی الحج عن الغیر (یعنی حج بدل کے احکام)۔ (۴) مقام صحابہ مشاجرات صحابہ اور عدالت صحابہ کی مکمل بحث اور سلف صالحین کا طرز عمل۔ (۵) اسلامی ذبیحہ کے شرعی احکام مفصل یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کی بحث تجزیات کی تردید۔ (۶) اعضائے انسانی کی پیوندکاری۔ (۷) بیمہ زندگی۔ (۸) پراویڈنٹ فنڈ (۹) اسلام اور سوشلزم۔ (۱۰) اسلامی نظام میں اقتصادی اصلاحات۔ فالله الحمد والمنہ۔ ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ہزاراں ہزار شکر کہ اس نے مرض سے صحت بھی عطا فرمائی اور تین مہینے کے بعد اتنی طاقت تھی کہ کچھ لکھنے پڑھنے کی ہمت ہونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر کام کرنے سے دماغ دل و نگاہ سب تھک جاتے تھے، محض حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہی تھا کہ اس نے اسی حالت میں یہ بقیہ تفسیر ۲۱ شعبان ۱۳۹۳ھ روز شنبہ کو مکمل کرادی اور حسن اتفاق سے یہی روز ۱۳۱۴ھ میں میری ولادت کا دن تھا۔ اس روز میری عمر کی ستر ۷۷ منزلیں پوری ہو کر اٹھتر واں سال شروع ہوا۔

اس تفسیر کا آغاز ۱۳۸۸ھ کی شدید بیماری میں ہوا اور خاتمہ پانچ سال کے بعد ۱۳۹۲ھ کی شدید بیماری کے متصل بعد ہوا۔ یہ پانچ سال آخر عمر کے طبعی ضعف، مختلف قسم کے امراض کے تسلسل افکار کے ہجوم اور ملک میں انقلابی ہنگاموں کے سال تھے، انہی میں حق تعالیٰ نے اس تفسیر کے تقریباً سات ہزار صفحات اس ناکارہ کے قلم سے لکھوادیئے، اور یہ بات آنکھوں سے دکھلا دی کہ

اِنَّ الْمَقَادِرَ اِذَا سَاعَدَتْ الْحَقَّ الْعَاجِزَ بِالْقَادِرِ
”یعنی جب تقدیر الہی مدد کرتی ہے تو عاجز کو قادر کے ساتھ ملا دیتی ہے“

علم و عمل پہلے ہی برائے نام تھا، اس ضعف و پیری اور امراض و مشاغل و ذہول نے وہ رہا سہا بھی رخصت کر دیا ان حالات میں کسی تصنیف خصوصاً قرآن کریم کی تفسیر کا ارادہ کرنا بھی ایک بڑی جسارت تھی۔ اطمینان اس پر تھا کہ اس میں میری اپنی کوئی چیز نہیں اکابر علماء اور سلف صالحین کی تفسیر کو آسان زبان میں اہل عصر کی طبائع کے قریب بنانا میری ساری محنت کا حاصل تھا۔

میں نے آخر عمر کے پانچ سال کی ہی محنت شاقہ اس تمنا میں صرف کی کہ عصر جدید کے مسلمان جو عموماً علمی اصطلاحات اور علمی زبان سے بیگانہ ہو چکے ہیں اکابر کی تفسیر کو ان کے لئے اقرب الی الفہم کر دوں تو شاید اس زمانے کے مسلمانوں کو اس سے نفع پہنچے اور میرے لئے زادِ آخرت بن جائے علماء محققین اپنی علمی تحقیقات کے کمالات دکھلاتے ہیں، اس ناکارہ نے اپنی بے علمی کو اس پردہ میں چھپایا ہے، اللہ تعالیٰ مجھ سے اپنی ستاری کا معاملہ فرمادیں، اور اس ناچیز کی خدمت کو قبول فرمادیں جس میں کسی علمی کمال کا تو کوئی دخل نہیں البتہ اپنے آپ کو تھکا یا ضروری ہے اور یہ تھکانا بھی اللہ ہی کی توفیق سے تھا ورنہ ایک قدم چلنے کی بھی کیا مجال تھی۔

کاش ! اللہ تعالیٰ میرے اس تھکنے پر نظر فرمائیں اور میری تقصیرات کو جو اس کی کتاب کریم کے حقوق ادا کرنے میں ہوئی ہیں، معاف فرما کر اس کو شرف قبولیت عطا فرمادیں۔

نہ بحرف ساختہ سرخوشم نہ بنقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو مے زخم چہ عبارت و چہ معانیم

تصنیف کتاب کی یہ لمبی کہانی احقر کے لئے تو ایک یادداشت اور شکرگزاری کے لئے ایک تذکرہ ہے مگر عام لوگوں کے ذوق کی چیز نہیں اس کے باوجود اس لئے لکھا کہ لوگوں کو میری اس جسارت کا عذر معلوم ہو جائے۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تفسیر قرآن پر مستقل تصنیف کے لئے جرأت کرنے کا میرے لئے دور دور تک بھی کوئی احتمال نہ تھا مگر غیر ارادی طور پر اس کے اسباب ہوتے چلے گئے۔ البتہ زمانہ دراز سے ایک تمنا دل میں تھی کہ حکیم الامت مجدد الملت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تفسیر بیان القرآن جو ایک بے نظیر، مختصر مگر جامع تفسیر اور سلف صالحین کی تفسیروں کا لب لباب ہے، لیکن وہ علمی زبان اور علمی اصطلاحات میں لکھی گئی ہے آج کل کے عوام اس سے استفادہ کرنے سے قاصر ہوئے ہیں۔ اس کے مضامین کو سہل زبان میں پیش کر دیا جائے مگر یہ کام بھی کافی محنت اور فرصت چاہتا تھا۔ پاکستان میں آنے سے پہلے کچھ شروع بھی کیا پھر رہ گیا تھا۔

معارف القرآن کی اس تحریر نے بحمد اللہ وہ آرزو بھی پوری کر دی، کیونکہ اس تفسیر کی بنیاد احقر نے بیان القرآن ہی کو بنایا ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

معارف القرآن کی خصوصیات والتزامات

۱۔ تفسیر قرآن جو عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہو اس میں سب اہم اور احتیاط کی چیز قرآن کا ترجمہ ہے کیونکہ وہ اللہ کے کلام کی حکایت ہے۔ اس میں ادنیٰ سی کمی بیشی بھی اپنی طرف سے روا نہیں اس لئے میں نے خود کوئی ترجمہ لکھنے کی ہمت نہیں کی اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ اکابر علماء یہ کام بڑی احتیاط کے ساتھ انجام دے چکے ہیں۔

اردو زبان میں اس خدمت کو سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دو فرزند ارجمند حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے اپنے طرز میں انجام دیا۔ اول الذکر ترجمہ میں بالکل تحت اللفظ ترجمہ کو اختیار کیا گیا ہے۔ اردو محاورہ کی بھی زیادہ رعایت نہیں رکھی گئی اور بڑے کمال کے ساتھ قرآن کے الفاظ کو اردو میں منتقل فرمایا ہے اور دوسرے ترجمہ میں تحت اللفظ کے ساتھ اردو محاورہ کی رعایت بھی ہے جس کو حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے چالیس سال مسجد میں معتمد رہ کر پورا کیا ہے یہاں تک کہ آپ کا جنازہ مسجد ہی سے نکلا۔

دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا فرمانا ہے کہ بلاشبہ ترجمہ الہامی ہے، انسان کے بس کی بات نہیں کہ ایسا ترجمہ کر سکے۔ شیخ العرب والعجم سیدی حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے اپنے وقت میں جب یہ دیکھا کہ اب بہت سے محاورات بدل جانے کی وجہ سے بعض مقامات میں ترمیم کی ضرورت ہے تو انہوں نے اسی ترجمہ کی یہ خدمت انجام دی جو ترجمہ ”شیخ الہند“ کے نام سے معروف و مشہور ہوا۔ احقر نے قرآن کریم کے زیرِ متن اسی ترجمہ کو بعینہ لیا ہے۔

۲۔ سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اصل تفسیر بیان القرآن کو اس انداز میں لکھا کہ متن قرآن کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ ہی اس کی تفسیر و توضیح قوسین کے درمیان فرمائی ہے۔ ترجمہ کو اس کے اوپر خط دے کر اور تفسیر کو بین القوسین لکھ کر ممتاز کر دیا ہے اس طرح خط کشیدہ الفاظ میں ترجمہ قرآن ہے اور بین القوسین اس کی تفسیر ہے۔ بہت سے لوگوں نے اسی خط کشیدہ ترجمہ کو الگ کر کے قرآن مجید کے زیرِ متن ترجمہ حکیم الامت کے نام سے خود حضرت کے زمانے میں شائع بھی کر دیا تھا۔

مجھے چونکہ بیان القرآن کی تسہیل کا کام پہلے سے پیش نظر تھا اس وقت احقر نے حضرت کی اس تفسیر کو بنام ”خلاصہ تفسیر“ شروع میں بعینہ صرف ایک تصرف کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ اس تفسیر میں جس جگہ خاص اصطلاحی اور مشکل الفاظ آئے تھے وہاں ان کو آسان لفظوں میں منتقل کر دیا اور اس کا نام خلاصہ تفسیر رکھنا اس لئے موزوں ہوا کہ خود حضرتؒ نے خطبہ بیان القرآن میں اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کو تفسیر مختصر یا ترجمہ مطوّل کہا جاسکتا ہے۔

اور اگر کوئی مضمون ہی خالص علمی اور مشکل تھا تو اس کو یہاں سے الگ کر کے معارف و مسائل میں اپنی آسان عبارت میں لکھ دیا تاکہ مشغول آدمی اگر زیادہ نہ دیکھ سکے تو اس خلاصہ تفسیر سے ہی کم از کم مفہوم قرآنی کو پورا سمجھ لے۔ ان دونوں چیزوں کا التزام جلد اول کی طبع اول میں پارہ ۱۴۴ رُبع اول آیت نمبر ۴۴ معارف جلد اول صفحہ ۱۵۶ تک نہیں ہو سکا تھا اب طبع ثانی میں اس حصہ کو بھی مکمل کر کے پوری تفسیر کے مطابق کر دیا گیا ہے البتہ ایک التزام جو جلد ثانی سے شروع ہوا کہ متن قرآن کے نیچے ترجمہ ”شیخ الہند“ لکھا جائے یہ پہلی طباعت کی پوری جلد اول میں نہیں تھا۔ طبع ثانی میں اس کو بھی تحت المتن لکھ کر سب کے مطابق کر دیا گیا یہ دونوں کام تو اکابر علماء کے تھے۔

۳۔ تیسرا کام جو احقر کی طرف منسوب ہے وہ ”معارف و مسائل“ کا عنوان ہے۔ اس میں بھی غور کیا جائے تو احقر کی صرف اردو عبارت ہی ہے۔ مضامین سب علماء سلف کی تفسیر سے لئے ہوئے ہیں جن کے حوالے ہر جگہ لکھ دیتے ہیں اس میں احقر نے چند چیزوں کا التزام کیا ہے:

(۱) علماء کے لئے تفسیر قرآن میں سب سے پہلا اور اہم کام لغات کی تحقیق، نحوی ترکیب، فنِ بلاغت کے نکات اور اختلافِ قرآت کی بحثیں ہیں جو بلاشبہ اہل علم کے لئے فہم قرآن میں سب سے پہلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی کے ذریعہ قرآن کے صحیح مفہوم کو پایا جاسکتا ہے لیکن عوام تو عوام ہیں آج کل کے بہت سے اہل علم بھی ان تفصیلات میں الجھن محسوس کرتے ہیں بالخصوص عوام کے لئے تو یہ بحثیں ان کی فہم سے بالا اور اصل مقصد میں مغل بنتی ہیں، وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا مشکل کام ہے۔

حالانکہ قرآن کریم کا جو اصل مقصد ہے کہ انسان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ قوی ہو اور اس کے نتیجے میں مادی تعلقات اعتدال پر آجائیں کہ وہ دین کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں اور دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر پیدا ہو اور انسان اپنے ہر قول و فعل پر یہ سوچنے کا عادی ہو جائے کہ اس میں کوئی چیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف تو نہیں۔ اس چیز کو قرآن نے اتنا آسان کر دیا ہے کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی خود دیکھ کر اور بالکل اُن پڑھ جاہل سن کر بھی یہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن کریم نے خود اس کا اعلان فرمایا دیا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ

تفسیر ”معارف القرآن“ میں عوام کی سہولت کے پیش نظر علمی اور اصطلاحی بحثوں کی تفصیل نہیں لکھی گئی بلکہ ائمہ تفسیر کے اقوال میں جس کو جمہور نے راجح قرار دیا ہے۔ اس کے مطابق تفسیر لے لی گئی اور کہیں کہیں ضرورت یہ بحث بھی لی گئی ہے تو وہاں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا کہ خالص علمی اصطلاحات اور غیر معروف اور مشکل الفاظ نہ آئیں اور اسی لئے ایسی مباحث علمیہ کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے جو عوام کے لئے غیر ضروری اور اس کی سطح سے بلند ہیں۔

(ب) مستند و معتبر تفاسیر سے ایسے مضامین کو اہمیت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جو انسان کے دل پر قرآن کی عظمت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت و محبت کو بڑھائیں اور قرآن پر عمل اور اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف مائل کریں۔

(ج) اس پر تو مؤمن کا ایمان ہے کہ قرآن کریم قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام مسائل کا حل اس میں موجود ہے بشرطیکہ قرآن کو رسول اللہ کے بیان و تشریح کی روشنی میں دیکھا اور پڑھا جائے اور اس میں پورا تدبر سے کام لیا جائے۔ اسی لئے ہر زمانہ کے علماء تفسیر نے اپنی اپنی تفسیروں میں ان جدید مسائل اور مباحث پر زیادہ زور دیا ہے جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوئے یا المحدثین اہل باطل کی طرف سے شکوک و شبہات کی صورت میں پیدا کر دیئے گئے اسی لئے قرون متوسطہ کی تفسیریں معتزلہ، جہمیہ، صفوانیہ وغیرہ فرقوں کی تردید اور ان کے شبہات کے ازالہ سے پر نظر آتی ہیں۔

احقر نا کارہ نے بھی اسی اصول کے تحت ایسے ہی مسائل اور مباحث کو اہمیت دی ہے جو یا تو اس زمانے کے مشینی دور نے نئے نئے پیدا کر دیئے اور اس زمانہ کے ملحدین اور یہودی اور نصرانی مستشرقین نے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لئے کھڑے کر دیئے۔ جدید مسائل کے حل کے لئے مقدور بھر اس کی کوشش کی ہے۔ قرآن و سنت یا فقہاء امت کے اقوال میں اس کا کوئی ثبوت ملے یا کم از کم اس کی کوئی نظیر ملے اور الحمد للہ اس میں کامیابی ہوئی۔

ایسے مسائل میں دوسرے علمائے عصر سے مشورہ لینے کا بھی التزام کیا گیا ہے اور ملحدانہ شکوک و شبہات کے ازالہ میں بھی مقدور بھر اس کی کوشش رہی ہے کہ جواب اطمینان بخش ہو اور اس جواب دہی کے لئے اسلامی مسائل میں ادنیٰ ترمیم کو گوارا نہیں کیا جیسا کہ دور حاضر کے بعض مصنفین نے اس جو ب دہی میں خود اسلامی مسائل میں تاویلیں کر کے ترمیم کر ڈالنے کا طریق اختیار کیا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی معلومات اور اپنی کوشش کی حد تک ہے جس میں بہت سی خطاؤں اور لغزشوں کا احتمال ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں اور ان کی اصلاح کا راستہ نکال دیں۔

مذکورہ الصدد التزامات نے تفسیر معارف القرآن کو مندرجہ ذیل چیزوں کا جامع بنا دیا ہے۔

(۱) قرآن مجید کے دو مستند ترجمے ایک حضرت شیخ الہندؒ کا جو دراصل شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ ہے دوسرا حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ترجمہ۔

(۲) خلاصہ تفسیر جو درحقیقت بیان القرآن کا خلاصہ مع تسہیل ہے جن کو علیحدہ بھی قرآن مجید کے حاشیہ پر طبع کر لیا جائے تو تھوڑی فرصت والوں کے لئے فہم قرآن کا مستند اور بہترین ذریعہ ہے۔ اس نے ایک اور ضرورت کو پورا کر دیا جس کی طرف مجھے انخی فی اللہ مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدینہ منورہ نے علامہ فرید وجدی کی ایک مختصر تفسیر حاشیہ قرآن پر دکھا کر توجہ دلائی تھی کہ کاش اردو میں بھی کوئی

ایسی تفسیر ہوتی جو اس کی طرح مختصر اور آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ آرزو بھی پوری فرمادی، یہ دونوں چیزیں تو اکابر علماء کی مستند اور معروف ہیں۔

(۳) تیسری چیز معارف و مسائل ہیں جو میری طرف منسوب ہیں اور میری محنت کا محور ہیں۔ الحمد للہ کہ اس میں بھی میرا اپنا کچھ نہیں سب اسلاف امت ہی سے لیا ہوا ہے۔ آج کل کے اہل علم و اہل قلم اکثر اس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی کوئی تحقیق اور اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیش کریں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس سب کام میں میرا اپنا کچھ نہیں۔

ایں ہمہ گفتیم ولیک اندر پیچ بے عنایاتِ خدا پیچم و پیچ

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اسأل الصواب والمداد فی المبدء والمعاد وبہ
استعین من زلة القلم فیما علمت وما لا اعلم وایاہ اسأل ان یجعلہ
خالصاً لوجهہ الکریم وان یتقبلہ منی کما تقبل من صالحی عبادہ وان
ینفعنی بہ یوم لا ینفع مال ولا بنون وله الحمد اولاً و آخراً وظاہراً
وباطناً وصلى الله تعالى على خير خلقه و صفوة رسله خاتم انبيائه
وعلى آله واصحابه اجمعين وبارک وسلم تسليماً كثيراً .

بندہ ضعیف و نا کارہ

محمد شفیع

خادم دارالعلوم کراچی

۲۵ شعبان ۱۳۹۲ھ



دارالعلوم دیوبند

اور

اس کا مزاج و مذاق

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

الحمد لله و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

دارالعلوم دیوبند برصغیر کی وہ عظیم علمی درس گاہ ہے جس نے گزشتہ صدی میں عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیتیں پیدا کیں اور ملت کی فکری اور عملی رہنمائی کر کے مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کئے۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ وہ کیوں قائم ہوا؟ اور اس نے کیا خدمات انجام دیں؟ ان سوالات کا صحیح جواب معلوم کرنے کے لئے آج سے تقریباً ایک صدی پہلے کے حالات پر ایک نگاہ ڈالنی ضروری ہے کیونکہ یہی حالات دارالعلوم دیوبند کے قیام کا سبب بنے اور اس درس گاہ کو اس وقت ٹھیک ٹھیک سمجھا جاسکتا ہے جب کہ اس کے قیام کا پورا پس منظر سامنے ہو۔

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کو مغربی تسلط سے نکالنے کی آخری کوشش تھی اور اس تحریک نے انگریز حکمرانوں پر کم از کم یہ بات ضرور واضح کر دی تھی کہ مسلمان ایسی قوم ہے جو کسی بھی حالت میں غلامی پر قانع نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس مرحلے پر انگریز نے اپنی پالیسی میں تبدیلی پیدا کی اور وہی انگریز جس نے لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا کر اور سینکڑوں کو تختہ دار پر کھینچوا کر ہندوستان میں اپنے بچے جمائے تھے، اب ہندوستانی عوام کا خیر خواہ بن کر ان کے سامنے آیا مقصد یہ تھا کہ جو قوم زور اور زبردستی سے قابو میں نہیں آ سکی اس کے ذہن کو رفتہ رفتہ ایسا بدلا جائے کہ وہ ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنے وجود کو فراموش کر بیٹھے۔ وہ اپنی دینی روایات تہذیبی اقدار اور تابناک ماضی سے دھیرے دھیرے بے خبری ہوتی چلی جائے یہاں تک کہ ایک عرصے کے بعد اسے یہ یاد ہی نہ رہے۔

وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارہ

اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ مؤثر حربہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی نظام تعلیم میں کچھ ایسی انقلابی تبدیلیاں لائی جائیں جن کے ذریعے ان کے ذہنوں پر مغرب کی ہمہ جہتی بالادستی کا سکہ بٹھایا جاسکے اور وہ اس بالادستی سے مرعوب ہو کر اپنے ذہن سے سوچنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں۔ چنانچہ لارڈ میکالے نے ہندوستانی باشندوں کے لئے ایک نئے مؤثر نظام تعلیم کی سفارش کی اور اس غرض کے لئے ایک طویل یادداشت مرتب کی جس میں اسلامی اور معاشرتی علوم کا پوری ڈھٹائی کے ساتھ مذاق اڑایا، مسلمان علماء پر بے بنیاد الزامات لگائے اور آخر میں صاف صاف لکھا کہ

”ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستان ہو مگر ذوق، طرز فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطہ نظر سے انگریز۔“

مسلمانوں کو چنی طور پر مفلوج کر کے انہیں ہمیشہ کے لئے انگریز کا غلام بنادینے کی یہ سازش درحقیقت ہندوستان پر اپنے اس اقتدار کو سنبھالادینے کے لئے تیار کی گئی تھی جو آزادی کی مختلف تحریکوں کی بناء پر ہر وقت ڈانواڈول رہتا تھا اور جس کی حفاظت کے لئے توپ و تفنگ کی طاقتیں ناکام ہو چکی تھیں۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے ایک چھوٹے سے شعر میں اس سنگین انگریز سازش کو بڑے بلیغ انداز میں بیان کیا ہے فرماتے ہیں ۔

توپ کھسکی، پروفیسر آئے جب بسولہ ہٹا تو رندا ہے

لیکن مسلمانوں میں سے اہل بصیرت علماء اس خطرناک سازش کے دور رس اثرات سے غافل نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اس مرحلے پر مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے کوئی مؤثر قدم نہ اٹھایا گیا تو کچھ عرصے کے بعد یہ قوم ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنا وجود ہی کھو بیٹھے گی اور چند نسلوں کے بعد ان میں شاید یہ بات جاننے والا بھی کوئی نہ رہے کہ اسلام کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟

اب تک اس دور کے اہل بصیرت علماء اس کوشش میں مصروف تھے کہ ہندوستان سے انگریز کی ساری اقتدار کو ختم کیا جائے اور اس مقصد کے لئے آزادی کی مختلف تحریکوں کے ذریعے وہ انگریزوں کے خلاف نبرآزما ہو چکے تھے لیکن جب انگریز نے توپ و تفنگ کا راستہ چھوڑ کر خاموش مگر سنگین سازش شروع کی تو یہی علماء جنہوں نے انگریزی اقتدار کے خلاف سر دھڑکی بازی لگا رکھی تھی انہوں نے بھی

اپنی پالیسی میں تبدیلی کر کے انگریز کے براہ راست مقابلے کو چھوڑ دیا۔ نئے تعلیمی نظام کی ہلاکت آفرینوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کا ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے خود ایسے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں جن میں وہ اسلام کو اپنی صحیح شکل و صورت کے ساتھ محفوظ رکھ سکیں۔

چنانچہ ان حضرات نے اپنی ساری توانائیاں اسی کام میں صرف کر دیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب، یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے جہاد میں نمایاں حصہ لیا تھا اور یوپی کے ایک چھوٹے سے خطے میں باقاعدہ اسلامی حکومت بھی قائم کر لی تھی اور اسی کے صلے میں انہیں عرصہ دراز تک حکومت کا سخت معتبوب بھی رہنا پڑا لیکن جب تعلیمی نظام کا یہ منصوبہ سامنے آیا تو ان حضرات نے دیوبند کے مقام پر ایک دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی اور اسی درس گاہ کا نام آج ”دارالعلوم دیوبند“ ہے۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ ہندوستان میں کسی دینی درس گاہ کو قائم کرنا نئے مصائب کو دعوت دینے کے مرادف تھا۔ دہلی میں جہاں سلطان محمد تغلق کے دور میں ایک ہزار مدارس قائم تھے انگریزی تسلط کے بعد ایک بھی مدرسہ باقی نہ رہا تھا، علماء بھی جہاد میں حصہ لینے کے جرم میں یا پھانسی پر چڑھا دیے گئے تھے یا انہیں کالا پانی بھیج دیا گیا تھا۔ باقی ماندہ حضرات منتشر اور اپنے اپنے حالات میں گرفتار تھے اسی لئے ان حضرات نے اس درس گاہ کے لئے کسی شہر کے بجائے قصبہ دیوبند کو پسند کیا اور کچھ علماء جمع کر کے اس سلسلہ خیر کا آغاز کر دیا۔

اس درس گاہ کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام اور اسلامی علوم کو مٹانے کی جو کوشش لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے ذریعہ کی جا رہی ہے اسے ناکام بنا کر اسلامی علوم کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کی جائے اور ایسے جاں نثار علماء کی ایک کھیپ تیار کر دی جائے جو سخت سے سخت حالات میں دین کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں بلکہ اسے دوسروں تک پھیلا اور پہنچا سکیں اور اس طرح عام مسلمان الحاد اور بے دینی کے ان فتنوں سے باخبر ہو سکیں جو مغربی طرز فکر اپنے ساتھ لائے گاتا کہ جب کبھی مسلمانوں کو مغرب کے سیاسی اقتدار سے آزادی نصیب ہو تو انہیں اسلامی نظام زندگی قائم کرنے کے لئے اسلام کی ہدایات جوں کی توں محفوظ مل جائیں اور وہ ان کی بنیاد پر اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکیں۔

چنانچہ مورخہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو نہایت سادگی کے ساتھ اس عظیم دینی درس گاہ کا آغاز کیا گیا اس درس گاہ کے بانیوں کا مقصد چونکہ دین کی پر خلوص خدمت تھی اس لئے اس

کے قیام کے لئے نہ اخبار و اشتہار کا اہتمام ہو نہ اس مقصد کے لئے کوئی باضابطہ بورڈ قائم کیا گیا اور نہ ہی شہرت اور نام و نمود کے دوسرے طریقے اختیار کئے گئے۔ بس اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے دیوبند کے چھوٹے سے قصبے کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے تھے ایک انار کے درخت کے نیچے آب حیات کا یہ چشمہ جاری کر دیا۔ اس عظیم الشان تعلیمی منصوبہ کو عملاً شروع کرنے والے صرف دو افراد تھے، ایک استاد ایک شاگرد دونوں کا نام محمود تھا۔ استاد حضرت ملا محمود دیوبندی تھے جنہیں مدرس کی حیثیت میں میرٹھ سے بلایا گیا تھا اور شاگرد دیوبند کے ایک نوجوان محمود الحسن تھے جو بعد میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہوئے اور جنہوں نے اپنی ریشمی رومال کی تحریک کے ذریعے انگریز حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ ڈال دیا۔

دارالعلوم دیوبندی خدمات اور خصوصیات

دارالعلوم کی ابتداء ایک انار کے درخت کے سائے میں ہوئی تھی۔ کسے معلوم تھا کہ یہ دو افراد جو اتنی مسکنت اور گمنامی کے ساتھ یہاں ایک چشمہ فیض جاری کر رہے ہیں بالآخر برصغیر کی تاریخ کا رخ موڑ کر رکھ دیں گے لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی سادہ درس گاہ سے علم و فضل کے ایسے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا۔ درس گاہیں دنیا میں بہت سی قائم ہوئیں ہیں درس گاہوں کا بھی کسی دور میں فقدان نہیں ہوا لیکن اللہ نے دارالعلوم دیوبند کو جو فضیلت اور جو امتیاز بخشا بہت کم علمی اداروں کے حصے میں آتا ہے۔ یہاں مجھے مختصر اسی امتیاز کو واضح کرنا ہے۔

دارالعلوم کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض ایک درس گاہ نہیں ایک خاص نظریے اور ایک خاص طرزِ عمل کا نام ہے جو کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اس درس گاہ کی بنیاد ہی چونکہ اس لئے رکھی گئی تھی کہ اس کے ذریعے اسلام اور اسلامی علوم کو اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ رکھا جائے اس لئے اس کا مسلک یہ رہا ہے کہ دین صرف کتابی حروف و نقوش کا نام نہیں ہے اور نہ دین محض کتابوں سے سمجھا جاسکتا ہے اللہ نے ہمیشہ کتاب کے ساتھ رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنے عمل سے کتاب کی تفسیر کرے۔ چنانچہ ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ دنیا میں رسول بھیجے گئے مگر کتاب نہیں آئی لیکن ایسی مثال ایک بھی نہیں ہے کہ صرف کتاب بھیج دی گئی ہو اور اس کے ساتھ رسول کوئی نہ آیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بتاتی ہے کہ دین کو سمجھنے سمجھانے اور پھیلانے پہنچانے کا راستہ صرف کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ اشخاص بھی ہیں جو کتاب کا عملی پیکر بن کر اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں۔

لہذا دین کو سمجھنے کے لئے کتاب اللہ اور رجال اللہ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ قرآن کریم کو آنحضرت ﷺ کی تفسیر و تشریح کی روشنی میں اور سنت رسول اللہ ﷺ کو صحابہ و تابعین اور دوسرے بزرگان دین کی روشنی میں ہی ٹھیک ٹھیک سمجھا جاسکتا ہے اس کے بغیر دین کی تعبیر و تشریح کی ہر کوشش گمراہی کی طرف جاسکتی ہے۔

مراتب کا فرق ضرور ہے جو مقام اللہ تعالیٰ کا ہے وہ کسی نبی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو مرتبہ ایک نبی کا ہے وہ کسی صحابی کا نہیں ہو سکتا اور جو درجہ ایک صحابی کو حاصل ہے کوئی بڑے سے بڑا ولی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ بس فرق مراتب کے ساتھ دین کے ان سرچشموں میں سے ہر ایک کے حقوق و حدود کی رعایت دارالعلوم دیوبند کا وہ خصوصی مزاج ہے جس نے اسے دوسرے اداروں سے امتیاز عطا کیا ہے اور جس کی بناء پر اس مسلک مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ایک ایسی راہ اعتدال کی حیثیت رکھتا ہے جس میں کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی ہے اور افراط و تفریط سے بچتی ہوئی انسان کو رضائے الہی جب دارالعلوم کا اساسی نظریہ یہ ٹھہرا کہ دین کتاب اللہ اور رجال اللہ کے مجموعے کا نام ہے۔

یہیں سے اس کا ایک دوسرا عملی امتیاز ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دارالعلوم اپنے عہد شباب میں محض ایک علمی درس گاہ نہیں تھی، جس میں طلباء کو صرف کتابوں کے حروف و نقوش اور صرف علم کا ظاہری خول دیا جاتا ہو، بلکہ ساتھ ساتھ ایک عملی تربیت گاہ بھی تھی، جہاں علم کے ظاہری بدن میں عمل صالح اور اخلاقی فاصلہ کی روح بھری جاتی تھی، یہاں سے فارغ ہو کر نکلنے والے صرف ظاہری علوم ہی سے آراستہ نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ عملی اعتبار سے بھی سچے اور پکے مسلمان ہوتے تھے، جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا، جن کی ہر ہر نقل و حرکت اسلام کی نمائندگی کرتی تھی۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یسین صاحب دارالعلوم کے قرن اول کے طلباء میں سے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب اسکے ایک چہرے سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر شخص صاحب نسبت ولی کامل تھا، دن کے وقت یہاں علوم و فنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن سے گونجتا تھا،

چنانچہ اس دور میں جو شخصیتیں دارالعلوم دیوبند سے تیار ہوئیں، انہوں نے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، سیاست اور اجتماعی امور میں ایسے ایسے تابناک کردار پیش کئے ہیں کہ آج اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ان میں سے ہر شخص اسلام کی مجسم تبلیغ تھا، وہ جہاں بیٹھ گیا ایک جہان کو سچا مسلمان بنا کر اٹھا، علم اگر روح عمل سے خالی ہو تو عموماً انسان میں خود پسندی اور پندار پیدا کر دیتا ہے

لیکن دارالعلوم دیوبند کا علم چونکہ روکھا پھیکا علم نہ تھا، بلکہ اس میں اخلاق و عمل اور عشق و محبت کا سوز و ساز بھی شامل تھا۔

اس کی تیسری خصوصیت یہ رہی کہ اس کا پورا ماحول تواضع اور سادگی اور بے تکلفی کا ماحول تھا۔ وہاں ہر شخص علم و عمل کا آفتاب ہونے کے باوجود عبدیت اور تواضع کا پیکر تھا۔ اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار استغناء اور خودداری کے حامل تھے اور دوسرے طرف فروتنی خاکساری اور ایثار و زہد کے جذبات سے معمور۔

دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہر علم و فن میں یکتائے روزگار تھے۔ ان کی تصانیف آج بھی ان کے علوم کی شاہد ہیں۔ لیکن ان کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ ان کے پاس کبھی کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے جمع نہیں ہوئے، دیکھنے والا پتہ بھی نہ لگا سکتا تھا کہ یہ وہی مولانا محمد قاسم ہیں جنہوں نے مسلمانوں ہی سے نہیں غیر مسلموں اور مخالفوں سے بھی اپنے علم و عمل و فضل کا لوہا منوایا ہے۔ دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ ہیں، جو بانیان دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہم سبق اور ہر کام میں رفیق، حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ اور استاذ الکمل حضرت مولانا مملوک العلیؒ کے صاحبزادے تھے۔ مزاج شاہانہ مگر سادگی کا عالم یہ تھا کہ بعض وقت کمر بند نہ ملا تو رسی سے کام لے لیا۔ تمام علوم و فنون اور بعض صفتوں میں بھی اللہ نے ان کو کمال بخشا تھا صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔

حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ دارالعلوم کے قرن اول کے اساتذہ میں سے تھے اور فلسفہ، ریاضی ہیئت اور دیگر عقلی علوم میں اس وقت ان کا ثانی نہیں تھا، انہوں نے ساری عمر دیوبند کے قصبے میں گزاری اور اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ دیوبند میں ان کی ذاتی جائیداد کجا رہنے کا مکان بھی اپنا نہیں تھا، حضرت ملا محمود صاحب جن سے دارالعلوم کی ابتداء ہوئی، دیوبند کے زمیندار بھی تھے مگر کوئی وقت علمی خدمت سے خالی نہیں۔ میرے والد محترم نے ایک بڑی کتاب ان سے صرف اس وقت میں پڑھی ہے جب کہ وہ گھر سے گوشت ترکاری لینے کے لئے بازار جاتے تھے، تو شاگرد ساتھ ہوتے۔ یہ سبق اسی طرح پورا ہوا، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ جو مدرسے کے پہلے طالب علم تھے اور بعد میں علم اور سیاست دونوں میدانوں میں عالم گیر شہرت حاصل کی، جب وہ دارالعلوم کے صدر مدرس ہوئے تو انہیں صرف ”بڑے مولوی صاحب“ کہا جاتا تھا تعظیمی القاب کے تکلف بعد میں پیدا ہوئے۔

مفتی عزیز الرحمن صاحب دارالعلوم کے پہلے مفتی اعظم تھے لیکن مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ محلے کی بیواؤں یتیموں اور بے کس افراد کا سودا سلف خود اپنے ہاتھوں سے لا کر انہیں پہنچایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ (جو حضرت میاں صاب کے نام سے معروف ہیں) حدیث کے اونچے درجے کے اساتذہ میں سے تھے۔ لیکن آخر تک ایک کچے مکان میں مقیم رہے اور صرف اس لئے پختہ مکان نہیں بنوایا کہ محلہ غریبوں کا تھا، اور جب تک سب کے مکان پختہ نہ بن جائیں۔ اپنا مکان پختہ کرانے کو دل نہیں مانتا تھا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جنہیں آج دنیا اسی صدی کے عظیم رہنما کی حیثیت سے جانتی ہے اور جنہوں نے ایک ہزار سے زیادہ تصانیف چھوڑی ہیں، ایک امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن دارالعلوم میں طالب علمی کی زندگی اس طرح بسر کی کہ مدرسے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں رہتے اور طالب علمی ہی کے زمانے میں اوقات کے نظم و ضبط کا یہ عالم تھا کہ ان کی مصروفیات کو دیکھ کر وقت معلوم کیا جاسکتا تھا زمانہ امتحان ہو یا عام تعلیم کا، ہمیشہ عشاء کے بعد سو جاتے اور آخر شب میں تہجد کے لئے بیدار ہوتے، اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔

اس علمی ادارے کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے مسلک اعتدال کی طرف دعوت اور دوسروں پر تنقید کے سلسلے میں پیغمبرانہ اسلوب تبلیغ اختیار کیا، جس میں مخالفت کو زیر کرنے کے بجائے اس کی دینی خیر خواہی کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند نے حق کے معاملے میں مدد نہنت کو کبھی گوارا نہ کیا اور جس بات کو حق سمجھا اس کا برملا اظہار بھی کیا لیکن اس اظہار میں حکمت اور نرمی کا پہلو ہمیشہ مد نظر رکھا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کا اصل مقصد چونکہ دین کی حفاظت تھا اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہ ہو سکتا تھا جب تک ایک جماعت دوسرے ہر کام کو چھوڑ کر صرف اسی کی نہ ہو رہے اس لئے انھوں نے دنیوی مناصب اور عہدوں سے قطع نظر کر کے اور خود پیٹ پر پتھر باندھ کر اس خدمت کو انجام دیا لیکن عام مسلمانوں کی مادی ترقی کی فکر بھی انہیں ہمیشہ دامن گیر رہی۔ انھوں نے ہر اس پر خلوص تحریک کے ساتھ مقدور بھر تعاون کیا جو دین کو محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی فلاحی اور مادی ترقی کا مقصد لے کر آگے بڑھی ہاں جس جگہ مادی ترقی کے شوق میں انہیں دین پامال ہوتا نظر آیا وہاں وہ دین کی حفاظت کے لئے سید سکندر بن گئے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ دو سو سال تک انگریز اور ہندو کی دوہری چکی میں پسنے کے باوجود اللہ کے فضل و کرم سے آج دین اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہے۔ برصغیر میں دین کو

سمجھنے والے اس کی دعوت دینے والے اور اس پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھنے والے موجود ہیں اور عام مسلمان بھی مغربی افکار کے بے پناہ سیلاب کے باوجود نظری طور پر آج بھی مسلمان ہیں اور اسلام پر فخر کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے جتنی عظیم شخصیتیں پیدا کیں، اتنی شخصیتیں کم ہی کسی علمی درسگاہ کے حصہ میں آئی ہیں۔ شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب ”جنہوں نے تقریباً چالیس سال دارالعلوم میں درس حدیث وغیرہ کی خدمات انجام دیں، اس کے ساتھ ہی اصلاح و تربیت کا بڑا سلسلہ قائم فرمایا، ہزاروں علماء صلحاء اور مشائخ طریقت کی سورت میں ہندوستان بیرون ہندوستان میں پھیلا۔ آخر عمر میں اہل یورپ کے متحدہ محاذ کے ذریعے ترکی اسلامی خلافت کے زوال کے وقت جذبہ جہاد غالب آیا تو ہندوستان کو انگریزی تسلط سے آزاد کر کے اسلامی سلطنت بنانے کے لئے وہ بے مثال کارنامے انجام دیئے کہ انگریز بھی حیرت میں رہ گئے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ جو دارالعلوم کے فضلاء میں ایک بینظیر شخصیت ہیں دین اور علم دین کی خدمات کے جتنے شعبے ہیں سب میں آپ کے مآثر بے شمار ہیں۔ ایک ہزار سے زائد آپ کی وہ مقبول تصانیف ہیں جن سے لاکھوں مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا آپ کے سلسلہ ارشاد سے بھی لاکھوں مسلمانوں کی زندگی بنی اور سینکڑوں مشائخ طریقت پیدا ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ”جو حضرت شیخ الہند کے اخس تلامذہ میں سے ہیں جو دارالعلوم میں تعلیم سے فراغت پا کر تزکیہ نفس کے لئے چند سال حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں رہے۔ بالآخر ان کے خلیفہ مجاز ہوئے اور اٹھارہ سال تک مدینہ منورہ مسجد نبوی میں علوم قرآن و حدیث کا درس دیا پھر اپنے استاد حضرت شیخ الہند کے ساتھ جہاد آزادی میں شرکت فرما کر چار سال مالٹا جیل میں آپ کے ساتھ رہے پھر رہائی کے بعد بھی اسی مشن کی تکمیل میں جدوجہد کرتے رہے اور آخر میں ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۵۷ھ ۳۲ سال دارالعلوم کے صدر مدرس اور ناظم تعلیمات کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے ہوئے دارالعلوم ہی میں وفات پائی۔

نمونہ سلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام علوم و فنون میں ایک بے نظیر جامع عالم بنا دیا تھا خصوصاً حدیث میں تو اپنے زمانے کے زہری اور حافظ ابن حجر سمجھے جاتے تھے آپ کا درس علوم معارف کا خزانہ ہوتا تھا۔

قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوتا تھا اور مولانا سید محمد انور شاہ صاحب بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال حسب معمول جلسے میں تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا ایک صبح نماز فجر کے وقت میں حاضر ہوا تو دیکھا حضرت اندھیرے میں سر پکڑے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا ”حضرت! کیسا مزاج ہے؟“ کہا ”ہاں! ٹھیک ہی ہے۔ میاں مزاج کیا پوچھتے ہو؟ عمر ضائع کر دی۔“

میں نے عرض کیا ”حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت اور دین کی اشاعت میں گزری ہے آپ کے ہزاروں شاگرد علماء اور مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟“ فرمایا ”میں تم سے صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی۔“ میں نے عرض کیا ”حضرت بات کیا ہے؟“

فرمایا ”ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حقیقت کی ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ پر آپ کے مسلک کی فوقیت ثابت کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔“

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی، ابو حنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں؟ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور ہم امام شافعیؒ، مالکؒ اور احمدؒ بن حنبلؒ اور دوسرے مسلک کے فقہاء کے مقابلے میں جو ترجیح قائم کرتے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا۔ لہذا اجتہادی مسائل کا صرف اس دنیا میں فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ دنیا میں ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح ہے یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو اور وہ خطا ہے، اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا۔ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی۔

اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ ابو حنیفہؒ کو، مالکؒ کو رسوا کرے گا نہ احمد بن حنبلؒ کو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے جنہوں نے

نورِ ہدایت چار سو پھیلا دیا ہے جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدانِ حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس۔

تو جس چیز کو دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں اور نہ محشر میں اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی ضروریات جو سبھی کے نزدیک اہم تھیں جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے جن کی دعوت کو عام کرنے کو ہمیں حکم دیا گیا تھا اور جن منکرات کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی آج وہ دعوت تو نہیں دی جا رہی۔ آج ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اور اپنے اور انبیاء کے چہروں کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے اور حلال و حرام کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحب نے آخر میں فرمایا، یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔

حق تعالیٰ ہمارے ان اکابر کی قبروں پر کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائیں۔ آمین



بسم الله الرحمن الرحيم

اسلامی توحید

توحید اسلام کی یکتائی

توحید کی تعلیمات میں اسلام ایک امتیازی خصوصیت کا حامل ہے۔ قرآن میں ارشاد باری ہے:

وَمَنْ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

”ایک اور تنہا واحد وغالب اللہ کے سوا اور کوئی معبود قابل پرستش نہیں۔ اس نے تمام چیزیں پیدا کیں اور وہی علت العلل اور یکتا ہے۔“

اگر نظر غائر سے دیکھا جائے اور فلسفہ کی روشنی میں نگاہ اٹھائی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پوری کی پوری کائنات عالم منظم و منضبط نظر آئے گی۔ کوئی نتیجہ بغیر عمل کے اور کوئی معلول بغیر علت کے نظر نہ آئے گا۔ دھواں اڑتا نظر آئے گا تو دیکھنے والا فوراً سمجھ جائے گا کہ کہیں آگ لگی ہوئی ہے، کہیں خون گر نظر آئے گا تو معاً خیال گذرے گا کہ یہاں کوئی حادثہ گزرا ہے۔ کبھی کسی نے چراغ کو خود بخود روشن ہوتے اور بارش کو بے بادل کے برستے نہیں دیکھا۔

جب ہم سبب کا کوئی نتیجہ اور ہر علت کا کوئی معمولی مشاہدہ کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم فلسفہ ہی کی رو سے آگے بڑھتے اور کھوج لگاتے ہوئے علت العلل تک پہنچ جائیں۔ ہر کل کا کوئی جزو ہوتا ہے تو ہر جزو کا کل ہونا بھی لازمی ہے اور وہی خدا ہے۔ ہر فلسفی سلسلہ علت میں گزرتا ہوا ایک ایسی علت میں پہنچ جاتا ہے جس کے آگے اسے کوئی علت نظر نہیں آتی اور وہ مادہ کے متعلق کہہ اٹھتا ہے کہ یہ کسی کا معلول نہیں اور اسی سے خود بخود ساری دنیا پیدا ہو گئی ہے۔

اس ٹھوکری وجہ یہ ہے کہ وہ الہامی علم کو چھوڑ دیتا ہے کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ فیثا غورث، بقراط، افلاطون، ارسطو، ابن رشد، ابن ماجہ، کانٹ، مل، ایسنر جو لکھ گئے اسے تو صحیح سمجھ لیا جائے اور جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسحق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور حضور نبی کریم ﷺ فرما گئے، اسے باور نہ کیا جائے۔

جس طرح اول الذکر جماعت کے پیروؤں کی جماعتیں وقتاً فوقتاً قائم ہوتی رہیں، اسی طرح مؤخر الذکر جماعت کے پیرو بھی متعدد کثیر دنیا میں پھیلے اور اس فراوانی کے ساتھ پھیلے کہ اول الذکر جماعت کے پیرو اس کے مقابلے میں بالکل بے حقیقت نظر آتے ہیں بلکہ اس جماعت میں بڑی بڑی قابلیتوں، عظمتوں اور سطوتوں کے پیرو نظر آئے اور اب تک آرہے ہیں۔

ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ یہ کوئی ضروری نہیں بلکہ ہر شخص مؤخر الذکر جماعت کی تعلیمات کو باور کرنے پر مجبور ہو مگر یہی چیز اول الذکر جماعت کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے۔ جس عقل سے وہ بہرہ مند تھی یہ بھی اس سے بیگانہ نہ تھی۔ تاہم مؤخر الذکر جماعت کی اتنی فضیلت تو بروئے عقل تسلیم ہی کرنی پڑے گی کہ اول الذکر جماعت سے بھی آگے بڑھی اور س نے اول الذکر کی قائم کی ہوئی علت العلل مادہ کو بھی معلول قرار دے کر علت العلل خدا کو قرار دیا۔ سلسلہ ہائے علت کے سمجھنے کے لئے بھی علم کی ضرورت تھی اور اس علم میں قدیم فلسفیوں کے علم سے مدد لی گئی۔

اسی طرح تعلیمات نبوت کو بھی سامنے رکھا جانا ضروری تھا کیونکہ اس اعتبار سے وہ زیادہ اہم تھی کہ وہ فلاسفران قدیم سے آگے بڑھی ہوئی تھی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فلسفہ میں جو قدم بڑھتا ہے وہ تعلیمات نبوت کے متعلق بے سوچے سمجھے یہ رائے قائم کر کے بڑھتا ہے کہ اسے عقل سے کوئی تعلق نہیں۔

توحید کے عقلی دلائل

کم از کم اسلام کے متعلق تو حتمی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہر قدم پر عقل کو مخاطب کرتا چلا جاتا ہے۔

ام خلقوا من غیر شئی ام هم الخالقون ام خلقوا السموات والارض
بل لا یوقنون °

”کیا یہ لوگ جو خالق قدر کی خلافت و وحدانیت سے منکر ہیں کسی کے پیدا کئے بغیر آپ ہی آپ پیدا ہو گئے یا اپنے خالق یہ آپ ہی ہیں یا ان آسمانوں اور زمین کو خود انہوں نے ہی پیدا کیا ہے۔“

یہ کوئی بات نہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ خود عمداً اللہ تعالیٰ پر یقین ہی نہیں کرنا چاہتے۔ کتنی رسا اور مدلل بات کہی گئی ہے اور وہ بھی استفہامی لہجہ میں تین سوالات کئے گئے ہیں جن میں سے ایک کا جواب بھی اثبات میں نہیں ہو سکتا۔ مشاہدہ تو یہی ہے کہ ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں اور جب اپنا پیدا ہونا مشاہدہ میں ہے تو زمین اور آسمانوں کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ یہ آپ ہی آپ پیدا ہو گئے ہوں گے۔ تنہا توحید

کے لئے یقیناً یہی ایک آیت دفتر کے برابر ہے لیکن وہ اندھا دھند تسلیم نہیں کراتا، فرماتا ہے:

وایة لهم الیل نسلخ منه النهار فاذا هم مظلمون والشمس تجری

لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم

”بندوں کے سمجھنے کے لئے ہماری قدرت کی ایک دلیل و نشانی رات ہے کہ ہم اس میں سے دن کو کھینچ کر نکال لیتے ہیں اور یہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں پھر سورج کو دیکھو کہ وہ کس نظم و ضبط کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں ہے۔ یہ سب نظام خدا ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔“

چاند پر غور کرو کس طرح گھٹتا بڑھتا ہے۔ ایسا انتظام قائم کر دیا ہے کہ نہ آفتاب چاند سے ٹکرا سکتا ہے اور نہ دن کے پورا ہونے سے پیشتر رات ہی آسکتی ہے، سب اپنے اپنے دائرہ میں گھوم رہے ہیں۔ سورہ لقمان کی ایک آیت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ اللہ ہی نے سورج اور چاند کو مطیع بنا رکھا ہے اور دونوں ایک مقررہ وقت تک اسی طرح مصروف پیکار رہیں گے۔

فرمائیے کون کہہ سکتا ہے کہ ایک بے حس مادہ نے سورج اور چاند کو پیدا بھی کیا اور اتنی مرتب صورت بھی دے دی۔ یہ سب دلائل ہیں اور قرآن قدم قدم پر دلائل پیش کر کے اللہ کے وجود کو ثابت کر رہا ہے۔ ادنیٰ خرد و عقل کا آدمی بھی ایک بڑے سے بڑے فلسفہ سے یہ سوال کر کے اسے ساکت کر سکتا ہے کہ جب ہم خود آپ ہی آپ پیدا نہیں ہوئے تو یہ کائنات کیوں کر آپ ہی آپ پیدا ہو سکتی ہے اور ایک بے جان مادہ جانداروں کو کیونکر پیدا کر سکتا ہے۔

اشیائے عالم کی صنعت

دنیا کی ہر چیز، ہر درخت، ہر جانور، ایک نظم، خاص خصوصیت اور خاص صنعت کا پیکر ہے۔ مچھلیاں آبی جانور ہیں ان کے جسم تیرنے کے لئے موزوں بنائے گئے ہیں، شیر کو چیر پھاڑنے کے لئے دانت اور پنچے دے دیئے، پرندوں کے اڑنے کے لئے پر عطا کر دیئے، ہڈیاں سبک بنائیں، نباتات و جمادات میں بھی یہی صورت نمودار ہے۔ ہرن کھری مصفی خون ہے، لکروند جرم کو مارتا ہے، اوندھا ہولی اور ام و قروح کو نافع ہے، ججودست بند کرتی ہے۔ یہ کیا بے حقیقت کوڑے میں پڑی ہوئی ہوں، پرانی دیواروں میں لگا ہوا کوئلہ اور تیلیوں کا چھتہ کبوتر اور مرغی کی بیٹ تک اپنے اپنے اندر وہ طبی خواص رکھتی ہے جنہیں دیکھتے اور معلوم کرتے ہی انسان پر حیرت طاری ہو جاتی ہے۔ عقل باور کر سکتی ہے کہ یہ تاثیرات اور یہ اسرار جدا گانہ بے ادراک مادہ نے پیدا کر دیئے، ہرگز نہیں۔ قرآن اسے بھی بطور دلیل پیش کرتا ہے :

سبح اسم ربك الاعلى الذى خلق فسوى والذى قدر فهدى
 ”پروردگار اعلیٰ کی تسبیح بیان کرو جس نے سب کچھ پیدا کیا اور نہ صرف پیدا کیا بلکہ پیدا کرنے
 کے ساتھ ہی مخلوقات چرند، پرند و حیوانات کی پرورش و بقا کے الگ الگ طریق مقرر کئے اور
 انہیں بتا بھی دیا۔“

اس آیت پر اگر فلسفی نظر ڈالیں تو بلاشبہ سبحان اللہ کہہ اٹھیں۔ شیر کو چیرنا پھاڑنا، مرغی کے چوزے کو
 انڈے سے نکلتے ہی چکنا، مچھلی کے بچے کو تیرنا، بندر کو وضع حمل کے ساتھ چر چٹا باندھنا، کتے کو زخم
 چاٹ چاٹ کو اچھا کرنا کس نے سکھایا، کس مادہ کس فلسفی اور کس سائنس نے سکھایا۔ یہ خیالات فطری
 طور پر پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب فطری مذہب کی فطری کتاب دیتی ہے۔ اللہ نے فرمایا :

ربنا الذى اعطى كل شئ خلقه ثم هدى

یعنی مادہ نے نہیں پروردگار نے جس نے ہر مخلوق کو ایک خاص ساخت عطا کی اور اسے ان مقاصد
 خاص کے پورا کرنے کی راہ دکھائی جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا۔

باری تعالیٰ کی صفات اور مذاہب غیر

اسلام نے تو خدا کی حقیقت و صنعت بیان کر دی :

الله لا اله الا هو له الا سماء الحسنیٰ هو الله الخالق البارئ المصور له
 الا سماء الحسنیٰ

”وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں سب اچھے نام اسی کے ہیں۔ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے
 والا طرح طرح کی صورتیں بنانے والا ہے۔ اس کی اچھی اچھی صفات ہیں اور اچھے ہی اچھے
 نام ہیں ازلی ہے ابدی ہے، الہ واحد۔“

اب دیگر مذاہب کی سنئے :

عیسائیوں کا عقیدہ ہے باپ خدا، بیٹا عیسیٰ اور روح القدس تینوں غیر مخلوق ازلی و ابدی اور قادر و
 مطلق ہیں۔ مسیح بندہ بھی ہے اور مالک بھی، آدمی بھی ہے اور خدا بھی، جو جنگل میں جلتے ہوئے درخت
 میں ظاہر ہوا، مسیح ہی تھا مسیح یسوع۔ مسیح کو محض خدا نہیں کہتے خدائے مجسم کہتے ہیں یعنی خدا جس میں
 ظاہر ہوا ہے عام طور سے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے ان میں سے جو بات مطابق عقل ہو اس کا اندازہ
 خود کر لیجئے۔ پھر کوئی دلیل نہیں کوئی توجیہ نہیں اور ایک کے تین تین خدا بنادئے۔ عقل میں آسکتا ہے کہ

خدائے واحد و قہار کا بیٹا اور بندوں کے ہاتھوں میں پھانسی چڑھے اور وہ قدرت کے باوجود نہ بچا سکے۔ دنیا نے جسے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن مبارک سے پیدا ہوتے دیکھا وہ آج خدا بن گیا۔ اسلام نے اس حقیقت پر بھی ماسیح ابن مریم الارسول کے الفاظ میں روشنی ڈال دی کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسیح مریم کے بیٹے ہیں اور رسول۔

مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ خدا دو ہیں یزداں و اہرمن۔ ایک خالق خیر ہے اور دوسرا خالق شر ہے۔ یہ بھی عقل کے خلاف ہے دنیا ہی کے اندر مشاہدہ ہے کہ کسی ایک چھوٹے سے چھوٹے ملک میں بھی دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ پھر اتنی بڑی سلطنت الہیہ میں دو خدا کیونکر قائم رہ سکتے ہیں بالخصوص جب کہ اس میں ایک خدا ہو ہی خیر کا :

لو كان فيها الهة الا الله لفسدتا

”دو خدا ہوتے تو آسمان اور زمین برباد ہو کر رہ جاتے“۔ کتنی لگتی ہوئی دلیل ہے۔ قرآن کی یہ

خوبی مشاہدہ کیجئے کہ وہ توحید کے متعلق ہر قدم کے گمراہ کن عقیدہ کی بھی اس معقولیت اور اس خوبئی کے ساتھ تردید کرتا چلا جاتا ہے کہ وہ تردید ہی خدا کی وحدانیت کی دلیل بن جاتی ہے۔

دونوں خدا ہیں تو ظاہر ہے کہ ان میں اپنے اپنے کام کے انجام کی پوری پوری قدرت بھی ہوگی۔ دونوں اپنے اپنے کام میں ایک دوسرے کے محتاج نہ ہونگے کہ محتاجی تسلیم کرنا تو خداوندی سے انکار کے مترادف بن جائے گی۔ اب دونوں اپنے اپنے کام پر پوری قدرت سے آمادہ ہوتے ہیں۔ خیر والا خدا بارش برسانی چاہتا ہے اور شر والا قحط ڈالنے کی خواہش رکھتا ہے۔ ایک امن چاہتا ہے اور دوسرا فساد کرانے پر آمادہ ہے۔ ایسی صورت میں جو نتیجہ مرتب ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے کہ کائنات کی بربادی اور بس !

بود ہوں کا عقیدہ ہے کہ خدا سرے سے کوئی ہستی ہی نہیں رکھتا۔ آج ہر جگہ ان کے معاہد میں بت ہی بت نظر آتے ہیں۔ جینیوں کی بھی یہی حالت ہے۔

یہودیوں کا عقیدہ توحید میں بڑی حد تک اسلام کے عین مطابق ہے۔ وہ وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ جزئیات اور صفات میں اختلاف ہے۔ دوسرے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق عقلی دلائل کا وہ ذخیرہ ہر گز نہیں جو ایک دہریے کو بھی اعتراف پر مجبور کر سکے۔

ہندو اور توحید بدھوں کی طرح ہندویت بھی بے شمار فرقوں پر مشتمل ہے جس کے اندر اصول اور بنیادی اختلافات موجود ہیں۔ تاہم جن فرقوں میں توحید پائی بھی جاتی ہے۔ مثلاً ایک آریہ سماجی اور

میں بھی اس کا تصور ناقص ہے۔ یجروید کے اکتیسویں ادھیا کے چھٹے منتر میں ہمیں یہ عبارت آریہ سماج کے پانی پنڈت دیانند سرتی کی اپنی کتاب کے اندر نظر آتی ہے کہ :

”یہ تمام موجودات اس ایشور کے سہارے سے اور نہایت خفیف حصہ میں جیو کے سہارے بھی قائم ہے۔“

اول تو موخر الذکر حصہ ہی تو حید ہنود کے نقص کا شائد ہے۔ جب خدا خدا ہی ٹھہرا تو اسے کسی کے سہار کی کیا ضرورت ہے۔ خواہ وہ سہارا خفیف ہو۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آریہ سماج والے تو حید کا عقیدہ رکھتے اور خدا کو مانتے اور بت پرستی کو برا سمجھتے ہوئے بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ دنیا خدا کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ البتہ وہ اس کا منتظم ہے۔ جنت و دوزخ اور حشر و نشر کے بھی وہ مائل نہیں، اُن کے نزدیک یہ دنیا ہی جنت و دوزخ ہے۔ جو اچھے کام کرتا ہے وہ مرنے کے بعد کسی امیر گھرانے میں پیدا ہو جاتا ہے اور جو برے کام کرتا ہے وہ دکھ بھگتے اور اپنے کئے کی سزا پانے کے لئے کسی جانور کی جون میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور کتے بلی وغیرہ کی شکل میں رہتا ہے۔

غور کیجئے کہ ان میں کون سی بات قرین عقل ہے خدا کا خدا ہو کر بھی کسی دوسرے کے سہارے کا محتاج ہونا مودات کا نہ بنا سکنا۔ سزائے اعمال کا نرالا اور خلاف عقل طریقہ اختیار کرنا اور حسن عمل پر دنیا ہی کے کسی امیر گھرانے میں پیدا کر دینا کہاں تک عقل سلیم کے مطابق ہے۔ بظاہر امراء کی زندگی درخشاں زندگی معلوم ہوئی ہے۔ اور اس لئے معلوم ہے کہ ہم اسے افلاس کی نشیبی سر زمین میں کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں ان کی زندگی بھی ایسی زندگی نہیں ہوتی جسے جنت کے لفظ سے معنون کیا جائے۔ ایک شخص اپنی زندگی دھیان گیان میں گزار دیتا ہے۔ لذت دنیاوی ترک کرتا ہے گناہوں اور برائیوں سے بچتا ہے اس کا صلہ اسے کیا ملا ہے کہ وہ ایک بڑے امیر گھرانے میں پیدا ہو جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ چالیس پچاس سال اسے آرام و عزت کے ساتھ بسر کرنے کو مل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کیا امیروں کو دکھ نہیں ہوتا بیماریاں نہیں آتیں حوادث سے دوچار ہونا نہیں پڑتا فکر و غم کی نشتر کاریوں سے محفوظ رہتے ہیں کیا نہیں ہوتا۔ یہی کوئی صلہ میں صلہ ہے۔ پھر امارت ایسی چیز ہے کہ گنہگار سے گنہگار میں اگر عزم اور حوصلہ کی قوت موجود ہے تو وہ اس بلندی پر فرش غربت سے اٹھ کر پہنچ سکتا ہے جنت تو وہ ہے جہاں ہر قسم کا عیش بھی عیش ہو کلفت و غم اور فکر و تردد کا نام تک نہ ہو۔ پھر یہ عیش ہی عیش دوام ہو ہندوؤں کا خدا یہ نہیں کر سکتا اور اس کی قوت نہیں رکھتا تو ضرور اس کی الوہیت میں نقص باقی رہتا ہے حالانکہ اس کی ذات نقص سے بالاتر ہونی چاہئے۔

ذات باری سے اسلامیوں کی محبت

اسلام نے یہی نہیں کہ اس کی وحدانیت کو عام فہم دلائل سے ثابت کیا بلکہ اس کی تمام صفات بھی اس خوبی کے ساتھ ذہن نشین کرادیں کہ خود بخود بندوں کے قلوب میں اس کی محبت و شیفگی کے جذبات پیدا ہوتے چلے جائیں۔

الم تعلم ان الله على كل شئ قدير الم تعلم ان الله له ملك السموات والارض ومالك عن دون الله من ولي ولا نصير.

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ درحقیقت اللہ ہر چیز اور ہر کام کی پوری قدرت رکھتا ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں میں اور زمین میں اسی کی سلطنت ہے۔ اس کے سوا نہ تمہارا کوئی سرپرست ہے اور نہ حامی و مددگار ہے۔ یعنی وہ مالک الملک ہے کامل اقتدار والا ہے وہ کر سکتا ہے اور اس اقتدار و عظمت کے ساتھ وہ تمہارا ربی و مددگار بھی ہے۔“

بدیع السموات والارض انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبه وخلق کل شئ وهو بکل شئ علیم ذلکم اللہ ربکم لا الہ الا هو خالق کل شئ فاعبدوه وهو علی کل شئ وکیل.

”اسی لئے ان آسمانوں اور زمین کو قدرت کے ساتھ پیدا کیا اس کے اولاد کیونکر ہو سکتی ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی نہیں وہ تنہا ذات ہے ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے ہر چیز کے حالات سے واقف ہے یہی اللہ ہے جو تمہیں پرورش کرتا ہے پالتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تمام چیزوں کا خالق ہے پس اس کی عبادت کرو وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔“

اپنی قدرت و عظمت ظاہر کرنے کے بعد اپنی شان خلاتی پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ پروردگار بھی ہے اور نگہبان بھی ہے۔

ام جعلوا اللہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابه الخلق علیہم قل اللہ خالق کل شئ وهو الواحد القہار.

”ان مشرکوں نے ایسے شریک ٹھہرا رکھے ہیں گویا کہ انھوں نے اسی کی طرح کوئی مخلوق بھی پیدا کر رکھی ہے اور اب انہیں اس کے متعلق شبہ واقع ہو گیا ہے کہ یہ کس کی پیدا کی ہوئی اس کی یا ان کی؟ کہہ دیجئے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ سب پر غالب ہے۔“

کتنی صاف بات ہے واحد القہار خلاق اور نگہبان ہی نہیں ہے۔ رحمٰن و رحیم بھی ہے یعنی بے مانگے اور بلا معاوضہ بھی اپنی طرف سے عطا کرتا ہے۔ ”وخشی الرحمن بالغیب“ اور بندوں کی صحیح کوششوں اور سچی محنتوں کو بھی وہ ضائع نہیں ہونے دیتا اور انہیں بار آور کرتا ہے۔

ان الله بالناس لرؤف الرحیم

کوئی نیک ہو یا بد، یہودی ہو یا مجوسی جو محنت و کوشش کرتا ہے اپنی شان رحیمیت سے اسے کامیاب کر دیتا ہے اور اپنی رحمانی شان سے بندوں کی راحت کے لئے بے طلب پہلے ہی سے ہوا، روشنی، پانی، پیڑ، چاند اور سورج پیدا کر دیئے ہیں وہ ظاہر و باطن اور اگلے اور پچھلے امور سے بخوبی واقف ہے۔

مریض ٹھیک ٹھیک علاج کراتا ہے وہ شفا دے دیتا ہے۔ چلن سے چلتا ہے وہ مال دار کر دیتا ہے کھیت بوتا ہے غلہ کے انبار لگا دیتا ہے۔ توبہ کرتا ہے تو معاف بھی کر دیتا ہے کہ رحیم ہے اور کبھی خوش ہو کر تخت و تاج بھی عطا کر دیتا ہے اور اس کے ہاتھ میں مٹی کو سونا بنا دیتا ہے کہ شہنشاہ عالم ہے رحمٰن ہے۔ شان ربوبیت کا بھی حامل کہ بتدریج ترقی دے کر کمال کو پہنچا دیتا ہے ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کرنا اور والدین کے دل میں محبت ڈال دینا، بارش برسانا سب ربوبیت ہی کے مظہر ہیں کتنی پیاری اور کتنی کامل و محبوب ذات ہے۔

ایک آریہ سماج ہیں کہ نہ اس کے مستقبل کے علم کے قائل ہیں اور نہ توبہ پر معاف کرنے کے نہ روح و مادہ کے پیدا کرنے کے، ظاہر ہے کہ جو ہستی ہر اعتبار اور ہر نوعیت سے ذات و صفات میں کامل ہو وہی سب کے لیے قابل پرستش ہوگی۔۔۔۔۔ اور اسی سے سب محبت کریں گے اور اسی کو سب چاہیں گے اور یہ وہ ذات ہے جسے اللہ رحمٰن رحیم کہتے ہیں۔

حقیقت میں اسلام نے خدائے قدوس کو اس انداز حقیقی میں پیش کیا ہے جیسا کہ حقیقت میں وہ ہے اور اس کی محبوبیت و عظمت کی پوری تصویر سامنے آ جاتی ہے، اور سجدہ کے لئے سر خود، بخود جھک جاتا ہے اور سجدہ کے قابل ہے بھی یہی ذات۔

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق
زبان اور دل کی شہادت کے لائق



رجوع الی اللہ

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب

انسان اس دنیا میں آتا ہے تو سننے، دیکھنے، سوچنے، سمجھنے اور چلنے پھرنے اور انسانی مقدور کا ہر کام کرنے کی قوتیں، اس کے وجود میں سموی ہوئی آتی ہیں۔ مگر وہ اس وقت ہر چیز سے خالی ہاتھ نظر آتا ہے۔ ”اخر حکم من بطون امہاتکم لا تعلمون شیئاً“۔ اللہ نے تمہیں شکم مادر سے ایسا نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔

پھر آہستہ آہستہ ان قوتوں کو ظہور ٹھیک اس کی ضرورتوں کے پیمانے پر ہوتا ہے۔ سب سے پہلا ہنر جو وہ سیکھتا ہے اس کا رونا ہے اسے بھوک لگتی ہے تو رو دیتا ہے اسے سردی گرمی ستاتی ہے تو رو دیتا ہے اسے کوئی دکھ درد پیش آتا ہے تو رونے لگتا ہے یہ رونا اس کا سرمایہ زندگی ہے اس کے ذریعہ اس کے سب کام نکلتے ہیں۔ قدرت سرمایہ زندگی ہے اس کے ذریعہ اس کے سب کام نکلتے ہیں۔ قدرت نے ماں اور باپ کے دلوں میں ایک غیر اختیاری تڑپ اس بے شعور کمزور بچے کی طرف ایسی لگا رکھی ہے کہ ان کے کان اس کی آواز پر لگے رہتے ہیں ان کی نگاہیں اس کے چہرے کی طرف متوجہ رہتی ہیں وہ اس کا رونا سن کر اپنی عقل اور تجربے سے اس کے رونے کا سبب دریافت کر کے اس کی بھوک، پیاس اور دکھ درد کا علاج کرتے ہیں وہ زبان سے نہیں کہتا کہ مجھے دودھ چاہئے یا سردی سے بچنے کے لئے گرم کپڑا چاہئے۔

آہستہ آہستہ وہ سننے، دیکھنے بولنے کا ہنر سیکھتا ہے پھر اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے کے بیشتر مراحل سے گزرتا ہوا اتنے ہنر سیکھ لیتا ہے جن سے اس کی موجودہ زندگی کی ضروریات وابستہ ہیں۔ اب روز بروز اس کی ضروریات بڑھتی ہیں اور اسی پیمانے پر اس کی ہوش و عقل اور شنوائی و گویائی اور میدان زندگی میں دوڑ دھوپ کی طاقتیں بڑھتی رہتی ہیں، وہ بچپن کے گہوارے سے گھر میں اور پھر کوچ و بازار میں چلنے پھرنے لگتا ہے۔

اب اس کے ماں باپ اس کی جسمانی غذا اور نشوونما کے سامان کے ساتھ روحانی غذا اور ذہنی نشوونما کا سامان بھی مہیا کرتے ہیں جس کے لئے وہ تعلیم گاہوں اور استادوں کے سپرد ہوتا ہے۔

ابھی تک یہ اپنے بھلے برے کو نہیں جانتا اس کا ذہن اپنے ماضی و مستقبل سے بے نیاز ہے اس کی ساری ضرورتیں دوسروں کے کندھے پر ہیں۔

طفلی و آغوش مادر خوش بہارے بودہ است

تا بہائے خود رواں کشتیم سرگرداں شدیم

لیکن اب یہ دور ختم ہوتا ہے، ایک طرف جسمانی طاقتیں ترقی کر کے جوانی کی امنگوں میں تبدیل ہوتی ہیں، کھیل کھلونے کی جگہ زیب و زینت کی خواہش لے لیتی ہے۔ انما الحیوۃ الدنیا لہو ولعب وزینۃ۔ دنیا کی زندگی کھیل کود ہے اور زینت لیکن اس کے ساتھ عقل و ہوش کی توانائی تعلیم و تربیت کے سائے میں پروان چڑھتی ہے کچھ ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں جو اس کی آزاد خواہشات کے لئے زنجیر پابن جاتی ہیں۔

اسیر پنجہ عہد شباب کر کے مجھے

کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے

اب یہ دیکھنے کے قابل جوان ہے، ہر علم و فن اور صنعت و ہنر کی قابلیت کا حامل ہے کھلونا اور گھروندوں کے بجائے اچھے مکان اچھے لباس، بلند سوسائٹی کی فکر ہے، پچھلے دور طفولیت میں جن چیزوں کو اپنی زندگی کا مایہ ناز سمجھتا اور اس کے حاصل ہونے پر بے حد مسرور بلکہ مغرور ہو جایا کرتا تھا اب ان چیزوں سے اس کو وحشت ہے، گھر آتا ہے ان میں مشغول ہونے والوں کی بے عقلی پر ہنستا ہے، اب اس کی مستور طاقتوں نے پُر پُر زے نکالے ہیں، اس کی دوڑ دھوپ کے لئے عرصہ زمین بھی تنگ ہو رہا ہے، وہ ہوا و فضا میں اڑتا ہے اس کو چاند اور مرتخ پر پہنچنے کی فکر ہے۔

مال و دولت کی بہتات اور اقتدار کی ہوس نے وہ نشہ پلایا ہے کہ راحت و آرام جو قلبی سکون سے وابستہ ہے یہ مسکین اس کے مفہوم سے بھی نا آشنا ہو گیا ہے۔

منتشر رہنے میں پانے کے آرام حواس

شوق مجموعہ ہوش خرد افزا نہ رہا!

غرض دنیا میں پھیلا، چمکا، گرجا اور برسا، مگر جوں جوں اس میدان میں بڑھتا گیا تو اسے یہی نظر آتا گیا کہ ”ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں“۔ ہوس کا میدان بے حد بے انتہا اور توانائی کا مل مکمل ہو کر بھی محدود سارے سامان عیش و عشرت، کوٹھی، بنگلے مل اور کارخانے، بینک بیلنس اور مال و دولت کی

فراوانی سب کچھ حاصل ہے، مگر اس کے قلب کو سکون نہیں اس کی نگاہیں ہل من مزید کی فکر میں لگی ہوئی ہیں، ابھی اس مسکین کو یہ خبر نہیں کہ اس کی یہ بے پناہ پیاس کبھی بجھنے والی نہیں۔

کار دنیا کے تمام نہ کرو
انچہ گیرید مختصر گیرید

آخر اسی بھول بھلیاں میں دور شباب ختم ہونے لگتا ہے جوانی کی ترنگیں سرد ہونے لگتی ہیں۔ بیماریاں لگ جاتی ہیں، کھانا ہضم نہیں ہوتا، رات کو نیند نہیں آتی، انتہائی محبوب چیزیں اب نظروں میں مبعوض ہونے لگتی ہیں۔

ومن صحب الدنيا طو لا تقلبت علی عینہ متی یری صد قہا کذ با
جو شخص دنیا میں زیادہ رہا بسا تو دنیا اس کے آنکھوں کے سامنے ہی پلٹ جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے اچھے کو برا سمجھنے لگتا ہے لیکن اس کے باوجود ہوس اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی وہ عشرت کدوں کے قابل نہیں رہا مگر دل میں وہی ہوس چٹکیاں لیتی رہتی ہے۔

تن پیر گشت و آرزوی دل جواں ہنوز

حکیم الحکماء رحمہم اللہ نے سچ فرمایا: پیشب ابن آدم ویشب فیہ خصلتان الحدیث، یعنی ”انسان بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی دو خصلتیں جوان رہتی ہیں، ایک مال کی محبت دوسرے جاہ و اقتدار کی خواہش۔“

اور پھر فرمایا: ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب یعنی ”آدم کے بٹے کا پیٹ قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔“

آں شنیدستی کہ در صحرائی غور رخت سالارے فتادہ از ستور
گفت چشم تنگ دنیا دار را یا قناعت پر کند یا خاک گور

بہر حال اب قوی کا انحطاط آگیا ہاتھ پاؤں کی طاقت جواب دے رہی ہے شنوائی اور بینائی گھٹ رہی ہے گویائی کے لئے زبان نہیں اٹھتی۔

اگر چشم و گوش ست گر دست و پائے
زمن باز مانند یک یک بجائے

اب مال و دولت کا مصرف خلوت کدہ کا عشوہ ناز، لذتِ غذا میں، رنگ برنگ کے کھانے اور ناشتے نہیں رہے بلکہ ڈاکٹر اور ان کی لیبارٹریاں رہ گئی ہیں۔

ہر عضو کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر موجود ہیں ایکسرے اور ایکسرے بین کی بہترین مشین موجود ہیں صبح شام ہر عضو کا جائزہ لیا جا رہا ہے، مشرق و مغرب سے دوائیں اور غذائیں آرہی ہیں ہر ہر عضو کی سلامتی کی بے مثال تدبیریں کی جا رہی ہیں۔

مگر سرکار کو چند تو لے کلبھی کا پانی بھی اب ہضم نہیں ہوتا نیند نہ آنے کی شکایت ہے خواب آور گولیاں موجود ہیں مگر اب وہ کام نہیں کرتیں، احباب حشم اور خدم کا جھر مٹ بھی کھڑا ہے، ڈاکٹر بھی مشغول تدبیر ہیں مگر سرکار جس منزل کی طرف جا رہے ہیں وہ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے وہ کسی مذہب مشرب سے تعلق رکھتے ہوں، کوئی نظریہ و فلسفہ رکھتے ہوں سائنس کی انتہائی معراج کو پہنچے ہوئے ہوں مگر جو منزل سامنے آرہی ہے اس سے کسی کو نہ انکار ہو سکتا ہے نہ اس سے فرار ممکن ہے آخر وقت آگیا اور منزل بعید آ پہنچی۔

صد شکر کہ پہنچا ہے اب گور جنازہ
لو بحر محبت کا کنارہ نظر آیا

زندگی کا یہ دور بھی ختم ہوا اور اب ٹھیک اسی طرح کہ بچپن کی مرغوبات جوانی کے دور میں مضحکہ خیز نظر آتے تھے اس نئے دور میں پہنچ کر جوانی اور بڑھاپے کے سارے مرغوبات مبغوض و متروک اور مضحکہ خیز بن گئے ہیں اور اب ایک بالکل نئے سفر کا آغاز ہے۔

ازل سے پھرتے پھرتے گورتک پہنچا ہوں مشکل سے
مسافر ہوں کہاں جانا ہے نا واقف ہوں منزل سے

یہ ہے غیر اختیاری رجوع الی اللہ!

جو ہر پیدا ہونے والے اور زمین پر چلنے والے کے لئے ناگزیر اور ناقابل انکار ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان سمجھے یا نہ سمجھے مانے یا نہ مانے مگر یہ حقیقت اس کے سامنے آکر رہتی ہے کہ وہ ایک دائم السفر مسافر ہے، دنیا کی ساری زندگی اسی سفر کے مراحل تھے وہ بچپن سے لے کر بڑھاپے اور موت تک ہر گھڑی اور ہر آن سفر میں تھا۔ وہ وطن میں اور اپنے گھر میں بیٹھا ہوا بھی سفر کی منزلیں طے کر رہا تھا اس کا ہر سانس اس کے سفر کا ایک قدم تھا۔

ہے دم کی آمد رفتار اپنی سالک
طے کر رہے ہیں رستہ بیٹھے ہوئے فنا کا

وہ کھانے پینے، سونے جاگنے کے ہر حال میں اس منزل کی طرف چل رہا تھا جہاں پہنچ کر اب وہ بظاہر محو خواب نظر آتا ہے۔

رہا مرنے کی تیاری میں مصروف

مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا

ہر انسان کے لئے یہاں تک کا سفر آنکھوں سے نظر آتا ہے جس سے نہ کوئی بڑے سے بڑا صاحب اقتدار بادشاہ و امیر مستثنیٰ ہے نہ کوئی بڑے سے بڑا رسول پیغمبر اور یہ بھی ہر انسان کا آنکھوں دیکھا حال ہے کہ وہ جس طرح دنیا میں ہر چیز سے خالی آیا تھا اسی طرح تہی دست رخصت ہوتا ہے۔

و لقد جئتمونا فرادی کما خلقنا کم اول مرة و ترکتہ ما خولنا کم و راء ظہور کم

”تم ہمارے پاس اکیلے ہی آئے جیسا کہ اول تمہیں اکیلا پیدا کیا تھا اور دنیا کی جو چیزیں تمہیں دی گئی تھیں وہ وہیں چھوڑ آئے۔“

اگلی منزل

واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ
”ڈرو اس دن سے جس میں تم اللہ کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔“

یہاں تک تو وہ ناقابل انکار سفر تھا جس پر دنیا کا ہر مذہب و مشرف اور ہر نظر اور فلسفہ متفق ہے مگر غور کرو تو انسان کا حال اپنے ہر دور میں یہ رہا ہے کہ وہ جس دور میں ہوتا ہے اس میں ایسا لگن رہتا ہے کہ وہ بعد میں آنے والے ہر دور سے جاہل یا بے خبر بلکہ عملاً منکر نظر آتا ہے۔ جس طرح شکم مادر میں وہ اسی جگہ کو اپنی جائے قرار اور اسی گندی غذا کو اپنی دائمی غذا سمجھ کر مطمئن اور مسرور تھا اگر وہاں اس کو بتایا جاتا کہ تجھے اتنے بڑے مکان اور زمین میں جانا ہے اور ایسی ایسی غذائیں اور ہوائیں ملنا ہے جو دنیا میں موجود ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے پاس ان سب چیزوں کے اقرار اور ناقابل تصور ہونے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔

پھر بچپن کے دور میں جو چیزیں اس کے زیر استعمال رہیں اور جو اس کی ضروریات زندگی تھیں اگر اس کو بتا دیا جاتا کہ آنے والے دور میں اس سے بڑا میدان اور اس سے بہتر غذائیں اور سامان

ملے گا تو وہ اس سے بھی ایسا ہی بے خبر اور منکر ہوگا جیسے شکم مادر میں اس موجودہ دور کی چیزوں سے جاہل و غافل تھا۔ اسی طرح جب وہ اس دور میں قدم رکھ کر ان تمام چیزوں سے آشنا ہوگا مگر ابھی جوانی کی خصوصیات سے بے خبر ہے اس وقت اس کو اگر کوئی اگلے دور میں ملنے والی عیش و عشرت اور حسن و جمال کے کرشمے اس کو پیش کرے تو وہ ان کو بھی سمجھنے اور ماننے سے ایسا ہی قاصر ہوگا جیسے پچھلے ہر دور میں اگلے دور کی چیزوں سے رہتا چلا آیا ہے لیکن جب وہ دور اپنے ساز و سامان کے ساتھ اپنے سامنے آ گیا تو سب چیزوں کا یقین آ جاتا ہے۔

اب زندگی کے یہ سارے دور ختم ہو کر بڑھا پے اور موت کے بعد کیا ہونا ہے۔ مٹی ہو کر معاملہ ختم ہو گیا یا آگے بھی کچھ اور ہے؟ اس وقت یہ سوال جس شخص کے سامنے ہے وہ کوئی شیر خوار بچہ نہیں کوئی کھیل کھلونوں میں بسر کرنے والا لڑکا نہیں وہ عقل و ہوش اور علم و فضل والا دانشمند ہے۔

مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جس طرح اس کے عقل و ہوش اور علم و معلومات اور ابتداء و ولادت سے تدریجی ترقی ہو کر یہاں تک پہنچے ہیں اب بھی اس کے عقل و ہوش صرف اپنے موجودہ دور ہی کی معلومات تک محدود ہیں۔ موت کے بعد آنے والے دور سے وہ اب بھی ایسے ہی بے خبر ہیں جیسے تمام پچھلے ادوار زندگی میں آنے والے دور سے بے خبر تھے اور اس کے معاملے میں اس کے عقل و ہوش اب بھی بالغ نہیں ہوئے۔

خلق اطفالا لند جز مرد خدا

نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

اور موت کے بعد کا یہ آخر دور پچھلے دور سے اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ پچھلے ہر دور میں آنے والے دور سے بے خبری یا اس کا انکار اس کو آنے والے دور کی نعمتوں اور راحتوں سے محروم کرنے والا نہ تھا وہ نعمتیں اس دور میں پہنچ کر بہر حال اس کو مل جاتی تھیں مگر یہ آخری دور ایسا نہیں۔ یہ انسانی سفر کی آخری منزل یہاں پہنچ کر یا ہمیشہ کا آرام و رواحت ہے یا ہمیشہ کی تکلیف و مصیبت ہے۔ اس دور کی تمام راحتیں اس سے پہلے ادوار زندگی میں کچھ کرنے پر موقوف ہیں جو اس دور زندگی سے نا آشنا یا منکر ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے لئے کوئی کام بھی نہ کرے اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ آنے والے دور کی نعمتوں و راحتوں سے محروم ہوگا بلکہ ناقابل برداشت مصائب اور آلام سے سابقہ پڑے گا۔

اس لئے انسان کے پیدا کرنے والے مالک اور پالنے والے رحیم و کریم نے اس آخری منزل کے حالات سے واقفیت کرنے اور اس منزل کے لئے مفید اور مضر چیزوں سے آگاہ کرنے کے لئے اپنے انبیاء بھیجے اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں جو عہدِ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ کے عہد تک مختلف خطوں، مختلف زبانوں، مختلف زمانوں میں ہونے کے باوجود یک زبان ہو کر اس کے داعی بنے کہ وہ انسان کو بتائیں کہ تیرا سفر موت پر ختم نہیں ہو جاتا یہ تیری آخری منزل نہیں موت کے بعد ایک دوسری زندگی اور دوسرا عالم آنے والا ہے جس میں دنیا کی زندگی کے ہر اچھے برے کام کا حساب ہوگا اور اس پر جزا و سزا ہوگی۔

اچھے اور برے کاموں کی تشریح بھی انہیں حضرات انبیاء نے کھول کھول کر بیان کر دی اور پھر قدم قدم پر انسان کو اس پر متنبہ کیا کہ وہ دنیا کی چہل پہل میں لگ کر کہیں اس آخری منزل اور آخر دن کو نہ بھول جائے۔

ہمہ اندر زامن ترازین ست کہ تو طفلی و خانہ رنگیں ست
قرآن کریم نے اس مضمون کو بار بار دہرایا۔ کہیں ارشاد فرمایا:

واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ ثم تو فی کل نفس بما کسبت وہم
لا یظلمون

”اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کے پاس واپس جاؤ گے پھر ہر انسان کو پورا پورا دیا جائے گا وہ جو اس نے کیا تھا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔“

اور کہیں فرمایا :

یا ایہا الناس اتقوا ربکم واخلشوا یوما لا یجزی والد عن ولده ولا
مولود ہو جاز عن والدہ شئیا

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں باپ اپنے بیٹے کا بدلہ نہ دے سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا بدلہ بن سکے گا۔“

اور فرمایا :

ولتنظر نفس ما قدمت لغد

”اور انسان دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔“

غرض سارا قرآن کریم اس تعلیم و تلقین اور وعظ و تنبیہ سے بھرا ہوا ہے اسی طرح رسول کریم ﷺ نے اپنے ہر قول و عمل سے اسی دن کی تیاری پر آمادہ فرمایا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے :

لا تزال قدما ابن آدم حتى يسال عن خمس عن عمره فيما افناء وعن شبابه

فيما ابلاه وعن ماله من اين اكتسبه و اين انفقہ وعن علمه ماذا عمل به

”ابن آدم کے قدم اس وقت تک زائل نہ ہوں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال

نہ ہو جائے ایک اس کی عمر کا کہ ہے میں فنا کی اور اس کی جوانی کا کہ اسے کس چیز میں بوڑھا کیا

اور اس کے مال کا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اس کے علم کا کہ اس پر کیا عمل کیا؟“۔

اس حدیث میں آنے والی منزل میں جو امتحان ہونے والا ہے اس کا پرچہ سوالات خود (آؤٹ)

ظاہر کر دیا ہے۔ بڑا محروم و بد نصیب ہے وہ شخص جو اس امتحان کی تیاری نہ کر پائے۔

اختیاری رجوع الی اللہ!

رجوع الی اللہ جو اس مقالہ کا عنوان ہے اس کا ایک پہلو تو وہ ہے جو ابھی بیان ہوا کہ کوئی انسان

جانے یا نہ جانے اور مانے یا نہ مانے وہ بہر حال ہر وقت ہر آن اللہ کی طرف لوٹنے اور سفر کرنے میں

مشغول ہے اور اس کا یہ سفر موت پر نہیں بلکہ قیامت کے حساب و کتاب پر ختم ہوگا۔

اس کا دوسرا پہلو جو مقالہ کا مقصود الذکر ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے موجودہ ادوار زندگی میں اپنے

اس غیر اختیاری رجوع کو جانے اور پہچانے اور صرف بدن سے نہیں بلکہ دل سے اللہ کی طرف رجوع

ہو وہ اس کا یقین کرے کہ میں ہر وقت ہر حال میں اللہ کے سامنے ہوں وہ میرے تمام کھلے اور چھپے

اعمال و افعال سے میرے دل میں آنے والے خیالات سے پورا پورا واقف ہے۔

اللہ معکم اینما کنتم ”اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو“۔

سعید ہیں وہ روحیں جو اپنے غیر اختیاری رجوع الی اللہ سے اللہ جل شانہ کی طرف رجوع ہوں

اور کسی وقت اس کی یاد سے غافل نہ ہوں کہ درحقیقت دنیا و آخرت میں قلب و روح کا سکون صرف اسی

سے حاصل ہو سکتا ہے۔

الا بذكر الله تطمئن القلوب

”خبردار! صرف اللہ کی یاد سے ہی دلوں کا اطمینان حاصل ہو سکتا ہے“۔

سکون قلب مضطر ہے تری یاد دواء درد دل اے چارہ گرد



رسول مقبول ﷺ حقانیت پر کائناتِ علم کی شہادتیں

بسم الله الرحمن الرحيم

نہ من برآں گل عارض غزل سرایم و لہس
کہ عندلیب توازہر طرف ہزارانند

سرورِ کائنات فخرِ موجودات رسول مقبول ﷺ کی رسالت و نبوت اور فوق العادت، اخلاق و اعمال، آپ ﷺ کا صدق و اخلاص، امانت و دیانت، حقانیت و ربانیت ان چیزوں میں ہیں جس کو عقل و بصیرت بلکہ بصارت کا کوئی حصہ ملا ہے وہ اس کے روشن آفتاب سے نظر نہیں چرا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے عقلاء و حکماء و خواص سب ہی نے آپ ﷺ کے قدموں میں پناہ لی ہے۔ ہر قوم و جماعت کے اعلیٰ طبقہ نے آپ ﷺ کی حقانیت کی شہادت و اقرار اور اپنی غلامی کے اختیار کو مایہ افتخار سمجھا ہے جس سے تاریخی عالم کے صفحات لبریز ہیں لیکن ان میں ممکن ہے کہ شیرہ چشم مخالفین یہ کہہ دیں کہ یہ ان کی رائے کی غلطی ہے، ہم تسلیم نہیں کرتے مگر حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت اور حقانیت کی شہادتیں فقط انہیں عقلاء اور افراد انسانی پر منحصر نہیں رکھی بلکہ بہت سی ایسی چیزوں سے اس کی شہادتیں عالم انسان پر واضح فرمادی ہیں جن کو انسان غیر ذی شعور اور لاعقل کہتا ہے۔

یہ شہادات درحقیقت عالم غیب کی شہادات ہیں ان کو رائے کی غلطی کہہ کر بھی نہیں جھٹلایا جاسکتا۔ اس وقت اس مضمون میں انہی شہادات کے چند نمونے نقل کیے جاتے ہیں۔

تنبیہ

یہ واقعات تاریخ و سیر کی معتبر کتابوں سے منقول ہیں۔ اخباری افسانے نہیں ایسے ثقہ لوگوں کی روایات ہیں کہ اس کا اعتبار نہ کیا جائے تو گزشتہ زمانہ کی تاریخ اور واقعات ماضیہ کے صحیح ماننے کا پھر کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا۔

اللات گمراہی (بتوں) کی زبانوں پر کلمہ اسلام
بت حمایت کریں سچائی کی شان ہے تیری کبریائی کی

حضرت عباسؓ بن مرداس کے اسلام کا عجیب واقعہ

حضرت عباسؓ بن مرداس رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، اسلام سے پہلے عرب کے عام لوگوں کی طرح یہ بھی بت پرستی میں مبتلا تھے، ان کا ایک مخصوص بت تھا جس کا نام ضممار پکارا جاتا تھا اور یہ ان کا خاندانی اور جدی معبود تھا۔ ان کے والد مرداس جب مرنے لگے تو صاحبزادہ عباس کو وصیت کی کہ بیٹا ہمیشہ ضممار کی پرستش (پوجا) کرتے رہنا اس میں غفلت نہ ہو کیونکہ تمہارے نفع نقصان کا وہی مالک ہے۔

عباسؓ اپنے والد کی وصیت کے مطابق اس کی پوجا کرنے لگے۔ ایک روز حسب عادت اس کی پرستش میں مشغول تھے کہ یکا یک ضممار کے اندر سے آواز سنائی دی کان لگایا تو یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

مَنْ لِلْقَبَائِلِ مِنْ سُلَيْمٍ كُلِّهَا اَوْدَى ضِمَارُ وَعَاشُ أَهْلُ الْمَسْجِدِ
اب بنی سلیم کے قبائل کا کون مددگار ہوگا ضممار ہلاک ہو چکا اور اہل مسجد باقی رہے

إِنَّ الَّذِي وَرِثَ النَّبُوَّةَ وَالْهُدَى بَعْدَ بَنِ مَرْيَمَ مِنْ قُرَيْشٍ مُهْتَدٍ
بیشک ہدایت پر وہی ذات مقدس ہے جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے بعد نبوت و ہدایت کی وارث ہوتی ہے

اَوْدَى ضِمَارُوْ كَانَ يُعْبَدُ مُدَّةً قَبْلَ الْكِتَابِ إِلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ
ضممار کی حکومت ختم ہوئی حالانکہ نبی محمد ﷺ پر کتاب نازل ہونے سے پہلے ایک مدت تک اس کی پرستش ہوتی رہی

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس حیرت انگیز واقعہ نے میرے دل میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کا ولولہ پیدا کر دیا۔ میں نے اپنی قوم بنی حارثہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ مدینہ پہنچ کر جب ہم مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مجھے دور سے دیکھتے ہی تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ عباس تم مسلمان ہونے کے لئے کیسے آگئے۔ میں نے سارا قصہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ صحیح کہتے ہو، اس کے بعد ہی میں اور میری ساری قوم مشرف باسلام ہو گئی۔ (سیرت حلیہ ۱۹۳ جلد ۱)

مازن بن غصونہ کا اسلام اور اس کا حیرت انگیز قصہ

حضرت مازن بن غصونہ ایک بلند پایہ صحابی ہیں، وہ اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ عمان کے قریب ایک بستی سائل کے نام سے مشہور تھی وہاں ایک مشہور بت تھا جس کو ”بادر“ کہا جاتا تھا، میں بھی اس کی پوجا کے لئے جایا کرتا تھا اور اس کی نظر کے لئے بکرے وغیرہ ذبح کیا کرتا تھا۔ ایک روز میں وہاں پہنچا اور اس کے پاس جا کر ایک بکرا بطور نذر کے ذبح کیا، میں ابھی اس سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ اچانک بت کے اندر سے آواز آئی سنا گیا تو یہ کلمہ کہہ رہا ہے۔

اسمع تسر ظہر خیر و بطن شر بعث بنی من مضربدین اللہ الکبر

فدع نحیتا من حجر تسلمہ من حرسقر.

”سنو خوش ہو گے ایک خیر عظیم ظاہر ہو گئی اور شر چھپ گیا قبیلہ مضرب میں سے ایک نبی اللہ تعالیٰ کے سچے دین کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں سواب پتھر کے تراشے ہوئے بت کو چھوڑ دو تاکہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہو۔“

حضرت مازن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حیرت انگیز آواز سے میں تعجب میں ضرور پڑ گیا مگر میں نے اپنے آبائی دین کو ترک نہ کیا اور برابر اس بت کی پرستش کرتا رہا یہاں تک کہ پھر ایک روز میں نے اس کے نذرانہ کے لئے ایک بکرا ذبح کیا تو پھر اس کے اندر آواز پیدا ہوئی، سنا تو یہ رجز کے اشعار پڑھ رہا تھا۔

اقبل الی اقبل تسمع مالا تجهل

هذا نبی مرسل جاء بحق منزل

میری طرف اچھی طرح متوجہ ہو جاؤ تاکہ وہ بات سنو جس کو تم جہل کی بات نہ کہہ سکو گے

یہ نبی مرسل ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ دین حق لے کر آئے ہیں

امن به کمن تعدل عن حر نار تشعل

وقودها بالجنندل

تم ان پر ایمان لے آؤ تاکہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ سے

نجات پاؤ جس کے انگارے پتھر کے ہیں

حضرت مازنؓ فرماتے ہیں کہ اب تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میں نے سمجھ لیا کہ حق تعالیٰ مجھے کسی صحیح راستہ کی طرف ہدایت کرنا چاہتا ہیں، اتفاقاً انہیں ایام میں ایک شخص اہل حجاز میں سے ہماری بستی میں پہنچ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اپنے اطراف کی خبریں سناؤ، اس نے نقل کیا کہ ہمارے بلاد میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جس کا نام احمد ہے جو کوئی اس کے پاس جاتا ہے، اس سے کہتا ہے (اجیبوا داعی اللہ) یعنی خدا کے داعی کی بات مانو۔

حضرت مازنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ جو کلمات کان میں خرقِ عادت کے طور پر ڈالے گئے تھے ان کا مصداق یہی شخص ہے، میں اٹھا اور پہلے اس بت کو توڑ ڈالا اور سواری کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حق تعالیٰ نے اسلام کی حقانیت پر میرا شرح صدر اور اطمینان کامل کر دیا۔ میں مشرف باسلام ہو گیا اور یہ اشعار اسی وقت کہے۔

کسرت بادراً جذازاد کام لنا

رباً نطیف بہ ضلاً بضلاً

میں نے بادرنامی (بت) کے ٹکرے ٹکرے کر دیئے حالانکہ پہلے وہ

ہمارا معبود تھا ہم گمراہی درگمراہی سے طواف کیا کرتے تھے

بالہاشمی ہدا نا من ضلاً لتنا

ولم یکن دینہہ شیئاً علی بال

حق تعالیٰ نے مجھے بنی ہاشمی کے ذریعہ میری گمراہی سے نجات دی

حالانکہ ان کا مذہب کبھی میرے خیال میں بھی نہ آیا تھا

صحبت رسول ﷺ کا کیا وی اثر حضرت مازنؓ کے اخلاق و اعمال پر

حضرت مازنؓ فرماتے ہیں کہ مشرف باسلام ہوتے ہی مجھے اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کی فکر ہوئی اور عرفی حیا کو بالائے طاق رکھ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں تین سخت گناہوں کا عادی ہوں۔ ایک گانا بجانا، دوسرے شراب خوری، تیسرے فاحشہ عورتوں سے تعلق۔ آپ ﷺ حق تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ بری خصلتیں مجھ سے چھوٹ جائیں، مجھ میں سچی حیا اور عفت پیدا ہو جائے اور میرے کوئی لڑکا پیدا ہو جائے۔ رسول مقبول ﷺ نے دعا فرمائی کہ :

”یا اللہ ان کو گانے بجانے کے بجائے تلاوت قرآن کی اور حرام کے بجائے حلال کی اور شراب کے بجائے ایک شربت کی عادت ڈال دے جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور ان کو زنا کے بجائے عفت کی توفیق دے اور اولاد صالح عطا فرما۔“

حضرت مازنؒ فرماتے ہیں کہ اس دعا کی مقبولیت چند ہی روز میں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی کہ میں ۷ نصف قرآن حفظ کر لیا اور یہ تمام ناپاک عادتیں مجھ سے چھوٹ گئیں ہماری بستی قحط زدہ تھی، سرسبز ہو گئی اور میں نے چار عورتوں سے نکاح کیا اور حق تعالیٰ نے مجھے حیان (جیسا صالح) لڑکا عطا فرمایا۔ اس کی خوشی میں حضرت مازنؒ نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

إِلَيْكَ رَسُولَ اللَّهِ حَنْتُ مَطِئَتِي
تَجْرُبُ الْفَيَّانِي مِنْ غُمْكِ الْعَرَجِ

یا رسول اللہ! میری سواری نے آپ ہی کی طرف اس طرح مشا قانہ رخ کیا کہ عمان سے عرج تک جنگلوں کو قطع کرتی ہوئی چلی آئی

لِنُشْفَعَ لِي يَا خَيْرَ مَنْ وَطَى الْحَصَا
فَيُغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَارْجِعْ بِالْفَلَجِ

اے سب زمین پر چلنے والوں میں بہترین، سستی تاکہ آپ میری شفاعت فرمائیں تو میری گناہ معاف ہو جائیں گے اور میں کامیابی کے ساتھ واپس ہوں

إِلَى مَعْشَرٍ خَالَفَتْ فِي اللَّهِ دِينَهُمْ
وَلَا رَأْيَهُمْ رَأْيِي وَلَا شَرُّهُمْ شَرِّجِي

ایک ایسی قوم کی طرف کہ میں نے محض اللہ کے لئے ان کے مذہب کی مخالفت اختیار کر لی ہے اور اب نہ میری رائے ان کے موافق ہے اور نہ میرا طریقہ ان کے طریقہ کے مطابق

وَكُنْتُ إِمْرًا بِالْعَهْدِ وَالْخَمَرِ مُوَلِّعًا
شَبَابِي حَتَّى أَذِنَ الْجِسْمُ بِالنَّهَجِ

اور میں تمام زمانہ شباب میں زنا و شراب کا سخت عادی اور حریص آدمی تھا یہاں تک کہ جسم بالکل لاغر اور ضعیف ہو گیا

فَبَدَّلْنِي بِالْخَمْرِ خَوْفًا وَ خَشْيَةً
وَبِالْعَهْرِ إِحْصَانًا نَحْصَنُ لِي فَرْجِي
مجھے اللہ تعالیٰ نے شراب کے بجائے خوف و خشیت
اور زنا کاری کے بجائے عفت فرج عطا فرمادے

فاصحبتمہی فی الجہاد ونیتی
فللہ ما صومنی وللہ ما حجبی
پس میں نے اپنے ارادہ اور نیت کو جہاد میں صرف کر دیا
پس اللہ ہی کی طرف سے ہے میرا روزہ اور میرا حج

حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور آنحضرت ﷺ کی برکات عامہ کا عجیب مظہر ہے کہ بت ہدایت کا
سبب بن رہے ہیں۔
مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن دریا میں

قبیلہ خشم کا ایک بُت

اسی قسم کا ایک واقعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے قبیلہ خشم کا منقول ہے کہ وہ اپنے بت کے
پاس پرستش میں مشغول تھے اس کے اندر سے آواز سنی جس میں چند اشعار میں آنحضرت ﷺ اور اسلام
کی طرف متوجہ کیا گیا تھا (یہ اشعار بوجہ اختصار کے اس جگہ نقل نہیں کئے)۔ یہ لوگ حیرت میں رہے کہ
محمد کون ہیں اور اسلام کیا چیز ہے؟ یہاں تک کہ دو تین ہی روز کے بعد آنحضرت ﷺ کے حالات اور
دعوت اسلام کی کیفیت کچھ آنے والوں سے پہنچی۔ یہ لوگ ابتداء اس واقعہ کو محض وہم و خیال سمجھتے رہے
یہاں تک کہ پیہم اسی قسم کی آوازیں اپنے بتوں سے سنتے رہے بالآخر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں
حاضر ہوئے اور اسلام کی حقیقت دریافت کی۔ حق تعالیٰ نے ان کا شرح صدر فرمادیا اور سارا قبیلہ
بیک وقت داخل اسلام ہو گیا۔

بنی عذرہ کے بُت خمام کی زبان پر کلمہ اسلام

قبیلہ بنی عذرہ ایک بت کی پرستش کرتے تھے جس کا نام خمام رکھا ہوا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ کا
ظہور ہوا تو اس بت نے اپنے خاص پجاری طارق نامی کو خطاب کر کے بولنا شروع کیا اور کہا :

یا بنی ہند بن حرام ظہر الحق واودی خمام و دفع الشرک الاسلام
(حلیہ ص ۱۹۵)

”اے قبیلہ بنی ہند بن حرام! حق ظاہر ہو گیا اور خمام ہلاک ہو گیا اور اسلام نے شرک کو مٹا دیا۔“
اس حیرت انگیز آواز کو ابتداء ان لوگوں نے بھی محض وہم و خیال سمجھا مگر پھر ایک روز اس میں آواز
پیدا ہوئی اور کہا :

یا طارق یا طارق بعث النبی الصادق بو حی ناطق صدء صدء
بارض تہامة لنا صریہ السلامۃ و لخاذلیہ الندامة هذا الوداع منی الی
یوم القيامة (حلیہ ص ۱۹۵ . جلد ۱)

”اے طارق، اے طارق! سچے نبی و وحی ناطق کے ساتھ پیدا ہو گئے اور مکہ مکرمہ کی زمین میں
ایک دعوت عام دے دی۔ اب انہیں کے مددگاروں کے لئے سلامتی ہے اور ان کے علیحدہ
رہنے والوں کی رسوائی ہے اور بس اب قیامت تک کے لئے میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔“
وہ بت (خمام) یہ کلام کرتے ہی سر کے بل زمین پر گر پڑا۔

اس واقعہ عجیبہ نے بنی عذرا اور ان کے رئیس حضرت زمل بن عمر کو اس پر مجبور کر دیا کہ فوراً
آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا اور پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

نتائج

خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا تماشہ دیکھئے کہ وہ جو گمراہی کے ٹھیکہ دار اور عالم انسان کو کفر و شرک
میں مبتلا کرنے کے لئے مخصوص آلات ہیں اور انہن اضلن کثیراً کے مصداق ہیں آج
رحمۃ اللعالمین فخر الاولین والآخرین حبیب اللہ ﷺ کا کس شان سے استقبال کرتے ہیں کہ خود ہی
لوگوں کو حق کی طرف ہدایت کر رہے ہیں۔

کئی آشنائے زبیکانہ خلیے براری زبتخانہ

حق یہی ہے کہ مخلوقات کا ہر ذرہ تکوینی مشین کا ایک پرزہ ہے اس کی ہر حرکت و سکون مشین کے
چلانے والے کے تابع ہے۔ وہ جس سے جس وقت چاہے جو چاہے کام لے سکتا ہے۔

ذرہ ذرہ دہر کا پابستہ تقدیر ہے

زندگی کے خواب کی جامی یہی تعبیر ہے

یہ واقعہ عجیبہ جس طرح حق سبحانہ و تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے عجیب ہونے اور آنحضرت ﷺ کی شانِ عالی کے مظاہر میں اسی طرح ان شیرہ چشم مخالفین اسلام کے لئے بھی آخری پیغامِ الہی اور اتمامِ حجت ہیں جو حقانیتِ اسلام پر پردہ ڈالنے کی فکر میں رہتے ہیں کہ اشاعتِ اسلام بزورِ تلوار کی گئی ہے، وہ آئیں اور عباس بن مرداس اور ان کے قبیلہ سے نیز قبیلہ مازن و شعم سے اور قبیلہ بنی عذرہ کے عتلاء سے دریافت کریں کہ ان پر کس نے تلوار چلائی تھی کہ اپنے آبائی مذہب و ملت کو چھوڑ چھاڑ کر بلادِ بعیدہ سے جنگلوں اور پہاڑوں کو طے کرتے ہوئے نبیِ امی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے قبائل کی سیادت و ریاست کے مقابلہ میں حضور ﷺ کی غلامی کو اپنا تاجِ سلطنت سمجھا۔ حضور ﷺ کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے میدان میں کھڑے ہوئے نظر آنے لگے۔ اگر یہ لوگ سوال کرنے کی ہمت کر جائیں تو عجب نہیں کہ آج بھی ان بزرگوں کے مزارات سے بزبانِ حال یہ جواب ملے۔

درون سینہ من زخم بے نشان زدہ بجیر تم کہ عجب تیرے کماں زدہ اور
خراب بادۂ لعل تو ہوشیار اند غلام نرکس مست تو تاجدار اند

ایک درخت کی آواز

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بعض لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا اسلام لانے سے پہلے آپ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی علامت مشاہدہ کیا تھا۔ فرمایا ہاں میں ایک روز ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ چانک اس کی ایک شاخ نیچے جھکی اور میرے سر سے مل گئی میں تعجب سے اس کو دیکھنے لگا تو اس میں سے ایک آواز آئی :

هذا النبي يخرج في وقت كذا وكذا انكن انت من اسعد الناس به.

(حلیہ ص ۱۹۸، جلد ۱)

”یہ نبی کریم ﷺ فلاں وقت ظاہر ہوں گے آپ سب سے پہلے ان کی تصدیق کی سعادت حاصل کریں۔“

درختوں اور پتوں اور پھولوں پر کلمہ شہادت

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جب ہم ہندوستان پر جہاد کے لئے گئے تو اتفاقاً ایک بن میں گذر ہوا۔ وہاں عجائب قدرت کا ایک نیا تماشہ دیکھا کہ ایک درخت کے سب سے نہایت سرخ رنگ کے پتے اور ہر پتے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سفید حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔

اسی طرح بعض دوسرے حضرات کا بیان ہے کہ ہم ایک جزیرہ میں پہنچے وہاں ایک بہت بڑا درخت تھا جس کے ہر پتے پر قلم قدرت نے نہایت واضح و خوشخط یہ کلمہ تین سطروں میں لکھا ہوا تھا۔ پہلی سطر میں لا الہ الا اللہ اور دوسری میں محمد رسول اللہ اور تیسری میں ان الدین عند اللہ الا سلام۔

اور بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ہم ہندوستان میں داخل ہوئے تو ایک گاؤں میں ایک گلاب کا درخت دیکھا جس کے پھول سیاہ رنگ مگر نہایت خوشبودار تھے۔ اس کے پھول کی ہر پنکھڑی پر سفید حرفوں میں لکھا ہوا تھا، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابو بکر صدیق۔ (حلیہ ص ۱۲۔ جلد)

یہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے شبہ ہوا کہ یہ کلمہ کسی نے ان پھولوں میں لکھ دیا ہے میں نے بغرض تحقیق اس کے ایک غنچہ ناشگفتہ کو توڑا، دیکھا تو اس کے اندر سے بھی پھول کی ہر پتی پر یہی کلمہ صاف لکھا ہوا نکلا۔ پھر میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس قسم کے پھول بکثرت ہیں اور عبرت کی یہ چیز ہے کہ ساری بستی پتھروں کی پرستش میں مبتلا تھی۔

اور ابن مرزوقؒ نے شرح بردہ میں اسی قسم کا واقعہ ایک درخت کے پھول کا نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے : جنة من الرحمن الرحيم الى جنات النعيم لا اله الا الله محمد رسول الله۔

اسی طرح بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ ہم نے بلاد ہندوستان میں ایک درخت دیکھا جس کا پھل بادام کے برابر تھا اور اس پر دو چھلکے تھے اوپر کا چھلکا اتارنے کے بعد اندر سے ایک سبز پتہ لپٹا ہوا نکلتا تھا جس پر سرخ رنگ میں نہایت خوشخط اور صاف طور پر کلمہ لکھا ہوا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس بستی کے لوگ اس درخت کو تبرک سمجھتے تھے اور قحط پڑتا تھا تو اس کے طفیل سے بارش طلب کرتے تھے۔

اور ۸۰۹ء میں ایک انگور کا دانہ پایا گیا جس کو بے شمار لوگوں نے دیکھا کہ اس پر قلم قدرت کے واضح لفظوں میں محمد لکھا ہوا تھا۔

اسی طرح ایک شخص نے ایک مچھلی پکڑی جس کے بازو پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے تعظیماً اس کو قید کرنا پسند نہ کیا اور پھر دریا میں چھوڑ دیا۔

اسی طرح بحر مغرب سے بعض لوگوں نے ایسی ہی مچھلی شکار کی اور پھر تعظیماً دریا میں چھوڑ دیا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک پرندہ جانور آیا جس کی چونچ میں ایک بادام تھا وہ اس نے مجلس میں ڈال دیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو اٹھالیا اس میں ایک سبز رنگ کا کپڑا نکلا جس پر زرد رنگ سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ (سیرت حلبیہ جلد اول)

طبرستان کے ایک بادل پر کلمہ شہادت

بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ طبرستان کے بعض گاؤں میں ایک قوم آباد تھی جو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کی قائل تھی مگر آنحضرت ﷺ کی نبوت کی قائل نہ تھی۔ اتفاقاً ایک سخت گرمی کے دن میں یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ دفعۃً ایک گہرا بادل اٹھا اور تمام بستی اور اس کے اطراف میں چھا گیا۔ بادل نہایت سفید تھا یہ بادل صبح سے چھایا ہوا تھا جب ظہر کا وقت ہوا تو اس میں دفعۃً نہایت جلی حرفوں میں یہ کلمہ لکھا ہوا ہر خاص و عام نے دیکھا، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور پھر قلم قدرت کا نوشتہ اس طرح برابر عصر کے وقت تک باقی رہا۔ یہ غیبی ہدایت نامہ پڑھ کر وہ لوگ سب مسلمان ہو گئے اور اکثر اس بستی کے رہنے والے یہود و نصاریٰ اور اہل علم تھے۔

ایک بچہ کے مونڈھوں پر کلمہ شہادت

بعض مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بلادِ خراسان میں ایک بچہ دیکھا جس کی ایک کروٹ میں قدرت کی طور پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا اول ولادت سے دیکھا۔

اور ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ۶۷۴ ہجری میں میرے گھر میں ایک بکری کے بچہ ہوا جس کی پیشانی پر ایک دائرہ سفیدی کا تھا اور اس کے اندر نہایت خوشخط اور صاف (محمد) لکھا تھا۔ اسی طرح بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ہم نے افریقہ میں ایک شخص دیکھا جس کی آنکھ کی سفیدی میں نیچے کی طرف سرخ حرفوں میں نہایت خوشخط یہ کلمہ لکھا ہوا تھا (محمد رسول اللہ) اور شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب لواقع الانوار باب قواعد السادة الصوفیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جس روز میں اس باب کی تحریر پر پہنچا ہوں تو علامات نبوت میں سے ایک عجیب چیز کا

مشاہدہ کیا کہ ایک شخص میری پاس ایک بکری کے بچے کا سر لے کر آیا جس کا گوشت بھون کر وہ کھا چکا تھا اور اس کی پیشانی پر قلم قدرت کا یہ نوشتہ موجود تھا، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بالہدی و دین الحق یہدی بہ من یشاء یہدی بہ من یشاء۔

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اس نوشتہ قدرت میں جو یہدی بہ یہدی بہ دو مرتبہ لکھا ہے یہ کسی خاص حکمت پر مبنی ہے کیونکہ یہاں سہو کا تو احتمال نہیں اور ممکن ہے کہ حکمت اس کی غایت تاکید ہو۔ اور امام المحدثین زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں ہشام بن عبدالملک کے پاس جانے کے لئے گھر سے نکلا جب بلقاء میں پہنچا تو ایک پتھر دیکھا جس پر عبرانی زبان میں کچھ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کو اٹھا لیا اور ایک عبرانی جاننے والے بزرگ سے اس کے پڑھنے کے لئے عرض کیا۔ جب اس نے پڑھا تو ہنسنے لگا اور کہا کہ عجیب بات ہے اس پر لکھا ہوا ہے:

باسمک اللہم جاء الحق من ربک بلسان عربی مبین لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ کتبہ موسیٰ بن عمران

”یا اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں حق آپ کے رب کی طرف سے عربی فصیح زبان میں آگیا، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (لکھا ہے کہ اس کو موسیٰ بن عمران نے)

فائدہ: یہ کائنات عالم کی ہر نوع حیوانات و نباتات و جمادات ہیں کہ اپنی زبان بے زبانی کے ساتھ حقانیت اسلام اور نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت دے رہی ہیں۔ افسوس کہ بہت سے بد بخت اور غافل انسان ان کو دیکھ کر اور سن کر بھی متنبہ نہیں ہوتے۔

گفتم ایں شرط آدمیت نیست

مرغ تسبیح خواں و تو خاموش

بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مدرس دارالعلوم دیوبند

۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

آنحضرت ﷺ کی تادیب و تربیت کا قدرتی انتظام

عموماً حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و تربیت کا حق تعالیٰ خود انتظام فرماتے ہیں۔ خصوصاً حضرت سید الانبیاء ﷺ کی تربیت و تادیب ایک امتیازی شان سے ہوئی کہ تربیت اور تادیب تعلیم و تہذیب کے جتنے ظاہری ذرائع تھے سب منقطع کر دیئے گئے۔ ایسے شہر میں پیدا ہوئے جہاں نہ کوئی علمی مشغلہ نہ کوئی مکتب و مدرسہ نہ کوئی عالم نہ علمی مجلسیں۔ والد ماجد کا سایہ پیدائش سے پہلے سر سے اٹھ گیا ایسے لوگوں میں پلے اور بڑھے جنہیں علم و تہذیب سے دور کا بھی علاقہ نہیں تھا پھر کسی دوسری جگہ بھی طلب علم کے لئے سفر نہیں کیا۔ یہاں رہتے ہوئے بھی معمولی لکھنا پڑھنا جو دوسرے لوگ سیکھ لیتے تھے آپ ﷺ نے وہ بھی نہ سیکھا۔ اُمّی محض (اُن پڑھ) رہے اپنا نام خود نہ لکھتے تھے۔

ان حالات میں حق تعالیٰ نے جبریل امین کے ذریعہ آپ ﷺ کی تربیت اور تہذیب کا وہ انتظام فرمایا کہ دنیا حیرت میں رہ گئی۔ آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ساری دنیا کے لئے علم و حکمت اور اخلاق و آداب، تہذیب و تادیب کا معیار ثابت ہوئی۔ تبارک اللہ أَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔

اسی مضمون کو مولانا جامیؒ نے اپنے دو شعروں میں بہت ہی بلیغ انداز سے بیان فرمایا ہے، وہ یہ ہیں۔

نَقْدٌ یَشْرِبُ سُلَالَهُ بَطْحٰی اُمّی لَوْحِ خَوَانٍ مَا اَوْحٰی
فیض اُمّ الکتاب پروردش لَقَبُ اُمّی خدا ازاں کردش

حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کا قلب مبارک بھی اول روز ہی سے ایسا بنایا تھا کہ ابتدا ہی سے آپ ﷺ کا نصب العین مکارم اخلاق کی تکمیل تھی آپ ﷺ کی دعا حق تعالیٰ سے یہ تھی :

”یا اللہ ہمیں نیک عمل اور اچھے اخلاق کی ہدایت کر کہ عمدہ اخلاق کی ہدایت آپ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اور برے اخلاق کو ہم سے دور کر دے کہ برے اخلاق کو بھی آپ کے سوا کوئی زائل نہیں کر سکتا۔“

آنحضرت ﷺ کا خلق خود قرآن ہے

حضرت سعد بن ہشامؓ کا بیان ہے کہ میں ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ حضرت ﷺ کے اخلاق کریمہ بیان کیجئے، تو فرمایا ”کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟“ میں نے عرض کیا کہ الحمد للہ قرآن تو روز پڑھتا ہوں، فرمایا کہ ”بس قرآن ہی آپ ﷺ کا خلق ہے۔“ کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن کے ہی کے ذریعے مکارم اخلاق سے آراستہ فرمایا ہے جس کی چند مثالیں یہ ہیں :

قرآن کریم میں ایک جگہ آپ کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے :

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (اعراف)

”عفو در گزر کو اختیار کیجئے اور لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائیے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔“

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

”بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کرنے کا اور رشتہ داروں کو دینے کا اور بے حیائی کی باتوں سے اور برے کاموں سے اور ظلم سے بچنے کا حکم فرماتا ہے۔“

اور ایک جگہ ارشاد ہے :

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

”لوگوں کی طرف سے جو آپ کو ایذا پہنچے اس پر صبر کیجئے کہ یہی پختہ کاموں میں سے ہے۔“

اور ایک جگہ نیک خصلت عفو و کرم فرمانے والے لوگوں کی مدح کر کے اس طرح ترغیب دی گئی۔

وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ط
 ”جنت تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لئے جو غصہ کو دبائے اور لوگوں کی خطائیں معاف کرنے والے ہیں۔“

اور

وَاجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا

”بچتے رہو بہت گمان قائم کرنے سے، بیشک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور بھید نہ ٹٹو لو کسی کا اور پیٹھ پیچھے کسی کو برا نہ کہو۔“

غزوہ اُحد میں جب آنحضرت ﷺ کا داندان مبارک شہید ہوا اور آہنی ٹوپی کی چند کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں تو چہرہ مبارک سے خون پونچھتے ہوئے زبان پر یہ کلمات آگئے کہ ”وہ قوم کس طرح فلاں پاسکتی ہے جس نے اپنے نبی کا چہرہ اس طرح خون آلودہ کر دیا جب کہ وہ ان کو ان کے رب کی طرف سے دعوت دے رہا تھا۔“ بد نصیب قوم کی اس وحشیانہ حرکت پر یہ کلمات کچھ سخت نہ تھے لیکن شانِ رحمت للعالمین ﷺ اس سے بھی بلند تھی اس لئے خود آپ کی تادیب کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ بددعا کرنا آپ ﷺ کی شان کے شایان نہیں۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ
 وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ
 وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (آل عمران)

”تیرا اختیار اس کام میں کچھ نہیں چاہے اللہ ان کو توبہ نصیب کرے یا ان کو سزا دے کیونکہ وہ ناحق پر ہیں اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ معاف کرے جسے چاہے اور سزا دے جسے چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

قرآن مجید میں اس قسم کی تادیبات بے شمار ہیں جن کا مقصد اول سرور کائنات، سید موجودات ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اخلاقِ فاضلہ کے ساتھ آراستہ کرنا اور پھر اس آفتابِ رسالت کی روشنی سے کل عالم کو منور کرنا اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دینا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم و

تربیت قرآن مجید سے کی گئی ہے اور تمام عالم کی تادیب و تہذیب آپ ﷺ کی ذات سے اور اسی لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

بعثت لا تتم مکارم اخلاق (رواہ احمد الحاکم والبیہقی من حدیث ابی ہریرہ، ۱۲، تخریج)

”میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں۔“

حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو خلق کی تعلیم دی اور رسول اللہ ﷺ نے تمام مخلوق کو بتا دیا کہ :
 اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَيَنْغُضُ سَفْسَافَهَا (یعنی عن ہل بن سعد وطلحہ بن عبید)
 ”اللہ تعالیٰ عمدہ اخلاق کو پسند فرماتے ہیں اور خراب اخلاق سے ناراض ہوتے ہیں۔“

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ اور صلح و جنگ کے حالات اس کے شاہد ہیں کہ آپ ﷺ کی تمام تر کوششیں صرف اخلاق صالحہ کی تکمیل اور لوگوں کو زیور اخلاق سے آراستہ کرنا تھا۔
 حاتم طائیؓ جو عرب کا خنی اور شریف آدمی مشہور ہے، ایک جہاد میں اس کی لڑکی گرفتار ہو کر آئی جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئی تو اس نے بیان کیا کہ :

”اے محمد میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں میرا باپ نہایت وفا شعار اور عہد کا پابند تھا، قیدیوں کو چھڑاتا اور بھوکے آدمیوں کو کھانا کھلاتا تھا، اس نے کبھی کسی طالب حاجت کا سوال رد نہیں کیا میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں اگر آپ ﷺ مناسب سمجھیں تو مجھے آزاد کر دیں اور میرے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقعہ نہ دیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو ٹھیک مسلمانوں کے اخلاق ہیں، اگر تمہارے باپ مسلمان ہوتے تو ہم ان کے لئے دعا کرتے اور پھر حکم فرما دیا کہ اس کو آزاد کر دیا جائے کیونکہ اس کا باپ اخلاق حسنہ کو پسند کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ بھی اخلاق حسنہ کو پسند فرماتا ہے۔

یہ سن کر ابو بردہؓ ابن نیا رکھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا خدا تعالیٰ مکارم اخلاق کو محبوب رکھتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا :

والذی نفسی بیدہ لا یدخل الجنة الا من الاخلاق (حکیم ترمذی)

”قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جنت میں اچھے اخلاق والے کے سوا کوئی نہ جاسکے گا۔“

فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی عظیم الشان جمیعت مکہ مکرمہ کی طرف بڑھی تو راستہ میں ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ کے ارادہ جہاد کو بھی اس نے عام بادشاہوں کی جنگ پر قیاس کر کے عرض کیا کہ اگر آپ حسین عورتیں اور سرخ اونٹ چاہتے ہیں تو قبیلہ بنی مدجنہ پر چڑھائی کیجئے (کیونکہ ان میں ان کی کثرت ہے) لیکن اسے کیا معلوم تھا۔

گریہ و خندہ عشاق زجائے دگرست

می سرا بم بشب و وقت سحری مویم

یہاں صلح و جنگ کا مقصد ہی کچھ اور تھا اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ :

”مجھے حق تعالیٰ نے بنی مدجنہ پر حملہ کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ لوگ صلہ رحمی

کرتے ہیں اور اپنے اقرباء کے حقوق پہنچاتے ہیں۔“ (کذابی الاحیاء فی غیر ہذا الموضع)

عین حالت جنگ میں بھی اس کی رعایت رکھی جاتی ہے کہ جو لوگ اخلاق حسنہ سے کچھ حصہ رکھتے ہیں ان کو ہر قسم کی تکلیف سے بچایا جائے۔ جس سے حدیث مذکور کی علمی شرح معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور آپ ﷺ کی تمام مساعی صلح و جنگ کا مقصد اعلیٰ مکارم اخلاق کی تکمیل ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چونکہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق و اعمال کا نمونہ ہیں اس لئے ان کے تمام صلح و جنگ کے حالات بھی اسی طرز پر واقع ہوئے ہیں۔ مورخ بلاذریؒ نقل کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں اہل کندہ نے مرتد ہو کر عثمانی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو اشعث بن قیس فریق مخالف کا قائد اور سردار تھا۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور دشمن بہت سے قتل و غارت کے بعد مغلوب ہو کر ایک قلعہ میں محصور ہو گئے لیکن جب محاصرہ طویل ہوا تو عاجز ہو کر اشعث ابن قیس نے قلعہ کا دروازہ کھولنے کا ارادہ کر لیا لیکن چونکہ اشعث مسلمانوں کی فیاضی اور دریادلی سے واقف تھے، مناسب سمجھا کہ اس وقت سے فائدہ اٹھائیں۔

یہ سوچ کر چند آدمیوں کے لئے امان طلب کی۔ مسلمانوں نے حسب عادت منظور کر لیا لیکن جس وقت معاہدہ امن ہو چکا اشعث کے ساتھیوں میں سے معد ابن اسعود نے اشعث کی کمر پکڑ لی اور اصرار کیا کہ مجھے بھی ان لوگوں میں داخل کر دے جن کو امن دیا گیا ہے لیکن ان لوگوں کی تعداد مقرر ہو چکی تھی۔ اب زیادتی مشکل تھی اشعث کو جب کوئی صورت اس کے داخل کرنے کی نظر نہ آئی تو ایک

۱۔ یہ واقعہ اور اس کے بعد کا واقعہ امام غزالی کے اصل رسالہ میں نہ تھے، احقر نے اضافہ کیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع غفرلہ

۲ فتوح البلدان۔ ۱۳ ش

عظیم الشان ایثار سے کام لیا کہ اپنی جگہ اس کا نام درج کر دیا اور خود ان سے علیحدہ ہو کر اپنے آپ کو لشکر اسلام کے حوالے کر دیا۔ لشکر اسلام کے امیر زیاد بن "لبید نے ان کو قید کر کے خلیفہ وقت حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں دار الخلافہ بھیج دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو جب اشعث کے ایثار اور حسن خلق کا حال معلوم ہوا تو ان کو آزاد کر دیا۔ اشعث کے دل میں اسلام پہلے سے گھر کر چکا تھا اس وقت مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور پھر مسلمانوں کے مبلغ بن کر شام و عراق میں اسلام کی نمایاں خدمت انجام دیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی حقیقی ہمشیرہ فروہ بنت ابی قحافہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ الغرض حضرت صدیق اکبرؓ نے اشعث کو محض حسن اخلاق کی وجہ سے یہ اعزاز بخشا۔ (فتوح البلدان ۱۰۸-۱۲ مترجم)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مذہب اسلام محاسن اخلاق اور محاسن اعمال سے گھرا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ دوستوں، عزیزوں اور تمام ملنے والوں سے اچھا سلوک کرنا یعنی ان کو ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھنا

۲۔ نیک عمل کرنا۔

۳۔ سب سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔

۴۔ سب پر احسان و بخشش کرنا۔

۵۔ لوگوں کو کھانا کھلانا اور سلام کو عام شائع کرنا یعنی جان پہچان ہو یا نہ ہو ہر مسلمان کو سلام کرنا۔

۶۔ بیمار کی عیادت کرنا خواہ نیک ہو یا بد (اپنا ہو یا بیگانہ)۔

۷۔ مسلمان کے جنازہ کے پیچھے چلنا خواہ اس سے جان پہچان کا کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔

۸۔ پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔

۹۔ ہر مسلمان بوڑھے آدمی کی تعظیم کرنا۔

۱۰۔ جو شخص کھانے کی دعوت کرے اس کو قبول کرنا اور دعوت کرنے والے کے لئے دعا کرنا۔

۱۱۔ لوگوں کی خطاؤں اور زیادتی کو معاف کرنا۔

۱۲۔ جن لوگوں میں اختلاف ہو ان میں صلح کر دینا۔

- ۱۳۔ سخاوت اور شرافت اور ہمت کو اختیار کرنا۔
 ۱۴۔ سلام کرنے میں سبقت کرنا۔
 ۱۵۔ غصہ کو پی جانا، یعنی غصہ کے مقتضے پر عمل نہ کرنا (اور اس کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ اس جگہ سے علیحدہ ہو جائے اور کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جائے)۔
 ۱۶۔ لوگوں کی خطائیں معاف کرنا۔

اور اسلام انسان کو ان چیزوں سے روکتا ہے

- ۱۔ لہو و لعب سے۔
 ۲۔ تمام باطل کاموں سے۔
 ۳۔ گانے بجانے اور مزامیر سے۔
 ۴۔ کینہ سے۔
 ۵۔ مکرو و فساد سے۔
 ۶۔ جھوٹ اور غیبت سے۔
 ۷۔ بخل اور کنجوسی سے۔
 ۸۔ تیز مزاجی سے۔
 ۹۔ مکر اور دھوکہ بازی سے۔
 ۱۰۔ چغل خوری سے۔
 ۱۱۔ آپس کی نا اتفاقی سے۔
 ۱۲۔ قطع رحمی سے۔
 ۱۳۔ بد خلقی سے۔
 ۱۴۔ تکبر اور فخر سے۔
 ۱۵۔ کسی کی مدح میں مبالغہ آمیز زبان درازی سے۔
 ۱۶۔ بے شرمی سے۔
 ۱۷۔ بغض اور حسد سے۔
 ۱۸۔ بری فال لینے سے۔
 ۱۹۔ بغاوت سے۔
 ۲۰۔ کسی کام میں حد سے تجاوز کرنے سے۔
 ۲۱۔ ظلم کرنے سے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ^۱ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی نیک چیز نہیں چھوڑی جس کی طرف ہمیں دعوت نہیں دی اور ہمیں اس کی حقیقت نہیں بتلا دی اور کوئی باطل (یا عیب) نہیں چھوڑا جس سے ہمیں ڈرایا نہ ہو اور اس سے منع نہ فرمایا ہو۔ (شک راوی ۱۲۷۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ^۲ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذؓ میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور خیانت ترک کرنے کی اور پڑوسی کی حفاظت کرنے کی

۱۔ لم أقف لہ علی اسناد وہو صحیح من حیث الواقع۔ ۱۲

۲۔ اخرجه ابو نعیم فی الحلیہ والبیہقی فی المز۔ ۱۲ تخریج عراقی

اور یتیم پر رحم کرنے کی اور نرم کلام کرنے کی اور سلام کو عام کرنے کی اور نیک عمل کرنے کی اور (دنیا کی) تمنائیں کم کرنے کی۔ یعنی دور دراز تمنائیں اور خیالات نہ باندھے اور ایمان کو لازم پکڑنے کی اور قرآن مجید کو سمجھنے کی اور آخرت کی محبت اور حساب قیامت سے ڈرنے گھبرانے کی فروتنی اور عاجزی کرنے کی اور میں تم کو منع کرتا ہوں اس سے کہ تم کسی حکیم آدمی کو برا کہو یا کسی سچے آدمی کو جھٹلاؤ یا کسی گنہگار حاکم کی (گناہ میں) اطاعت کرو یا کسی حاکم عادل کی جائز کاموں میں نافرمانی کرو یا کسی زمین پر فساد مچاؤ۔

اور تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ہر پتھر اور درخت اور ڈھیلے کے سامنے اور اس بات کی کہ تم ہر گناہ سے توبہ کرو جو گناہ خفیہ کیا ہے اس کی توبہ بھی خفیہ کرو اور جو گناہ علانیہ کیا ہے اس کی توبہ بھی علانیہ کرو۔ اس طرح سرور عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو ادب سکھلایا اور بہترین اخلاق، آداب کی طرف دعوت دی ہے۔ علیہ وعلیہم الف الف صلوٰتہ تحیتہ۔

اخلاق نبوی ﷺ کے چند نمونے

جن کو بعض علماء نے روایات حدیث سے جمع کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ حلیم^۱ (بردبار) اور سب سے زیادہ شجاع تھے^۲، سب سے زیادہ انصاف^۳ کرنے والے اور سب سے زیادہ معافی دینے والے تھے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ عقیف تھے ساری^۴ عمر آپ ﷺ کا مبارک ہاتھ کسی اجنبی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا جب تک کہ آپ اس کے مالک نہ ہوئے یا اس سے نکاح نہ کیا ہو یا وہ آپ کی محرم نہ ہو۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی^۵ تھے کبھی کوئی درہم دینا آپ ﷺ کے پاس ایک رات نہ گزارتا تھا۔ تقسیم کرنے کے بعد اگر کچھ بچ جاتا اور (اس وقت) کوئی محتاج نہ ملتا تو رات آتے ہی تلاش کر کے کسی محتاج کو دے کر بے فکر ہو جاتے تھے جو کچھ مال آپ ﷺ کے پاس آتا تھا آپ اس میں سے صرف ۷ سال بھر کے خرچ کی مقدار اپنے لئے رکھتے اور باقی کو تقسیم فرما دیتے تھے اور وہ بھی

۱۔ یعنی ہر جگہ اور ہر وقت اور مطلب یہ ہے کہ ڈھیلے پتھر جن کو تم بے جان کہتے ہو قیامت کے روز یہ بھی تمہارے اعمال کی گواہی دیں گے تو جس طرح آدمی کے سامنے گناہ کرنے سے ڈرتے ہو اسی طرح ان چیزوں کے سامنے بھی ڈرنا چاہئے۔ ۱۲ ش

۲۔ رواہ الشیخ فی کتاب اخلاق ۱۲ ۳۔ اخرجہ البخاری و مسلم ۱۲ ۴۔ اخرجہ الترمذی فی الشمانل ۱۲

۵۔ بخاری و مسلم ۱۲ ۶۔ الطبرانی فی الاوسط و رجالہ ثقات ۱۲ ۷۔ بخاری و مسلم ۱۲

محض معمولی ادنیٰ درجہ کی چیزوں میں سے جیسے کھجوریں اور جو وغیرہ۔ اور پھر اس میں بھی آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا تو کبھی رد نہ فرماتے تھے اور اس سال بھر کے خرچ میں سے بھی ایثار فرما کر لوگوں کو دیتے تھے۔ اسی وجہ سے سال تمام ہونے سے پہلے ہی آپ کا سامان ختم ہو جاتا تھا۔

اور نبی کریم ﷺ اپنا جوتہ خود گانٹھ لیتے تھے۔ اور کپڑے میں پیوند لگا لیتے تھے اور اپنے اہل و عیال کے کاروبار اور خدمت کرتے تھے ان کے ساتھ بیٹھ کر گوشت کاٹتے تھے۔

نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ حیا دار ہے کسی کے چہرے پر (بوجہ شدہ حیا) آپ کی نظر مبارک نہ جمتی تھی۔ آزاد اور غلام سب کی دعوت قبول فرما لیتے تھے اور ہدیہ کو قبول فرماتے اگرچہ وہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران ہو۔

اور پھر ہدیہ کا بدلہ دیتے تھے اور ہدیہ کی چیز کو تناول فرماتے اور صدقہ کا مال نہ کھاتے تھے۔ معمولی کنیز اور مسکین آدمیوں کی دعوت سے انکار نہ فرماتے تھے۔

خدا کے لئے یعنی حدود اللہ اور شریعت کے خلاف کرنے پر ناراض ہوتے اور اپنے نفس کے لئے غصہ نہ فرماتے تھے۔ حق بات بولتے تھے اگرچہ اس کا نقصان آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس پر عائد ہوتا ہو۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ مشرکین کے مقابلہ میں دوسرے مشرکین سے مدد لے لیجئے تو انکار فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم مشرکین سے مدد نہیں لیتے حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ آپ کے ساتھی بہت کم تھے اور آپ (بظاہر) ایک انسان کے محتاج تھے۔

آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں سے ایک نہایت بزرگ صحابی کی لاش یہود کے محلہ سے برآمد ہوئی مگر آپ ﷺ نے ان سے کوئی زیادتی نہیں فرمائی بلکہ قاعدہ شریعہ کے موافق صرف سوانٹ سے ان کی دیت دلوادی اور بس۔ حالانکہ اس وقت صحابہ کرام کو ایک ایک اونٹ کی شدید ضرورت تھی اور یہودی مالدار تھے۔ ان سے جس قدر بھی حکم کیا جاتا خوشی سے برداشت کر لیتے۔

۱۔ طبایسی والدارمی والبخاری من غیر لفظہ ۲۔ مستفاد من رواۃ الترمذی والنسائی ۱۲

۳۔ رواہ احمد عن حدیث عائشہ و رجالہ رجال الصحیح ۱۲، و کل ذلک منقل عن تخریج

العرفاقی علی الا حیاء ص ۳۱۲۔ جلد ۲ ۴۔ رواہ البخاری و مسلم عن ابی سعید الخدری ۱۲ عراقی

۵۔ الترمذی والحاکم عن حدیث انس ۱۲ عراقی ۶۔ مستفاد عن حدیث ام الفضل و انس عند البخاری و

مسلم و عن حدیث عائشہ ۱۲ عراقی ۷۔ البخاری و مسلم ۱۲ ۸۔ النسائی والحاکم عن حدیث عبد اللہ

ابن ابی ۱۲ عراقی۔ ۹۔ الترمذی ۱۲ ۱۰۔ حدیث عائشہ عند مسلم ۱۲ ۱۱۔ بخاری و مسلم اور عراقی ۱۲

۱۲۔ مشرکین سے جنگ میں مدد لینا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے یہاں وہ شرائط موجود نہ تھیں۔

(بعض اوقات) نبی کریم ﷺ بھوک کی وجہ سے اپنے شکم مبارک^۱ پر پتھر باندھ لیتے تھے اور جب کچھ ملتا تو جو کچھ مل جاتا خوشی سے کھا لیتے اور کسی حلال کھانے سے احتراز نہ فرماتے تھے۔ اگر فقط چھوارے مل جاتے تو انہیں پر اکتفا فرماتے اور اگر گوشت بھنا ہوا مل جاتا یا روٹی گیہوں یا جو کی مل جاتی یا کوئی شیریں چیز یا شہد مل جاتا تو تناول فرماتے۔ اور اگر کبھی روٹی نہ ہوتی اور صرف دودھ مل جاتا تو اسی پر اکتفا فرماتے۔ اور اگر خبر بوزہ یا کھجوریں مل جاتیں تو وہی تناول فرما لیتے تھے۔

نبی کریم ﷺ تکیہ لگا کر یا میز یا چوکی وغیرہ پر کھانا رکھ کر کبھی نہ کھاتے تھے۔ آپ کا رومال تو ہاتھ پونچھنے کے لئے پاؤں کا تلوہ تھا۔ (یعنی بوجہ بے تکلفی کے اس کا اہتمام نہ تھا کہ کوئی تولیہ یا رومال ہی رکھا جائے بلکہ ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھوں یا پاؤں سے مل کر خشک فرمالیا جاتا)۔ آپ ﷺ نے گیہوں کی روٹی تین دن متواتر پیٹ بھر کر کبھی نہیں کھائی اور آپ ﷺ کا یہ طرز عمل فقر و احتیاج یا بخل کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ اپنے اوپر دوسرے فقر اور مساکین کو ترجیح دیتے اور ایثار کرتے تھے۔

اور نبی کریم ﷺ ولیمہ کی دعوت^۲ قبول فرماتے اور مریضوں^۳ کی مزاج پرسی کرتے اور جنازوں میں شریک ہوتے تھے۔

اپنے دشمنوں کے جتھ میں تنہا بلا کسی پاسبان (ساتھی کے چلتے پھرتے تھے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ تواضع اور عاجزی کرنے والے اور سب سے زیادہ خموش رہنے والے تھے مگر یہ خموشی تکبر کی وجہ سے نہیں تھی۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے مگر کلام زیادہ طویل نہ فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم) آپ ﷺ ظاہری شکل و صورت میں بھی سب سے زیادہ حسین و خوب صورت تھے۔ (شمائل ترمذی) دنیا کی کسی خوفناک چیز سے نہ ڈرتے تھے۔ (ہند احمد عن عائشہ)

جو کچھ مل جاتا پہن لیتے، کبھی سادہ چادر اور کبھی یمن کی منقش چادر اور کبھی اونی جبہ۔ غرض حلال مال سے جو کچھ مل جاتا زیب تن فرمالیا جاتا تھا۔ (بخاری عن ہبل بن سعد)

۲ فی الاوسط طبرانی عن حدیث ابن عباسؓ۔

۱ استفاد عن حدیث الترمذی عن ام ہانی۔ ۱۲ محمد شفیع

۳ اخرجه الترمذی والحاکم عن حدیث عائشہؓ۔ ۱۲ عراقی

۲ رواہ الترمذی وضعفہ واخرجه الحاکم صحیحہ ۱۲ عراقی۔

۵ استفاد عن حدیث التسانی عن ابی اونی۔ ۱۲

آپ ﷺ کی انگشتی چاندی کی تھی جس کو اکثر داہنے ہاتھ کی اور کبھی بائیں ہاتھ کی کن انگلی میں پہنتے تھے۔ (سم بروایت انسؓ)

اپنے ساتھ کبھی اپنے غلام کو اور کبھی کسی دوسرے کو سواری پر ردیف بنا کر سوار فرما لیتے تھے۔ امر او سلاطین کی طرح اس سے عار نہ تھا۔ (بخاری و مسلم)

(سواری کے متعلق کوئی تکلف نہ تھا) کبھی گھوڑے پر کبھی اونٹ پر کبھی خچر پر کبھی حمار پر (جیسا موقع ہوتا) سوار ہو جاتے تھے۔ اور بعض اوقات پیادہ ننگے پاؤں بغیر چادر اور بغیر عمامہ اور ٹوپی کے چلتے پھرتے تھے اور مدینہ کے دور محلوں میں جا کر مریضوں کی عیادت (مزاج پرسی) فرماتے تھے اور بدبو سے نفرت رکھتے تھے۔ فقراء و مساکین کے ساتھ مجالست (ہم نشینی) کی عادت تھی۔ (ابوداؤد عن ابی سعید)

مساکین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ (بخاری عن ابی ہریرہؓ)
اہل فضل و کمال کا احترام و اکرام ان کے اخلاق کی وجہ سے فرماتے تھے اور (ہر قوم کے) شریف لوگوں کو احسان و انعام کے ساتھ مانوس کیا جاتا تھا۔ (ترمذی فی شمائل) اپنے عزیز و اقرباء کے حقوق صلہ ادا فرماتے مگر جو لوگ ان سے افضل ہوں ان پر اقرباء کو ترجیح نہ دیتے تھے۔
(حاکم فی المستدرک عن ابن عباسؓ)

کسی کے ساتھ بد مزاجی اور درشتی کا معاملہ نہ فرماتے۔
(ابوداؤد و ترمذی فی الشمائل و نسائی فی اللیوم و اللیلہ عن انسؓ)

فائدہ : حدود شرعیہ کے خلاف کرنے صورت میں کسی پر غصہ کرنا یا سزا دینا بد مزاجی میں داخل نہیں بلکہ درستی اخلاق کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔

جو شخص آپ ﷺ کے سامنے معذرت پیش کرتا تو آپ ﷺ اس کا عذر قبول فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم عن کعب بن مالکؓ)

آپ ﷺ مزاح (ہنسی خوش طبعی) کی باتیں بھی کرتے تھے مگر اس میں بھی کوئی خلاف واقعہ بات زبان مبارک سے نہ نکلتی تھی۔ (ترمذی و مسند احمد عن ابی ہریرہؓ)

آپ ﷺ ہنستے تھے مگر قہقہہ نہ لگاتے بلکہ آپ ﷺ کا ہنسنا محض تبسم ہوتا تھا۔ (بخاری و مسلم عن عائشہؓ)
آپ ﷺ مباح (جائز) کھیل کود کو دیکھتے تو منع نہ فرماتے۔ (بخاری و مسلم عن عائشہؓ)

فائدہ : مباح کھیل وہ ہیں جو بدن کی چستی و مضبوطی کے لئے یا جہاد کی تیاری کے لئے یا طبیعت کی تکان دور کرنے کے لئے کھیلے جائیں اور ان میں کوئی ناجائز چیز مثل قمار (ہار جیت) یا مشابہت کفار یا

ستر کھولنا وغیرہ نہ ہوں۔ حدیث میں نشانہ سیکھنے اور تیرنے، کشتی لڑنے اور گد کہ وغیرہ کھلنے کو پسند کیا گیا ہے اور فقہانے گیند وغیرہ کے کھیل کو بھی اس میں داخل قرار دیا ہے (شامی، عالمگیری وغیرہ) مگر شرط یہ ہے کہ گد کہ کا کھیل تعزیه دری میں اور کشتی کا کھیل گھٹنے کھول کر اور گیند کا کھیل کفار و فساق کے مخصوص طریقہ پر نہ ہو ورنہ ان چیزوں کی شمولیت سے یہ کھیل بھی ممنوع ہو جائیں گے۔ (مترجم)

آنحضرت ﷺ اپنی بیبیوں کے ساتھ (بعض اوقات سفر میں جب کہ بے پردگی کا خطرہ نہ ہو) دوڑتے بھی تھے۔ (نسائی عن عائشہ)

بعض اوقات آنحضرت ﷺ کے سامنے لوگوں کی آوازیں بلند ہو جاتی تھیں تو آپ ﷺ صبر فرماتے تھے۔ (بخاری عن عبد اللہ بن الزبیر)

فائدہ : یہ آنحضرت ﷺ کا تو کمال اخلاق تھا کہ اس پر صبر فرمایا مگر حضرات صحابہؓ کے لئے ایسا کرنا مناسب نہ تھا اسی لئے اس کی ممانعت قرآن کریم میں نازل ہوئی، یا ایہا الذین امنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ، (بخاری)

آنحضرت ﷺ کے گھر میں چند اونٹنیاں اور بکریاں تھیں جن کے دودھ سے آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا گذارہ تھا۔ (طبقات ابن سعد عن ام سلمہ)

آنحضرت ﷺ کے پاس چند غلام اور باندیاں بھی تھیں جن کو کھانے پہننے میں اپنے سے کم نہ رکھتے تھے (بلکہ ہر چیز میں ان کو برابر رکھا جاتا تھا)۔ (طبقات ابن سعد عن ام سلمہ)

فائدہ : بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے (ابو بکر بن ضحاک فی الشماک عن ابن سعید الخدری باسناد ضعیف) اور حدیث میں ہے کہ غلاموں کو وہی

کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ (صحیح مسلم من حدیث ابی الیسر)

لیکن یہ سب تواضع اور حسن اخلاق کی تعلیم بدرجہ مستحب ہے اور ایسا کرنا واجب نہیں بشرطیکہ ان کو کھانے پہننے کی تکلیف نہ ہو کیونکہ ضرورت کے موافق کھانا کپڑا وغیرہ دینا واجب ہے اور اس کے خلاف کرنے والا گنہگار ہے۔

تنبیہ آنحضرت ﷺ کا یہ معاملہ ان غلاموں کے ساتھ ہے جو آپ ﷺ کی ملک تھے اور جن پر ہر طرح آپ کو اختیار حاصل تھا۔ افسوس ہے کہ آج کل مسلمان اپنے ملازم اور نوکروں کے ساتھ بھی وہ معاملہ نہیں کرتے۔ باورچی سے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے جاتے ہیں لیکن اس بیچارے کا حصہ اس میں بجز آگ اور دھوئیں کے کچھ نہیں ہوتا تیار ہونے کے بعد اس کی خوشبو بھی اس کے پاس نہیں جاتی۔

اخلاق کی بات یہ ہے کہ تھوڑا بہت ہر کھانے میں سے اس کو بھی دیا جائے جو کام کسی نوکر کے سپرد کیا جائے اس میں اس کی راحت و طاقت کا خیال رکھا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا کوئی وقت بیکاری میں نہ گذرتا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے اور دین کے کام میں اور یا اپنی دنیوی ضرورتوں میں۔

(شامل ترمذی عن علیؓ)

(کبھی کبھی) اپنے اصحاب کے باغات میں تشریف لے جاتے تھے۔ (تخریج عراقی)
آپ ﷺ نہ کسی مسکین یا اpanچ کو اس کے فقر و محتاجی کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے اور نہ بادشاہ و امیر سے اس کی دولت و سلطنت کے سبب مرعوب ہوتے تھے بلکہ دونوں کو یکساں طریق پر حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ (مستفاد من حدیث مسلم عن انسؓ و حدیث البخاری عن سہل بن سعد)

حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ میں اخلاقِ فاضلہ اور سیاستِ کاملہ جمع فرمادی تھی حالانکہ آپ ﷺ اُمّی (اُن پڑھ) تھے اور لکھنا بھی نہیں جانتے تھے آپ ﷺ ایسے شہر میں پیدا ہوئے جہاں کوئی علم کی جگہ (مدرسہ و یونیورسٹی) نہ تھی بلکہ جہالت عام تھی پھر آپ ﷺ کی نشوونما، فقر و فاقہ اور بکریاں چرانے میں ہوئی۔ وہ بھی اسی حالت میں کہ آپ ﷺ بے ماں اور بے باپ کے یتیم بچے تھے مگر حق تعالیٰ نے آپ کو محاسنِ اخلاق اور خصائلِ حمیدہ کی تعلیم دی اور اولین و آخرین کے علوم عطا فرمائے اور ان چیزوں کی تعلیم دی جن سے آخرت میں نجات اور فلاح نصیب ہو اور دنیا میں پریشانیوں سے خلاصی اور لوگوں کے لئے غبطہ (رشتک) کا سبب ہو اور آپ کو مفید و ضروری کاموں میں مشغولی اور بے فائدہ و فضول کاموں سے اجتناب عطا فرمایا۔

حق تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ کی سنت اور آپ کے اخلاق و عادات کا اتباع نصیب فرمائے۔

آمین یا رب العالمین -



اتباع رسول ﷺ

دنیا کی چند روزہ اور ناقص زندگی میں بھی حقیقی راحت و سرور اور آرام و عیش تو صرف آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے اتباع ہی میں منحصر ہے۔ اسوہ رسول ﷺ کے کامل قابعین کے لئے جس طرح آخرت کی دائمی زندگی میں فلاح و صلاح اور ہر طرح کی راحت کا وعدہ ہے۔ اسی طرح دنیا میں بھی حقیقی راحت و سکون صرف انہی کا حصہ ہے اور جنت میں جانے سے پہلے دنیا میں ہی ایک طرح کی جنت ان کو دے دی جاتی ہے کہ قناعت اور تقدیر الہی پر رضا کے سبب وہ کسی حال میں پریشان و متشوش نہیں ہوتے۔ دنیا کے مصائب و آفات اور پریشانیوں کی صورتیں ان پر ضرور آتی ہیں اور بسا اوقات دوسروں سے زیادہ آتی ہیں لیکن ان کے قلوب اس وقت بھی اپنی جگہ پر مطمئن اور سرور ہوتے ہیں۔ زمانہ کے بڑے بڑے حوادث ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ مرنے میں بھی جیتے ہیں اور بگڑنے میں بھی بنتے ہیں۔

نہ شوخی چل سکی باد صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

راحت و عیش جس کا تعین قلب و اطمینان و سکون سے ہے۔ بلاشبہ سارے عالم سے زیادہ انہیں حضرات کو حاصل ہے۔ یہی وہ نشہ ہے جس کے سرور سے وہ شاہانہ سامان کو ذرا نظر میں نہیں لاتے۔

زا نگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیم روز بدانگے نمی خرم

ان کی بے سرو سامانی کے باوجود ساز و سامان والے ان کی راحت کو نہیں پاسکتے۔

خوش فرش بوریا و گدائی خواب من
کیس عیش نیست در خور اورنگ خسروی

ان کا رشتہ نیاز ایک ایسی بارگاہ عالی سے جڑ جاتا ہے کہ وہ ان کو سارے عالم سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

فقر میں بھی سر بسر کبر و غرور ناز ہوں
کس کا نیاز مند ہوں سب سے جو بے نیاز ہوں

یہی وہ نقد جنت ہے جو اللہ والوں کو دنیا میں ہی مل جاتی ہے اسی کو بعض ائمہ تفسیر نے آیت ذیل کی تفسیر میں لیا جاتا ہے۔

وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٍ
”جو شخص ڈرے اللہ سے اس کے لئے دو جنتیں ہیں“۔

یعنی ایک جنت آخرت میں اور ایک اسی دنیا میں اور بعض روایات حدیث میں جو دنیا کو مومن کے لئے (جَنّ) یعنی قید خانہ فرمایا یہ جنت اس کے منافی نہیں ظاہری اسباب و سامان اور صورت کے اعتبار سے دنیا ان کے لئے قید خانہ ہے لیکن باطنی سکون و راحت کے اعتبار سے یہ قید خانہ بھی ان کے لئے جنت ہے۔

بِسُورَةِ بَابٍ بَاطِنَةٍ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قَبْلِهِ الْعَذَابُ

”اس کا ایک دروازہ ہے کہ اس کے اندر تو رحمت ہی رحمت ہے اور باہر کی جانب عذاب ہے“۔

الغرض دنیا کی ظاہری زندگی میں بھی راحت و سکون صرف ان ہی حضرات کا حصہ ہے جو وحی الہی اور تعلیمات نبوی ﷺ کے پیرو ہوں۔ البتہ اس دینی زندگی میں اتنا فرق ضروری ہے کہ تعلیمات نبوی ﷺ سے اعتراض کرنے والے اگر بالکل کافر اور خدا کے باغی ہیں تو ان کو استدلال (ڈھیل) کے طور پر بنیادی اور ظاہری سامانِ راحت، عزت و دولت سے محروم نہیں کیا جاتا اور اگر وہ اہل ایمان ہیں تو فوری تنبیہ کے لئے اکثر ان کو اس زندگی میں عزت و دولت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے سوا دوسری قومیں خدا تعالیٰ کی مرضی و نافرمانی اور حلال و حرام سے بے نیاز ہو کر دنیوی ترقی کے لئے کوئی اسکیم بنادیں تو دنیا کی ظاہری حیات میں اس کا کامیاب ہو جانا ممکن ہے گو حقیقی راحت حاصل نہ ہو مگر ظاہری سامانِ راحت اور عزت اور راحت ان کو اپنی اختراعی تسام نازی ازم اور کمیونزم اور شوشلزم وغیرہ کے ذریعے ہو جائے تو بعید نہیں۔

غرض جن لوگوں نے متاعِ حیات دنیا اور اس کے چند روزہ اور ظاہری ساز و سامان ہی کو اپنا محبوب حقیقی اور قبلہ مقصود بنالیا ہے اور جن کی حالت قرآن کریم نے یہ بیان کی ہے کہ

الَّذِينَ رَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأْنَنُوا بِهَا ط

”وہ لوگ جو (صرف) حیات دنیا ہی پر راضی ہو گئے“۔

حقیقت شناس، صاحب بصیرت تو ان کو یہی کہیں گے کہ :

آنانکہ بجز روئے تو جائے نگرانند کو تہہ نظر انند چہ کو تہ نظر انند

لیکن بہر حال اس کا یہ مقصود برلن اور امریکہ کی منڈیوں میں، چین و جاپان کے بازاروں میں، اسٹالن اور مارکس کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنے میں حاصل ہو جانا ممکن ہے۔ لیکن مسلمان جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والا ہے وہ ان بے دینیوں کی نقل اتار کر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دینی عزت و دولت کے حصول میں بھی بجز سبز گنبد میں آرام فرمانے والے تاجدارِ مدینہ سید الانبیاء و المرسلین سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہ کے کہیں پناہ نہیں۔

ہمارے خواجہ صاحب مرحوم نے خواب فرمایا ہے :

بنیں ہم نہ ہندی، نہ روسی، نہ نازی بنالیں بس اپنے کو سچا حجازی
ہمیں پھر بہر حال لے جائیں بازی مریں تو شہید اور ماریں تو غازی

تاریخ اسلام کا روشن باب اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمان قوم نے جب کبھی اسوہ حسنہ نبویہ ﷺ سے منہ موڑا تو دنیا کی عزت و دولت نے بھی اس سے منہ موڑ لیا۔ جس وقت وہ تعلیمات نبوت ﷺ کے حامل اور ان پر پورے حامل تھے تو ان کے عروج و اقبال کا یہ عالم تھا کہ جنگل میں سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سو جانے والے امیر المؤمنین کے نام سے کسریٰ اور قیصر کے محلات میں زلزلہ پڑ جاتا تھا۔

قباؤں میں پیوند پیٹوں پر پتھر قدم کے تلے تاج و کسریٰ و قیصر

اور جب انہوں نے اس میں غفلت و کوتاہی شروع کی تو چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ان کی سلطنت و حکومت خود بخود سمنٹا شروع ہو گئی نہ اندلس کے قصر حمر اوز ہر ان کو بچا سکے اور نہ مصر و قاہرہ کی قوت ان کے کام آسکی پھر جب کبھی سنبھلے تو حکومت سنبھل گئی اور بہکے تو سلطنت و حکومت میں بھی زوال آ گیا۔

غرض مسلمانوں کی دینی مصائب و آفات اور عزت و دولت اور حکومت وغیرہ سے محرومی بھی ان کے برے اعمال کے نتائج اور تعلیمات قرآن و حدیث سے غفلت اور اعتراض کے ثمرات ہیں۔

اگر ماضی کا تجربہ مستقبل کے لئے مشعلِ ہدایت اور درسِ عبرت ہو سکتا ہے تو مسلمانوں کے عہدِ ماضی کا طویل و عریض زمانہ اور اس کی تاریخ کا ہر موقع ان کو ہر صلاح و فلاح کے لئے صرف ایک سبق دیتا ہے جو بالکل واضح اور جلی ہے جس کو امام مدینہ حضرت مالک بن انسؒ کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔

لن يصلح آخر هذه الامة الا ما صلح به اولها
 ”اس امت کے آخری دور کی اصلاح کوئی چیز بجز اس طریق کار سے نہیں کر سکتی جس کے
 ذریعے اس امت کے دورِ اول کی اصلاح ہوئی تھی۔“

اور ظاہر ہے کہ وہ طریق کار جس نے عرب کے بدوؤں کو تہذیب انسانی کا معلم، وحشیوں
 کو سیاست مدن کا مجدد، گمراہوں کو دنیا کار بہر، بداخلاقوں کو خوش اخلاقی کا پیکر، مریضوں کو مسیحا بنا دیا، وہ
 کیا تھا؟ صرف قرآنی نظام اور سید الانبیاء ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کا اتباع۔ حق تعالیٰ ہمیں
 آنحضرت ﷺ کی اتباع نصیب فرمائیں۔ آمین

(الرشید ، لاہور)

www.ahlehaq.org



ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت ﷺ پر ہر قسم کی نبوت اور وحی کا اختتام ہو گیا۔ آپ ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں۔ اسلام کے بدیہی عقائد سے مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی ہمیشہ واقف رہے ہیں اور چودہ سو برس کی تاریخ میں یہ بحث بھی نہیں پیدا ہوئی کہ نبوت کی کچھ قسمیں ہوتی ہیں اور ان میں سے کوئی خاص قسم نبی آخر الزماں ﷺ کے بعد بھی باقی ہے۔ نبوت کی تشریحی و غیر تشریحی، ظلی و بروزی یا مجازی اور لغوی اقسام کا نہ قرآن و حدیث میں کوئی اشارہ تک ملتا ہے نہ علمائے امت ان سے واقف تھے البتہ اس دور میں تعلیمات اسلامی سے عام غفلت اور جہالت نے اور فتنوں کی طرح اس فتنہ کا در بھی وا کیا۔ سب سے پہلے باب اور بہا کے فرقے نے اس مسئلہ میں اجماع امت سے اختلاف کیا مگر وہ بھی اس کو علمی رنگ نہ دے سکا۔

اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے بحث کا دروازہ کھولا مگر اس بحث میں بھی اس قدر الجھاؤ اور تضاد کی کار فرمائی ہے کہ خود ان کے ماننے والے بھی تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقہ ان کو صاحب شریعت نبی اور رسول مانتا ہے یہ ظہیر الدین اروپی کا فرقہ ہے۔ دوسرا ان کو غیر تشریحی کہتا ہے یہ قادیانی پارٹی ہے جس کا مرکز اب ربوہ میں ہے تیسرا فرقہ مرزا صاحب کو رسول نہیں بلکہ مسیح موجود یا مہدی موعود قرار دیتا ہے، یہ لاہوری پارٹی ہے۔

قادیانی مغالطے

حقیقت میں مرزا صاحب کے دعوائے نبوت میں ایک تدریجی ارتقاء ہے۔ ابتداء میں ان کا عقیدہ جمہور اہل سنت کے مطابق تھا۔ ۱۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو انہوں نے جامع مسجد دہلی کے ایک جلسہ عام میں ایک تحریری بیان دیا جس میں کہا گیا :

”اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار کرتا ہوں کہ جنات خاتم الانبیاء کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۃ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“ (تبلیغ رسالت حصہ دوم۔ ص ۲۳)

پھر ۱۸۹۹ء کے بعد مرزا صاحب نے اپنی تقریروں میں نبی اور خاتم النبیین کی انوکھی تعریف پیش کرنا شروع کر دی، مثلاً :

”اللہ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشی ہوئی اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۹۷ حاشیہ۔ از مباحثہ راولپنڈی ص ۱۴۱)

اس عبارت میں انہوں نے اپنے نبی ہونے کے لئے گویا دلیل بیان کی ہے بالآخر بیسویں صدی کے اوائل میں انہوں نے کھلے طور پر رسالت اور نبوت کا دعویٰ کر دیا مثلاً :

”سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔“ (دفع البلاء۔ ص ۱۱۰)

”حق یہ ہے کہ خدا کی وہ پاک وحی جو میرے اوپر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول

اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ۔“ (براہین احمدیہ۔ ص ۲۹۸)

اور اسکے بعد تو انہوں نے تو تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر نہ صرف صاحب شریعت رسول ہونے کا دعویٰ کیا بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ہمسری بلکہ ان سے افضلیت کا دعویٰ کیا ان کی توہین میں متعدد عبارتیں لکھیں حتیٰ کہ خود سرور کونین ﷺ سے اپنے آپ کو بڑھانے کی جسارت سے بھی باز نہ آئے۔

”محمد میں اور ہمارے میں بڑا فرق ہے کیوں کہ مجھے تو ہر ایک وقت خدا کی تائید اور مدد مل

رہی ہے!“ (نزل المسیح۔ ص ۹۶)

اس منزل پر پہنچ گئے تو مرزا صاحب نے عامۃ المسلمین سے علیحدہ ایک امت کی بنیاد ڈالی اور

یہ اعلان کر دیا کہ :

”ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان

نہیں ہے۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳۔ از خاتمہ بحث ص ۲۶)

ان کی تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو جب نبی بننے کا شوق دامن گیر ہوا تو خاتم النبیین اور مسئلہ نبوت کو اپنی راہ میں حائل پا کر انہوں نے اس کی تحریف و تاویل شروع کر دی۔ کبھی خاتم النبیین ہی کے معنی بدل کر مہر نبوت قرار دیا کبھی ختم نبوت کے معنی اپنے مشہور و معروف معنی میں رکھ کر ظلی بروزی قسم کی نبوتیں ایجاد کیں اور ظلی نبی کو (معاذ اللہ) عین محمد و احمد بتا کر ختم نبوت کی

زد سے باہر آنے کی سعی فرمائی اور کہیں ختم نبوت میں یہ شرط بڑھا کر اس سے گلو خلاصی کی کوشش کی کہ ختم ہونے والی نبوت تو وہ ہے جس کے ساتھ شریعت بھی ہو۔ مطلق نبوت کا اختتام مراد نہیں!

ایک منصف مزاج اور سلیم الفہم آدمی کے لئے تو خود مرزا صاحب کی متضاد اور بے تکی باتیں ہی ان کے دعاوی اور عقائد کو یکسر مسترد کر دینے کو کافی ہیں تاہم عام مسلمانوں کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے مسئلہ ختم نبوت کے تمام پہلوؤں کو قرآن ۷۰ حدیث آثار صحابہ اور سلف صالحین و علمائے دین کے اقوال کے ذریعے واضح کرنا ضروری ہے۔

ختم النبوة فی القرآن

قرآن کریم سے کسی مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے علمائے اصول استدلال نے چار طریقے طے کئے ہیں۔ اول عبارت النص اور دوسرے اشارۃ النص، تیسرے دلالت النص اور چوتھے اقتضا النص۔ کلام پاک میں ننانوے آیات ایسی موجود ہیں جو ان چاروں میں سے کسی نہ کسی طریق سے ختم نبوت کا ثبوت مہیا کرتی ہیں۔ چنانچہ اس باب میں پہلی اور صریح ترین آیت یہ ہے :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ط

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ط (الاحزاب ۴۰)

”نہیں ہیں محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا۔“

اس آیت کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ چند روز پہلے ہی وحی کے ذریعے عرب کے اس رواج کو مسترد کیا گیا تھا جس کے تحت لے پالک اولاد کو حقیقی اولاد کا درجہ دیا جاتا تھا۔ اس رواج کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی غرض سے رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے آزاد کردہ غلام اور متشی حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ حضرت زینب سے حکم خداوندی کے مطابق نکاح فرمایا ہے اس پر کفار نے شور مچایا کہ یہ کیسا نبی ہے جو اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرتا ہے اسی طعن کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں اس لئے آپ پر یہ الزام بے محل ہے۔ اس امر واقعہ کے بیان کر دینے کے بعد اسی سے پیدا ہونے والے ممکنہ شبہات کے ازالے کے لئے فرمایا گیا :

”لیکن آپ (ﷺ) اللہ کے رسول اور آخر الانبیاء ہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ آپ (ﷺ) کے کوئی صلیبی فرزند نہیں اور آپ (ﷺ) اس اعتبار سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن آپ خدا کے برگزیدہ رسول ہیں اور رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے جو لوگ حضور کو ابتر اور

مقطوع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے انہیں بھی اسی آیت میں جواب دے دیا گیا کہ رسول تو اپنی پوری امت کا باپ ہوتا ہے اور محمد ﷺ چوں کہ قیامت تک کے لئے نبی ہیں لہذا آپ ﷺ کی روحانی اولاد کا بھی کوئی شمار نہیں۔

اس جگہ لفظ ”خاتم النبیین“ کے اضافے کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس طرح اقوال عالم کو خبردار کیا گیا یہ ہمارا آخری رسول ہے اس کے بعد کوئی پیغامبر نہ بھیجا جائے گا اس لئے دین و دنیا کی اصلاح چاہتے ہو تو اس کی تصدیق کرو۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ”ما کان محمد ابا احد“ میں نفی ابوت سے وہم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ میں شفقتِ پدری بھی نہ ہوگی اس وہم کو رفع کرنے کے لئے ”ولکن رسول اللہ“ کے الفاظ بڑھائے گئے یعنی اگرچہ آپ ﷺ کسی مرد کے نسبی باپ نہیں لیکن رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے نسبی باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا، ”وخاتم النبیین“ یعنی جب ہر رسول اپنی امت کا شفیق باپ ہوتا ہے تو خاتم النبیین تو تمام انبیاء سے زیادہ شفیق اور مہربان ہوں گے۔

جن انبیاء کو اپنے بعد اور رسولوں کے آنے توقع ہوتی تھی ان سے اگر کوئی چیز رہ جاتی تو بعد میں آنے والے اس کی تکمیل کر دیتے تھے لیکن تمام انبیاء کے خاتم کو یہ فکر تھی کہ آگے کا راستہ اتنا صاف کر دیا جائے کہ قیامت تک آنے والے انسان گمراہ نہ ہوں۔ چنانچہ ہمارے آقائے نامدار سرورِ کائنات ﷺ نے شریعت کی صراطِ مستقیم کو ایسا ہموار چھوڑا ہے جس میں رات اور دن برابر ہے اب نہ ہمیں کسی شریعتِ سابقہ کی حاجت ہے نہ لاحقہ کی نہ کسی جدید نبی کی ضرورت ہے نہ جدید شریعت کی۔

تکمیل شریعت

قرآن مجید کی جس آیت میں محمد رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت کی ابدی تکمیل کا اعلان کیا گیا وہی ختم نبوت کے ثبوت میں دوسری واضح دلیل ہے۔ ارشاد ہوا :

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّخَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ

الْإِسْلَامَ دِينًا ط (المائدہ ۳)

”آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے

دینِ اسلام ہی پسند کیا۔“

آیت مذکورہ میں کمال دین کی جس زاویے سے بھی تفسیر کی جائے ماحصل یہ ہے کہ اس دین کے بعد کوئی دین اور آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی تا قیامت پیدا نہ ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے بعد نہ کوئی حلال کرنے والا حکم نازل ہوا اور نہ حرام کرنے والا اور نہ کوئی چیز فرائض و سنن میں اور نہ حدود اور دوسرے احکام میں سے۔
(تفسیر مظہری ص ۸۔ سورۃ مائدہ)

اور حدیث میں ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو فاروق اعظمؓ رونے لگے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیوں روتے ہو؟ فاروق اعظمؓ نے عرض کیا: ”ہم اپنے دین میں زیادتی اور ترقی میں تھے لیکن جب وہ کامل ہو گیا اور (عادت الہی اسی طرح جاری ہے کہ) جب کوئی شے کامل ہو جاتی ہے تو پھر وہ ناقص ہو جاتی ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تم نے سچ کہا اور یہی آیت آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سمجھی گئی۔ آپ ﷺ اس کے بعد صرف اکیاسی روز اس عالم میں زندہ رہے۔

فاروق اعظمؓ کا یہ واقعہ مذکورۃ الصدر تفسیر کی روشن اور کھلی شہادت ہے کیوں کہ اگر کمال دین اور اتمام نعمت سے نزول احکام دین کا اختتام اور وحی و نبوت کا انقطاع اور خاتم الانبیاء کی وفات مراد نہ تھی تو فاروق اعظمؓ کا اس موقع پر رونا بے محل اور بے معنی ہو جائے گا۔

افادیت ختم نبوت

جس طرح قرآن پاک کی ننانوے آیات ختم نبوت کا ثبوت فراہم کرتی ہیں اسی طرح دوسو صحیح احادیث میں اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، ان میں ایک سو سے زیادہ احادیث متواتر ہیں۔ امام ابن حزم نے لکھا ہے :

”جن حضرات نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور معجزات اور قرآن مجید کو نقل کیا ہے ان میں کثیر التعداد حضرات کی نقل سے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔“ (المسلل والنخل، جلد ۱۔ ص ۷۷)

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث لانی بعدی نہ صرف متواتر ہے بلکہ اس کا تواتر بھی اسی درجے کا ہے جس درجے کا آپ ﷺ کی نبوت، معجزات اور قرآن مجید کا تواتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا :

”میری مثال مجھ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ اور آراستہ و پیراستہ بنایا مگر اس کے ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ تعمیر سے چھوڑ دی، پس لوگ اس کے دیکھنے کو جوق در جوق آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تاکہ مکان کی تعمیر مکمل ہو جاتی) چنانچہ میں نے اس جگہ کو پُر کیا اور مجھ سے ہی قصر نبوت مکمل ہوا اور میں ہی خاتم النبیین ہوں (یا) مجھ پر تمام رسل ختم کر دیئے گئے۔“ (بخاری، مسلم، احمد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا)

حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ میں پانچ سال حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ رہا میں نے خود سنا کہ وہ یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

”بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء کیا کرتے تھے جب کسی نبی کی وفات ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے نبی کو ان کا خلیفہ بنا دیتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔“ صحابہ نے عرض کیا : ”یا رسول اللہ ﷺ ! ان خلفاء کے متعلق آپ کیا حکم دیتے ہیں؟“ فرمایا، ”ہر ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کرو اور ان کے حق اطاعت کو پورا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی رعیت کے متعلق ان سے سوال کرے گا۔“ (بخاری، مسلم، احمد، ابن ماجہ، ابن جریر اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا)

حضرت جبیر بن مطعمؓ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

”میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماجی ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں یعنی میرے بعد ہی قیامت آئے گی اور حشر برپا ہوگا (یعنی کوئی نبی میرے اور قیامت کے درمیان نہ آئے گا) اور میں عاقب ہوں اور عاقب اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔“ (بخاری، مسلم اور ابو نعیم نے روایت کیا)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ”تم میرے ساتھ ایسے ہو جیسے حضرت ہارون موسیٰؑ کے ساتھ تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔“ بخاری اور مسلم نے غزوہ تبوک کے باب میں یہ حدیث روایت کی۔ مسلم کی روایت میں اتنی بات اور زیادہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک جہاد میں حضرت علیؓ کو ساتھ نہیں لیا بلکہ گھر پر چھوڑ دیا، حضرت علیؓ نے (بطور نیاز مندانه شکایت) عرض کیا، آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ دیا ! آپ ﷺ نے (ان کی تسلی کے لئے) ارشاد فرمایا : ”کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم میرے ساتھ ایسے ہو جاؤ جیسے ہارونؑ

موسیٰ کے ساتھ؟ (یعنی جس طرح حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر تشریف لے جاتے وقت ہارونؑ کو بنی اسرائیل میں اپنا نائب بنا کر چھوڑ گئے تھے اسی طرح تم اس وقت میرے نائب تھے) لیکن میرے بعد نبوت نہیں۔ (اس لئے تمہارا مرتبہ اگرچہ ہارون کا سا ہے مگر تم کو نبوت حاصل نہیں) اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں : **اَلَا اِنَّكَ لَسْتَ نَبِيًّا** (مگر تم بنی نہیں ہو) حضرت ابو ہریرہؓ روای ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ دو جماعتوں میں جنگ عظیم رونما نہ ہو حالانکہ دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہو اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک تقریباً تیس دجال کاذب دنیا میں نہ آچکیں جن میں سے ہر ایک یہ کہتا ہوگا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔“ (بخاری، مسلم اور احمد نے روایت کیا)

حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

”قریب ہے کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔“ (مسلم نے روایت کیا)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

”مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی اول یہ کہ مجھے جوامع الکلم دیئے گئے، دوسرے یہ کہ رعب سے میری مدد کی گئی (یعنی مخالفین پر میرا رعب پڑ کر انہیں مغلوب کر دیتا ہے)، تیسرے میرے لئے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا (بخلاف انبیائے سابقین کے کہ مال غنیمت ان کے لئے حلال نہ تھا بلکہ آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی تھی جو تمام مال غنیمت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی تھی اور یہی جہاد کی مقبولیت کی علامت سمجھی جاتی تھی) چوتھے میرے لئے تمام زمین نماز پڑھنے کی جگہ بنا دی گئی (بخلاف امم سابقہ کے کہ ان کی نماز صرف مسجدوں ہی میں ہو سکتی تھی) اور زمین کی مٹی میرے لئے پاک کرنے والی چیز بنا دی گئی (یعنی بہ وقت ضرورت تیمم جائز کیا گیا جو پہلی امتوں کے لئے جائز نہ تھا)۔ پانچویں میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں (بخلاف انبیائے سابقین کے کہ وہ خاص قوموں کی طرف کسی خاص اقلیم میں ایک محدود زمانے کے لئے مبعوث ہوتے تھے)، چھٹے مجھ پر تمام انبیاء ختم کر دیئے گئے۔“ (مسلم نے روایت کیا)

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض وفات میں دروازے کا پردہ کھولا آپ ﷺ کا سر مبارک مرض کی وجہ سے بندھا ہوا تھا، ادھر لوگ صدیق اکبرؓ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”نبوت میں کوئی جزو باقی نہیں رہا مگر وہ اچھا خواب جو مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لئے کوئی اور دیکھے۔“ (مسلم اور نسائی نے روایت کیا)

عجیب تاویلات

ختم نبوت کے منکرین قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی ان صراحتوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے عجیب و غریب تاویلات کا سہارا لیتے ہیں اور قرآن و حدیث میں تحریف کرتے ہیں۔ مثلاً مرزا غلام احمد نے نبی بننے کے شوق میں آیت خاتم النبیین کے معنی یہ بیان کئے ہیں، ”آپ ﷺ کی پیروی کمالات نبوت بخشی ہے اور آپ ﷺ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے،“ اور یہ کہ ”ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت مل سکتی ہے۔“

یہ مفہوم نہ صرف عربی زبان اور محاورے کی رو سے سراسر غلط ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کو نبی بنانا آنحضرت ﷺ کے اختیار میں ہے جس پر چاہیں نبوت کی مہر لگا دیں حالانکہ رسول اور نبی کا تقرر صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے علاوہ ازیں اس تحریف کے نتیجے میں نبوت ایک اکتسابی چیز بن جاتی ہے۔ قرآن کی رو سے یہ بھی غلط ہے کیوں کہ نبوت حاصل کرنا کسی کے اختیار میں نہیں۔

اگر اس نوا ایجاد تفسیر کو مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس امت میں جتنے زیادہ نبی آئیں اتنا ہی حضور ﷺ کا کمال ظاہر ہوگا لیکن تحریف کرنے والے کو بھی تیرہ سو برس میں اپنے سوا اور کوئی اس طریقے سے نبی بننا نظر نہیں آیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جس ہستی کو بقول مرزا صاحب، اللہ نے ”نبی تراش“ بنایا اس کی روحانی توجہ ایک لاکھ سے زائد صحابہ میں سے تو کسی کو نبی نہ بنا سکی، ان کے بعد خیر القرون میں بھی کسی کو یہ سعادت نصیب نہ ہو سکی اور نعوذ باللہ چودھویں صدی میں آکر بس ایک مرزا صاحب پیدا ہوئے تو اس اعزاز کے اہل ٹھہرے۔ قرآن پاک کی تحریف اور رسول کریم کی توہین اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے! نعوذ باللہ من ذلک۔

آیت خاتم النبیین کی قادیانی تحریف کا ایک اور رخ مرزا غلام احمد کے اشتہار ”ایک غلطی کا ازالہ“ میں یوں بیان ہوا ہے: ”لیکن اگر کوئی شخص اس خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ یہ باعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آمینہ کی طرح محمدی چہرے پر اس کا انعکاس ہو گیا ہو تو وہ بغیر

مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا کیونکہ وہ محمد ہے، گو ظلی طور پر باوجود اس شخص کے دعوائے نبوت کے جس کا نام ظلی طور پر محمد اور احمد رکھا گیا ہے پھر بھی سیدنا محمد ﷺ کی تصویر اور اسی کا نام ہے۔

ظَل و بروز کی یہ کہانی شاید ہندوؤں کے عقیدہ تناخ و حلول سے اخذ کی گئی ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی کہیں شہادت نہیں ملتی اور اگر یہ صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کامل اتباع سے کوئی شخص عین محمد مصطفیٰ بن جاتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ابتدائے اسلام سے مرزا غلام احمد کی پیدائش تک کسی اور کو یہ کامل اتباع کیوں نصیب نہیں ہوا؟ صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ، خیر الخلائق بعد الانبیاء کے مصداق ہیں اور حدیث میں لو کان بعدی نبی لکان عُمر وغیرہ کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں تو کیا یہ حضرات بھی ظلی طور پر محمد مصطفیٰ بن گئے تھے؟

نبوت کا چھبیسواں حصہ

صرف یہی نہیں کہ قرآن میں بروز اور بروزی نبی کے پیدا ہونے کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ بہت سی احادیث بھی اس عقیدے کا صاف صاف بطلان کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اے لوگو! نبوت کا کوئی جزو سوائے اچھے خوابوں کے باقی نہیں رہا“۔ (بخاری اور مسلم نے روایت کیا)

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نبوت بالکلیہ ختم ہو چکی ہے۔ سلسلہ وحی منقطع ہو گیا۔ البتہ اجزائے نبوت میں سے ایک جزو، مبشرات باقی ہے۔ یعنی جو سچے خواب مسلمان دیکھتے ہیں یہ بھی نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے۔ اس کی تشریح بخاری ہی کی دوسری حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ سچا خواب نبوت کا چھبیسواں حصہ ہے۔ اب ذرا قادیانی عقل کج مزاج کی دلیری ملاحظہ کیجئے کہ اسی حدیث سے بقائے نبوت ثابت کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ نبوت کا ایک جزو باقی ہے۔ اسی سے نفس نبوت کا بقا ثابت ہوتا ہے۔ جیسے پانی کا ایک قطرہ بھی باقی ہو تو پانی کو باقی کہا جاسکتا ہے اسی طرح نبوت کے جزو کا باقی ہونا، خود نبوت کا باقی ہونا ہے۔ اگر یہ منطق مان لی جائے کہ کسی شے کے ایک جزو کے وجود کو کل کا وجود قرار دیا جاسکتا ہے تو پھر ایک اینٹ کو پورا مکان کہنا بھی درست ہوگا! کھانے کے بیس اجزا میں سے ایک جزو نمک ہے تو نمک کو کھانا کہنا بھی روا ہوگا! اور پھر شاید ایک دھاگے کو کپڑا کہنا بھی جائز ہوگا! اور

ایک انگلی کے ناخن کو انسان اور ایک رسی کو چار پائی بھی کہا جائے اور ایک میخ کو کواڑ بھی! یہ محض لچر اور ناقابل ذکر بات ہے کہ نبوت کا ایک جزو باقی ہونے سے نبوت کا بقا ثابت کر ڈالا۔

اس حدیث میں قابل لحاظ بات تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انقطاع نبوت کے ذکر کے ساتھ صرف رویائے صالحہ کے بقاء کا ذکر فرمایا ہے۔ اور کسی قسم کی نبوت کا نام نہیں لیا۔ گویا نبوت کی کوئی قسم کی آپ ﷺ بعد باقی نہیں رہی، ورنہ ضروری تھا کہ نبوت کی جو قسم باقی رہنے والی ہے بجائے سچے خواب کے اُس کا ذکر فرمایا جاتا۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ نبوت کے تمام اجزا اور اقسام کے بالکل انقطاع کی خبر دے کر صرف ایک جزو یعنی رویائے صالحہ کا استثناء فرمایا گیا ہے اب انصاف کیجئے کہ اگر سوائے رویائے صالحہ کے اور بھی کوئی جزو یا کوئی نوع، یا کوئی قسم نبوت کی باقی رہنے والی تھی، تو اس کا استثناء کیوں نہیں فرمایا گیا۔

مرزا صاحب نے اپنی اسلام دشمنی پر پردہ ڈالنے کے لئے کبھی فرمایا کہ ختم نبوت کا مسئلہ تو میرا ایمان ہے، مگر صرف تشریحی نبوت ختم ہوئی ہے اور میری نبوت غیر تشریحی ہے۔ اور کبھی کہا کہ کلی نبوت ختم ہوئی ہے اور میری نبوت جزئی ہے۔ اور کبھی ارشاد ہوا کہ حقیقی نبوت ختم ہوئی ہے اور میری نبوت ظلی و بروزی ہے۔ اور کہیں لکھا ہے کہ مستقل نبوت ختم ہوئی ہے اور میری نبوت غیر مستقل ہے۔ غرض ان متعارض اور متضاد اقوال کو اختیار کر کے وہ سمجھے کہ ہماری نبوت بھی سیدھی ہو گئی اور مسلمانوں کے سامنے یہ کہنے کی گنجائش بھی باقی رہ گئی کہ ہم قرآن و حدیث کے صریح حکم یا اُمت کے اجماعی عقیدہ ختم نبوت کے منکر نہیں ہیں۔ لیکن اس حدیث نے مرزا صاحب کے سارے منصوبے خاک میں ملادیئے۔

ختم نبوت اور نزول مسیح

آیت خاتم النبیین کی روشن دلیل کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی غرض سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آسکتا تو آخر زمانے میں عیسیٰ، جو متفق علیہ نبی ہیں، کیسے آسکتے ہیں؟ حالانکہ ان کا قیامت کے قریب آنا مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے۔ غرض یا ختم نبوت سے انکار کیجئے، یا نزول مسیح سے ہاتھ اٹھائیے۔ یہ شبہ خلطِ مبحث کا شاہکار ہے حقیقت میں ان دونوں عقیدوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں :

عربی لغت اور محاورے کی رو سے خاتم النبیین اور آخر الانبیاء کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ وصفِ نبوت کے ساتھ (اس عالم میں سب سے آخر میں متصف ہوئے۔ یعنی آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہ

دی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیاء وفات پا گئے ہوں۔ اہل عرب جب خاتم الاولاد یا آخر الاولاد بولتے ہیں تو مراد یہی ہوتی ہے کہ یہ بچہ سب سے آخر میں پیدا ہوا، نہ یہ کہ پہلی تمام اولاد کا صفایا ہو چکا۔ حدیث میں اسی مفہوم کی صراحت یوں ہے کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی راوی ہیں کہ حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے میرے چچا! اپنی جگہ ٹھیرے رہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ہجرت ختم کر دی ہے۔ جیسا کہ مجھ پر انبیا کو ختم کر دیا ہے۔“ (طبرانی، ابو نعیم، ابویعلیٰ، ابن عساکر اور ابن النجار نے روایت کیا)

دیکھئے خود حضرت رسالت پناہ ﷺ نے ختم نبوت کو ختم ہجرت کی تمثیل میں پیش فرما کر بحث کا خاتمہ فرمادیا۔ کسی ادنیٰ سمجھ بوجھ والے آدمی پر بھی یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ حضرت عباسؓ کے خاتم المہاجرین ہونے کو اُن سے پہلے مہاجرین کے دنیا میں باقی رہنے کا مخالف یا معارض سمجھے یا حضرت عباسؓ پر ختم ہجرت کا یہ مطلب قرار دے کہ اُن سے پہلے کے سب مہاجرین مر چکے۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آیت کریمہ : **وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ - (الاحزاب: ۷)** کی تفسیر میں فرمایا : ”میں خلقت میں سب انبیاء سے پہلے اور بعثت میں سب کے آخر میں ہوں۔“ اس حدیث نے بھی خاتم النبیین کے معنی کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت دنیا میں سب سے آخر میں ہوئی نہ یہ کہ آپ ﷺ سے پہلے سارے انبیائے کرام وفات پا چکے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ کے نزول سے متعلق احادیث میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ آپ اس دنیا میں جب دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ امام کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور شریعت محمدی ﷺ کی پیروی کریں گے۔

انکار ختم نبوت کی سزا

قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور اقوال آئمہ و مفسرین ختم نبوت کے اس اجماعی عقیدے پر نہ صرف کلی طور پر متفق ہیں بلکہ اس سے انکار کرنے اور آیت خاتم النبیین کی خلاف اجماع تاویل کرنے کو قابل تعزیر جرم قرار دیتے ہیں۔ سید محمد آلوسی بغدادیؒ اپنی مشہور و مستند تفسیر روح المانی میں حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے خلاف شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”اور آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس عالم میں وصف نبوت کے ساتھ متصف ہونے کے بعد وصف نبوت کا پیدا ہونا بالکل منقطع ہو گیا۔ جن و انس میں سے

کسی میں اب یہ وصف پیدا نہیں ہو سکتا اور یہ مسئلہ ختم نبوت اس عقیدے سے ہرگز معارض نہیں، جس پر امت نے اجماع کیا ہے، اور جس میں احادیث شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں، اور شاید درجہ تو اتر معنوی کو پہنچ جائیں، اور جس پر قرآن نے تصریح کی ہے، اور جس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے منکر مثلاً فلاسفہ کو کافر سمجھا گیا ہے، یعنی آخر زمانے میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے اس عالم میں نبوت ملنے سے پہلے وصف نبوت کے ساتھ متصف ہو چکے تھے۔

اسی آیت کی شرح کرتے ہوئے علامہ آلوسیؒ مزید فرماتے ہیں :

”اور آنحضرت ﷺ کا آخر النبیین ہونا ان مسائل میں سے ہے جن پر قرآن بول اٹھا، اور جس پر احادیث نے صاف صاف تقریر کی اور جس پر امت نے اجماع کیا اس لئے اس کے برخلاف دعویٰ کرنے والے کو کافر سمجھا جائے گا، اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے گا۔“

حجت الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہ، جو علوم ظاہرہ و باطنہ کے مسلم امام ہیں، آیت خاتم النبیین کی تفسیر میں ایک ایسا مضمون تحریر فرماتے ہیں کہ گویا قادیانی فتنہ ان پر منکشف ہو گیا تھا۔ اسی کی رد کیلئے یہ الفاظ لکھے ہیں :

”خوب سمجھ لو کہ تمام امت نے خاتم النبیین کے الفاظ سے یہی سمجھا ہے کہ یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول۔ اور اس پر بھی اجماع و اتفاق ہے کہ نہ اس آیت میں کوئی تاویل ہے، اور نہ تخصیص اور جس شخص نے اس آیت میں کسی قسم کی تخصیص کے ساتھ کوئی تاویل کی اس کا کلام ایک بکواس و ہڈیان ہے، اور یہ تاویل اس کے اوپر کفر کا حکم کرنے سے روک نہیں سکتی کیونکہ وہ اس نص صریح کی تکذیب کرتا ہے جس کے متعلق امت محمد ﷺ کا اتفاق ہے کہ اس میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں۔“

امام حدیث علامہ شاطبیؒ جو آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف امام ہیں، اپنی کتاب ”اعتصام“ میں ان لوگوں کی ایک مختصر فہرست شمار کرتے ہیں جنہوں نے نبوت یا وحی یا عصمت کا دعویٰ کیا اور امت کے اجماع نے ان کو واجب القتل سمجھا۔ اسی سلسلہ میں امام موصوف نے فازازی نام کے ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

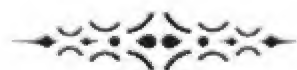
اس نے بہت سے ایسے شعبہ بے بھی دکھائے جو کرامت یا خارق عادت سمجھے جاتے ہیں۔ عوام ہر زمانے میں عجائب پرست ہوتے ہیں چنانچہ اس وقت بھی ایک گروہ اس کے ساتھ ہو گیا۔ یہ شخص بھی مرزا غلام احمد کی طرح اتباع قرآن کا مدعی تھا اس لئے اس نے آیت خاتم النبیین کی ایسی تاویلات شروع

کیس جن کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کی گنجائش نکل آئے مگر علمائے وقت نے اس کے دعوے اور تاویلات کو اتفاق رائے سے کفر والحاد قرار دیا چنانچہ اس زمانے کے امام مقتدر شیخ المشائخ ابو جعفر ابن زبیر کے فتوے پر اس کو قتل کر دیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کو اپنی اولاد پر مطلع فرمایا آدم ان میں دیکھ رہے تھے کہ بعض بعض پر فضیلت رکھتے ہیں پس ان سب سے نیچے کی جانب میں ایک نور دیکھا عرض کیا، اے پروردگار یہ کون ہے؟ ارشاد ہوا یہ آپ کے بیٹے احمد ہیں۔ وہی سب سے پہلے نبی ہیں، اور وہی سب سے آخری ہیں، اور قیامت کے روز سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور مقبول الشفاعت ہوں گے۔ (کنز العمال)

(ماخوذ سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر لاہور)

www.ahlehaq.org



درود شریف کے فضائل و مسائل

درود شریف کے فضائل اور اس سے متعلق احکام پر بڑے بڑے علماء و مقتدین و متاخرین نے مفصل کتابیں لکھی ہیں۔ اس رسالہ میں انہی کا ایک حصہ عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے آسان زبان میں لکھا جاتا ہے۔

درود شریف کے معاملہ میں سب اہم قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور عظمت شان کا خاص مظہر ہے۔ جس میں اول یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رسول کریم ﷺ پر ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں اور پھر عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجا کریں۔

اس میں صلوٰۃ (درود) کی نسبت جو حق تعالیٰ کی طرف ہے اس کے معنی رحمت و شفقت کے ساتھ اعزاز و اکرام ہے اور فرشتوں کے درود کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لئے مزید رحمت و برکت کی دعا کرتے ہیں اور مسلمانوں کو یہ رہنمائی دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مزید رحمت و اعزاز کی دعا کرتے رہیں۔

اس دعا کا طریقہ صحابہ کرامؓ نے خود رسول اللہ ﷺ تعالیٰ سے دریافت کر لیا تھا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو چیزوں کا حکم دیا ہے، ایک صلوٰۃ دوسرے سلام۔ سلام کا طریقہ تو التحیات (نماز) میں ہمیں بتلادیا ہے ؛ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ لیکن صلوٰۃ کا طریقہ ہمیں معلوم نہیں، وہ بتلادیتے۔ آنحضرت ﷺ تعالیٰ نے فرمایا کہ صلوٰۃ کے لئے یہ الفاظ پڑھا کرو :

اللهم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراہیم
وعلی ال ابراہیم انک حمید مجید ، اللهم بارک علی محمد
وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی ال ابراہیم انک
حمید مجید °

اس لئے التحیات کے بعد نماز میں اسی درود شریف کا پڑھنا سنت قرار دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مسلمانوں پر رسول کریم ﷺ کے احسانات عظیمہ کا تقاضہ یہ تھا کہ مسلمان اپنی طرف سے اس احسان عظیم کا کوئی بدلہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے۔ لیکن اس درود شریف میں جو الفاظ مسلمانوں کو تلقین کئے گئے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اپنی طرف سے حضور ﷺ کو کوئی تحفہ پیش کرنے کے بجائے اللہ جل شانہ سے یہی درخواست کریں کہ وہی اپنے رسول ﷺ پر مزید رحمت نازل فرمائیں۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کا مقام اتنا بلند ہے کہ تمام امت مل کر بھی آپ ﷺ کے شایان شان کوئی تحفہ پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتی جو آپ ﷺ کے احسانات کا کچھ بدل ہو سکے۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے درخواست اور دعا کریں کہ وہی اپنی شان کے مطابق مزید رحمت و لطف و کرم کا معاملہ ہمارے محسن اعظم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فرمائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہماری اس درخواست و دعا کی حاجت نہیں، بلکہ اس کا سارا فائدہ بھی ہمیں ہی پہنچتا ہے جس کا ذکر روایت حدیث میں آگے آنے والا ہے۔

درود شریف رسول کریم ﷺ کا خصوصی اعزاز ہے

رسول کریم ﷺ پر درود و سلام کا تاکید حکم اور اس کے فضائل و برکات جس طرح قرآن اور شریعت اسلام میں آئے ہیں، یہ پچھلی کسی امت و شریعت میں نہیں ہیں، یہ حکم ہمارے رسول کریم ﷺ کی ان خصوصیات میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انبیاء میں امتیاز خاص عطا فرمایا ہے۔

درود شریف کس وقت فرض واجب ہو جاتا ہے؟

امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس طرح کلمہ توحید کا کم از کم ایک مرتبہ زبان سے ادا کرنا فرض ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر درود شریف بھی فرض ہے۔ اور جس وقت رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک لیا جائے تو بولنے والے اور سننے والے ہر شخص پر درود شریف پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔

حدیث : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔“

(ترمذی و قال حدیث حسن)

حدیث :

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔“

(ترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

اور نماز میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔

وہ خاص اوقات جن میں درود شریف مستحب ہے

- ☆ جب انسان کسی مجلس میں بیٹھے تو درود شریف پڑھنا چاہئے۔ (حسن حصین)
- ☆ ہر دعا کے لول و آخر میں بھی درود شریف پڑھنا مستحب اور دعا کی مقبولیت کے لئے مؤثر ہے۔ (حسن حصین)
- ☆ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت بھی درود شریف مستحب ہے۔
- ☆ اذان کے بعد بھی درود شریف پڑھنا چاہئے۔ (مسلم و ترمذی)
- ☆ وضو کے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔
- ☆ ہر کتاب اور تحریر کے شروع میں بسم اللہ اور الحمد کے بعد درود شریف سنت ہے۔
- ☆ تہجد کے لئے نیند سے اٹھنے کے وقت بھی درود شریف سنت ہے۔
- ☆ مصائب اور آفات کے وقت بھی درود شریف مسنون اور سب مشکلات کا حل ہے۔ (زاد اسعد)

درود شریف کے الفاظ

اوپر حدیث گزر چکی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ جب قرآن میں مسلمانوں کو درود شریف کا حکم دیا گیا تو صحابہ کرامؓ نے خود اپنی رائے سے اس کے کلمات تجویز نہیں کئے، بلکہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کئے اور آپ ﷺ نے مخصوص کلمات کی تلقین فرمائی۔

اس کے علاوہ دوسری احادیث میں کچھ دوسرے الفاظ بھی حضور ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو الفاظ خود رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں ان کی خاص اہمیت ہے اس لئے بہتر اور افضل یہی ہے کہ خارج نماز بھی جو درود شریف پڑھا جائے اس میں رسول اللہ ﷺ ہی کے بتلائے ہوئے الفاظ کو اختیار کیا جائے لیکن اپنی طرف سے بھی اگر ان الفاظ کے ساتھ رسول مقبول ﷺ کی کچھ صفات

وغیرہ کا اضافہ کر دیا جائے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں جیسا کہ سلف صالحین اور اولیاء امت سے بہت سے کلمات منقول ہیں۔ لیکن اتنی بات بہر حال ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ پر درود و سلام کے معاملہ میں خاص احتیاط لازم ہے۔ اپنی طرف سے ایسے طریقے اور ایسے الفاظ اختیار کرنا جو نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں نہ صحابہ کرام سے ایک غلط طریقہ ہے جس میں بسا اوقات نیکی برباد گناہ لازم ہو جاتا ہے۔

فضائل درود شریف

حدیث : صحیح مسلم و ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائیں گے۔“
حدیث : عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :
”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ کم بھیجو یا زیادہ۔“ (علامہ سخاوی)

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص گناہوں میں یا دنیوی آفتوں میں مبتلا ہو اور کوئی تدبیر و علاج کارگر نہ ہو اس کو چاہیے کہ درود شریف کا ورد کثرت سے کرے کیونکہ حدیث مذکور کے وعدہ کے مطابق ایک درود پر اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہوں گی۔ تو جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھے گا اس پر اسی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں متوجہ ہوں گی، ناممکن ہے کہ اتنی رحمتوں کے سایہ میں اس کی مشکلات دور نہ ہوں۔

حدیث : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :
”جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اس کو چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے۔ اور جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف فرمائے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔“
(مسند احمد نسائی از ترغیب)

حدیث : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

”قیامت کے دن سب سے زیادہ وہ میرے قریب شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجنے والا ہے۔“ (ترمذی ابن حبان من القول البدیع للسخاوی)

علامہ سخاوی نے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ تین آدمی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے، جس دن اس کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا۔ ایک وہ شخص جو کسی مصیبت زدہ کی مصیبت ہٹا دے دوسرے وہ جو میری سنت کو زندہ کرے تیسرے وہ جو میرے اوپر کثرت سے درود بھیجے۔

علامہ سخاویؒ نے ”قوت القلوب“ سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم مقدار تین سو مرتبہ ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحبؒ دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ”فضائل درود شریف“ میں نقل کیا ہے کہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ بھی اپنے مریدین کو تین سو مرتبہ درود شریف بتایا کرتے تھے۔

علامہ نے حدیث مذکور کی بناء پر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ سے نزدیک تر حضرات محدثین ہوں گے کیونکہ ان کا دن رات کا شغل ہی حدیث رسول بیان کرنا اور لکھنا ہے جس میں بار بار حضور ﷺ کا نام مبارک آتا ہے اور ہر مرتبہ نام مبارک کے ساتھ درود شریف پڑھتے اور لکھتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ نے ”زاد السعید“ میں بروایت طبرانی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ :

”جو شخص مجھ پر درود بھیجے کسی کتاب میں (یعنی لکھے) ہمیشہ فرشتے اس پر درود شریف بھیجتے رہیں گے جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا۔“

حدیث : حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ :

”اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں درود میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔“ (نسائی، ابن حبان، احمد، حاکم وقال الحاکم صحیح الاسناد)

حضرت حسنؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

”تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو۔ بے شک تمہارا اور میرے پاس پہنچتا رہتا ہے اور میں اس کے بدلہ میں تم پر درود بھیجتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کے لئے دس نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں۔“

حدیث : علامہ سخاویؒ نے ”القول البدیع“ میں بروایت شعب الایمان، بیہقی یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھتا ہے میں خود اس کا درود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔“

بعض روایات میں ہے کہ درود بھیجنے والے کا نام مع ولدیت آپ ﷺ کے پاس پہنچایا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں آپ ﷺ پر درود بھیج رہا ہے۔

اور دوسری روایات حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ ہر ایک کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ کون سی عزت و عظمت ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے سلام کا جواب دیں۔ بعض بزرگوں کے واقعات میں تو یہ بھی منقول ہے کہ اپنے سلام کا جواب انہوں نے خود اپنے کانوں سے سن لیا۔

علاقہ کابل کے ایک مشہور بزرگ بناء پاکستان کی ابتدا میں کراچی تشریف لے آئے تھے، مجھ پر بڑا کرم فرماتے تھے انہوں نے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ میں مسجد نبوی ﷺ میں معتکف تھا میں نے دیکھا کہ نصف شب کے بعد ایک شخص تکرونی آئے اور روضہ اقدس ﷺ کے سامنے پہنچ کر سلام عرض کیا تو روضہ اقدس ﷺ کے اندر سے جواب سلام کی آواز آئی جس کو میں نے اپنے کانوں سے سنا اور ہر رات یہی سلسلہ میں دیکھتا رہا۔

حدیث : حضرت ابی ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ:

”رسول اللہ! میں آپ پر کثرت سے درود شریف بھیجنا چاہتا ہوں تو اس کی مقدار اپنے اوقات دعا میں سے کتنی مقرر کر دوں“، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”جتنا تم چاہو کر سکتے ہو۔“

میں نے عرض کیا کہ ”اوقات دعا میں سے ایک چوتھائی درود شریف کے لئے مقرر کر لوں تو کیسا ہے؟“، فرمایا کہ ”چوتھائی بھی کافی ہے اور زیادہ کر لو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے“، تو میں نے عرض کیا کہ، ”نصف؟“، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اختیار ہے مگر زیادہ کر لو تو زیادہ بہتر ہے“، تو میں نے عرض کیا کہ، ”دو تہائی وقت درود شریف میں صرف کر دوں“، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہیں اختیار ہے اور اگر زیادہ کر لو تو زیادہ بہتر ہے“، میں نے عرض کیا، ”تو اب میں اپنی دعا اور وظیفہ کا پورا وقت درود شریف میں صرف کروں گا۔“ حضور ﷺ نے

فرمایا، ”اگر تم نے ایسا کر لیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کا کفیل ہو جائے گا اور تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دیا جائے گا۔“ (ترمذی)

حدیث : حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : ”جو شخص صبح کو دس مرتبہ اور شام کو دس مرتبہ مجھ پر درود بھیجے گا وہ قیامت کے روز میری شفاعت پائے گا۔“ (طبرانی باسناد وحید از القول البدیع)

حدیث : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : ”جس شخص کے پاس صدقہ خیرات کرنے کے لئے مال نہ ہو اس کو چاہئے کہ اپنی دعا میں یہ درود شریف پڑھا کرے :

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ ط

”یا اللہ! رحمت بھیجے اپنے بندے اور رسول محمد (ﷺ) پر اور رحمت بھیجے تمام ایمان والے مردوں اور عورتوں پر اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر۔“

ارشاد فرمایا کہ ”یہ درود شریف اس کے لئے صدقہ و خیرات کے قائم مقام ہو جائے گا۔“ (ابن حبان فی صحیحہ از القول البدیع)

درود شریف کے بعض خواص

سیدی حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے اپنی کتاب ”زاد السعید“ میں درود شریف کی بعض خصوصیات اور دینی و دنیوی مقاصد کے حصول میں اس کی برکات مستند روایات سے نقل فرمائی ہیں جو یہ ہیں :

قبولیت دعا

(۱) حضرت علی مرتضیٰؑ فرماتے ہیں کہ تمام دعائیں رکی رہتی ہیں جب تک محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ پڑھو۔ (معجم، اوسط، طبرانی)

(۲) حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے اوپر نہیں جاتی جب تک اپنے نبی ﷺ پر درود نہ پڑھو۔ (ترمذی)

مال میں برکت و زیادتی

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کو یہ منظور ہو کہ میرا مال بڑھ جائے تو اس کو چاہئے کہ ان الفاظ کے ساتھ درود پڑھا کرے۔

اللهم صلی علی محمد عبدک ورسولک وصلی علی المومنین
والمومنات والمسلمین والمسلمات °

پاؤں سو جانے کا علاج

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اس کا پاؤں سو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص تجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اس کا نام لے لو۔ اُس نے کہا ”محمد ﷺ“ اُسی وقت سُن اُتر گئی۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا پاؤں سو گیا۔ انھوں نے بھی یہی عمل کیا فوراً سُن اُتر گئی۔ (حاشیہ حسن حصین)

بھولی ہوئی چیز یاد آنا

ابوموسیٰ مدینی نے بسند ضعیف روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ مجھ پر درود بھیجو، وہ چیز یاد آ جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (فضائل درود و سلام)

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت

درود شریف کی سب سے زیادہ لذیذ اور شیریں تر خاصیت یہ ہے کہ اس کی بدولت رسول ﷺ کی زیارت خواب میں نصیب ہوتی ہے۔ درود شریف کی کثرت سے عموماً یہ دولت نصیب ہو جاتی ہے اور بعض درودوں کو بالخصوص بزرگوں نے آزمایا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کتاب ”ترغیب اہل السعادات“ میں لکھا ہے کہ شب جمعہ میں دو رکعت نماز نفل پڑھے اور ہر رکعت میں گیارہ بار آیتہ الکرسی اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ اور بعد سلام سو بار یہ درود شریف پڑھے، انشاء اللہ تعالیٰ تین جمعے نہ گزرنے پائیں گے کہ زیارت نصیب ہوگی۔ وہ درود شریف یہ ہے :

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَإِلَيْهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ °

نیز شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد الحمد کے ۲۵ بار قل هو اللہ اور بعد سلام ایک ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھے، دولت زیارت نصیب ہوگی۔ وہ درود یہ ہے :

صَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ °

تنبیہ ضروری

مگر اس دولت کے حاصل ہونے کی بڑی شرط قلب کا شوق سے پُر ہونا اور ظاہری و باطنی گناہوں سے بچنا ہے۔ (فضائل درود و سلام)

www.ahlehaq.org



اہل علم کے لئے دعوت فکر و عمل

زیر نظر مضمون میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی وہ عبارات جمع کی گئی ہیں جن میں انہوں نے اہل علم حضرات سے ان کی شرعی مسؤلیت کے تحت ہمدردانہ گزارشات کی ہیں۔ جو اہل علم کو دعوت فکر و عمل دے رہی ہیں۔

اجتہادی مسائل اور ہماری ذمہ داری

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اجتہادی مسائل اور ان کے اختلاف جن میں ہم اور عام اہل علم الجھتے رہتے ہیں اور علم کا پورا زور اس پر خرچ کرتے ہیں۔ ان میں صحیح اور غلط کا فیصلہ دنیا میں تو کیا ہوتا میرا گمان تو یہ ہے کہ محشر میں بھی اس کا اعلان نہیں ہوگا۔ کیونکہ رب کریم نے جب دنیا میں کسی امام مجتہد کو باوجود خطا ہونے کے ایک اجر و ثواب سے نوازا ہے اور ان کی خطا پر پردہ ڈالا ہے۔ تو اس کریم الکرماء کی رحمت سے بہت بعید ہے کہ وہ محشر میں اپنے مقبولان بارگاہ میں سے کسی کی خطا کا اعلان کر کے اس کو رسوا کریں۔

امام حدیث حافظ شمس الدین ذہبی نے فرمایا کہ جس مسئلہ میں صحابہ و تابعین کا اختلاف ہو گیا وہ اختلاف قیامت تک مٹایا نہیں جاسکتا۔ (وحدت امت ص ۲۱)

اہل اجتہاد اور جدید مجتہدین

امام شافعیؒ کے کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ کوئی مجتہد دوسرے مجتہد کو خطا وار نہ قرار دے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے وہ فرض ادا کر دیا جو اس کے ذمہ تھا۔ یعنی اس کے اجتہاد اور قیاس کے شرائط موجود ہوں اور اہل اجتہاد کے نزدیک اس کو اجتہاد کا حق حاصل ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو مختلف آراء کا یہ احترام کہ ان میں سے کسی کو منکر نہ کہا جائے اور اس کے کہنے ماننے والوں کو خطا وار نہ کہا جائے۔ یہ صرف اس صورت میں ہے کہ اجتہاد صحیح اس کی شرائط کے مطابق ہو۔

آج کل کا سا جاہلانہ اجتہاد نہ ہو کہ جس کو عربی زبان بھی پوری نہیں آتی اور قرآن و حدیث سے اس کا رابطہ کبھی نہیں رہا۔ اردو انگریزی ترجموں کے سارے قرآن و حدیث پر مشق شروع کر دی ایسا اجتہاد خود ایک گناہ عظیم ہے۔ اور اس سے پیدا ہونے والی رائے دوسرا گناہ اور گمراہی اور خلاف و مشتاق ہے جس پر نکیر واجب ہے۔ (وحدت امت ص ۲۴)

تجاوز عن الحدود

اجتہادی مسائل میں اختلاف کے حدود کو توڑ کر تفرق و تشتت اور جنگ و جدل اور ایک دوسرے کے ساتھ تم خسر و استہزات تک پہنچ جانا جو کسی شریعت و ملت میں روا نہیں اور افسوس ہے کہ یہ سب کچھ خدمت علم دین کے نام پر کیا جاتا ہے۔ اور جب یہ معاملہ ان علماء کے متبعین عوام تک پہنچتا ہے تو وہ اس لڑائی کو جہاد قرار دیکر لڑتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کا جہاد خود اپنے ہی دست بازو سے ہونے لگے اس کو کسی غنیم کی مدافعت اور کفر و الحاد کے ساتھ جنگ کی فرصت کہاں؟

قرآن و حدیث میں اسی تجاوز عن الحدود کا نام تفرق ہے جو جائز اختلاف رائے سے الگ ایک چیز ہے۔ (وحدت امت میں ۳۰)

اہل علم کے لئے لمحہ فکریہ

ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پر ہے۔ اعمال و اخلاق برباد ہیں، معاہدات میں فریب ہے، سودقمار بازی، شراب، خنزیر بے حیائی بدکاری ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر چھا گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انبیاء کے جائز وارث اور ملک و ملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا غصہ آتا ہے۔ اس سے آدھا بھی ان خدا کے باغیوں پر کیوں نہیں آتا، اور آپس کے نظریاتی اختلاف کے وقت جس جوش ایمانی کا ظہور ہوتا ہے، وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا۔

ہمارا زور زبان اور زور قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے اس کا کوئی حصہ سرحدات اور اصول ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلہ میں کیوں صرف نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل ہم سب بنیان مرصوص کیوں نہیں بن جاتے؟

کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا طریقہ اور پیغمبرانہ دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں۔ (وحدت امت ص ۴۳)

دین و مذہب کے نام پر کام کرنے والوں کی اول تو تعداد ہی کم ہے اور جو ہے وہ قرآن و سنت کی بنیادی تعلیمات سے اغماض کر کے جزوی اور فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکہ جہل بنا ہوا ہے جس کے پیچھے غیبت، جھوٹ، ایذائے مسلم، افترا و بہتان، تمسخر و استہزاء جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ دین کے نام پر خدا کے گھروں میں جدال و قتال اور لڑائیاں ہیں، نوبت پولیس اور عدالتوں تک پہنچی ہوتی ہے۔

ان دینداروں کو خدا اور رسول پر استہزاء کرنے والوں، شراب پینے والوں، سودا و رشوت کھانے والوں سے وہ نفرت نہیں، جو ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں سے ہے۔ (وحدت امت ص ۵۳)

اہل علم کے لئے راہ عمل

۱۔ حضرات علماء سے میری ہمدردانہ گزارش یہ ہے کہ سب سے پہلے تو اپنے دلوں میں اس کا عہد کریں کہ اپنی علمی و عملی صلاحیت اور زبان و قلم کے زور کو زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں گے جس کی حفاظت کے لئے قرآن و حدیث آپ کو بلارہے ہیں اور اس کام کے لئے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں گے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے اپنے حلقہ درس اور تصنیف و تالیف اور فتویٰ تک محدود رکھیں گے۔ عوامی مجلسوں، اخباروں، اشتہاروں، باہمی مناظروں اور جھگڑوں کے ذریعہ ان کو نہ اچھالیں گے۔ ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصول و دعوت و تبلیغ کے تابع دل خراش عنوان اور طعن و تشنیع، استہزاء تمسخر اور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لئے دلنشین عنوان اور مشفقانہ لب و لہجہ کے ساتھ کام شروع کر دیں گے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ الحاد و بے دینی اور تحریف قرآن و سنت کے مقابلہ کے لئے پیغمبرانہ اصول و دعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں، مشفقانہ و ناصحانہ بیانات اور دلنشین دلائل کے ذریعہ مجادلہ بالقیاسی احسن کے ساتھ اپنے زور بیان اور زور قلم کو وقف کر دیں گے۔ (وحدت امت ص ۴۴)

دور حاضر کے اہل علم کی اہم ذمہ داری

ائمہ مجتہدین نے اپنی مقدور بھر کوششیں اور عمریں قرآن کریم و حدیث نبوی ﷺ کے سمجھنے اور ان ہر دو ماخذوں سے احکام اور ان کی علل و غایات استنباط کرنے میں اور غیر منصوص مسائل کے احکام ان سے اخذ کرنے میں صرف کیں، بالاخر ان برگزیدہ نفوس کی سعی و کوشش سے ایک عظیم ذخیرہ احکام و قوانین ظہور پذیر ہو گیا۔ جس کو فقہ اسلامی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

فقہ اسلامی میں ہمارے اس زمانہ کی پیشتر ضروریات کا حل موجود ہے لیکن جدید تمدن اور صنعتی انقلاب نے اس زمانہ میں نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ معاملات، معاشیات، اور اقتصادیات کے سلسلے میں سینکڑوں ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جو حل طلب ہیں اور علماء امت کو دعوت فکر دے رہے ہیں کہ وہ، فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کا حل پیش کریں۔ (بیرہ زندگی ص ۴۸)

فقہی مسائل میں اجتہادی غور فکر کا سلسلہ قرن اولیٰ سے چلا آتا ہے۔ جن مسائل میں قرآن و سنت کے اندر کوئی نص صریح نہیں ہے ان میں قرآن و سنت ہی کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق احکام شریعہ معلوم کرنے کے لئے خود رسول اللہ ﷺ نے ایک زرین ہدایت نامہ دیا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ :

”میں نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ ﷺ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس کا حکم قرآن و سنت میں مذکور نہیں تو اس میں ہمارے لئے کیا ارشاد ہے؟“، آپ ﷺ نے فرمایا، ”اس میں فقہاء اور عابدین سے مشورہ کر کے کوئی رائے قائم کرو، انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو“۔

اسی حدیث کے مقتضیات پر عمل کرتے ہوئے مختلف زمانہ میں علماء امت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ نئے پیش آنے والے احکام دینیہ خصوصاً اجتماعی نوعیت کے مسائل میں باہمی غور و فکر مشورہ اور بحث و تمحیص کے بعد کوئی فتویٰ دیتے تھے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا عمل بھی اسی پر تھا۔

فقہی مسائل کی تحقیق کے لئے انہوں نے ماہر ”فقہاء عابدین“ کی جو مجلس بنائی ہوئی تھی اس کا مقصد بھی یہی تھا۔ مغلیہ حکومت کے دور میں ”فتاویٰ عالمگیریہ“ جیسی عظیم الشان کتاب بھی اسی طرح مرتب ہوئی۔

مشین کی ایجاد کے بعد حالات نے جو پلٹا کھایا ہے اس سے زندگی کا کوئی گوشہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اس سے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں انقلابی تبدیلی پیدا کی ہیں اور ہر علم و فن میں نئے مسائل پیدا کر کے تحقیق و تفتیش کے نئے میدان کھولے ہیں۔ اسی ضمن میں ایسے بے شمار فقہی مسائل بھی پیدا ہو گئے ہیں جن کا صریح حکم قرآن و سنت یا فقہا امت کے کلام میں موجود نہیں اور ان کا حل تلاش کرنے کے لئے فقہ اور اصول فقہ کی روشنی میں تحقیق و نظر کی ضرورت ہے۔ (انسانی اعضاء کی پیوند کاری ص ۴)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل علم کو اس اہم ذمہ داری سے عہدہ براہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی تمام تر صلاحیتیں مقبول خدمات دینیہ میں صرف کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین

(البلاغ ، کراچی)

www.ahlehaq.org



شبِ برأت

رُسوم و رواج کی حیثیت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہ

قدیم زمانہ سے دستور ہے کہ ہر ملک ہر شہر بلکہ ہر گاؤں میں ہر قسم کی تجارت کے لئے خاص خاص بازار (پینٹھ) قائم کئے جاتے ہیں۔ میلے اور نمائشیں منعقد کی جاتی ہیں جس کی غرض تجارت کی ترقی اور عام لوگوں کے حوائج کا بآسانی پورا ہونا ہے۔ تجارت پیشہ حضرات ان ایام و مواسم کو اہتمام کے ساتھ یاد رکھتے ہیں ان کے لئے پہلے سے تیاریاں کرتے ہیں اور انہیں ایام کو تجارت کی ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔

پھر یہ بازار کہیں روزانہ صبح و شام کھلتے ہیں اور کبھی ہفتہ وار یا ماہوار اور زیادہ مہتمم بالشان نمائشیں سالانہ ہوتی ہیں اسی طرح سمجھئے کہ ہر انسان شریعت کی نظر میں ایک تاجر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

كُلْ يَغْدُوْ فَبَاعْ نَفْسَهٗ فَمَعْتَقَهَا اَوْ مَوْ بَقَهَا

”ہر شخص صبح کو اٹھتا ہے تو اپنے نفس کو فروخت کرتا ہے پھر کوئی اس کو آزاد کر لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر ڈالتا ہے۔“

دنیوی تجارت گاہیں اگر بازار ہیں جن کو حدیث میں بغض البقاع (سب سے زیادہ مبغض اور بری جگہ) فرمایا گیا ہے۔ تو اس دینی تجارت کی جگہ مسجدیں ہیں جن کو احب البقاع (سب سے زیادہ محبوب جگہ ۱۲) کا خطاب دیا گیا ہے۔ صبح شام جب کہ ہر شخص اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتا ہے تو اس منڈی کے ہوشیار تاجر اپنی دکانیں احب البقاع میں جا لگاتے ہیں۔

علی الصباح چو مردم بکار و بار روند

بلاکشان محبت بکوئے یار روند

اس غیر محسوس تجارت کے لئے بھی ہفتہ وار، ماہوار اور سالانہ نمائشیں مقرر ہیں جن پر اس تجارت کا جزو مد اور ترقی و تنزلی موقوف ہے۔

سب سے بڑی سالانہ نمائش رمضان المبارک میں ہوتی ہے جو تمام مہینہ رہتی ہے اور جس میں لیل و نہار بازار گرم رہتا ہے مال کی نکاسی زیادہ اور ہر چیز کی قیمت ستر گنا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اٹھتی ہے۔ بازاروں کو صاف و آراستہ رکھا جاتا ہے اس بازار کے تمام خس و خاشاک (یعنی شیاطین کو ایک طرف کر دیا جاتا ہے اور چھوٹی نمائش ہفتہ وار ہوتی ہے جس کو جمعہ کہا جاتا ہے (بخاری و مسلم ۱۳) اور شاید حدیث ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے :

اذا سلمت الجمعة سلمت الايام واذا سلم رمضان سلمت السنة . (از تفسیر درمنثور)

”جب جمعہ کا دن سلامتی سے گزر جائے تو سمجھو کہ ہفتہ کے باقی کے دن بھی سالم رہیں گے اور جب ماہ رمضان سلامتی سے گزر جائے تو سمجھ لو کہ سارا سال سلامتی سے گزرے گا۔“

لیلۃ البرأت یا شبِ برأت

ان دونوں (جمعہ و رمضان) کے علاوہ وسط سال میں مختلف مہینوں میں چھوٹی بڑی نمائشیں ہوتی ہیں جن میں سے ایک لیلۃ البراءۃ بھی ہے۔ برأت کے معنی لغت میں بری ہونے کے ہیں اس رات میں چونکہ گنہگاروں کی مغفرت اور مجرموں کی برأت ہوتی ہے اس لئے شبِ برأت کہتے ہیں اور پھر کثرت استعمال سے شبِ برأت زبان زد ہو گیا اور یہ شعبان کی پندرہویں رات ہے جو چودہ تاریخ کی شام سے شروع ہوتی ہے۔ اس مبارک رات میں بھی اخروی تجارت کی ایک بڑی نمائش ہوتی ہے۔ احادیث نبویہ ﷺ اس کے فضائل و برکات کی شاہد ہیں۔

حدیث (۱) : نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

”اللہ تعالیٰ نصف شعبان کو رات میں اپنی تمام مخلوق کی طرف ایک خاص توجہ فرماتے ہیں اور مشرک اور کینہ و رآدمی کے سوا سب کی مغفرت فرمادیتے ہیں اور اس مضمون کو امام احمدؒ نے مسند میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت سے بھی نقل کیا ہے۔ (ترغیب و ترہیب ص ۲۱۰)

حدیث (۲) : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ :

۱۔ یہ حدیث طبرانی نے اور ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے نقل کی ہے۔

”ایک رات آنحضرت ﷺ تہجد کے لئے کھڑے ہوئے، نماز شروع کی اور سجدے میں پہنچے تو اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ خطرہ ہو گیا کہ خدا نخواستہ آپ ﷺ کی روح قبض ہو گئی ہے یہاں تک کہ میں پریشان ہو کر اٹھی اور پاس جا کر آپ ﷺ کے انگوٹھے کو حرکت دی تو آپ ﷺ نے کچھ حرکت فرمائی جس سے مجھے اطمینان ہو گیا اور میں اپنی جگہ لوٹ آئی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو (تھوڑے کلام کے بعد) فرمایا تم جانتی ہو کہ یہ کون سی رات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ خداوند عالم اس رات خاص طور سے اہل عالم کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور مغفرت مانگنے والوں کی مغفرت اور رحم کی دعا کرنے والوں پر رحم فرماتے ہیں مگر آپس میں کینہ رکھنے والوں کو (اس وقت بھی) اپنے ہی حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ (از ترغیب و ترہیب)

حدیث (۳) : ابن ماجہ نے حضرت علیؓ سے روایہ کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ : ”جب نصف شعبان کی رات آئے تو رات کو جاگو اور نماز پڑھو اور دن کو روزہ رکھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس رات کو غروب آفتاب کے وقت سے، نیچے آسمان پر بجلی فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ ہم اس کی مغفرت کر دیں، ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ ہم اسے رزق دیں۔ یہ صلائے عام اسی طرح برابر جاری رہتی ہے یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔“ (کذا فی الترغیب ص ۲۱۰)

احادیث مذکورہ کا خلاصہ اور شبِ برأت کے مسنون اعمال

- ان احادیث سے جس طرح اس مبارک رات کے بیش بہا فضائل و برکات معلوم ہوئے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے اس رات میں اعمال ذیل مسنون ہیں:
- ۱۔ رات کو جاگ کر نماز پڑھنا اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہنا۔
 - ۲۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور عاقبت اور اپنے مقاصد دارین کی دعا مانگنا۔
 - ۳۔ اس کی صبح کو یعنی پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین سے اس رات میں جاگنا اور اعمال مسنونہ پر عمل کرنا قابلِ اعتماد روایات سے ثابت ہوا ہے جیسا کہ مواہب اللدینہ کے آخر میں لکھا ہے اور ابن حاج کی مدخل ص ۲۸۸ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سلف صالحین اس رات کی تعظیم کرتے اور اس کے لئے پہلے سے تیاریاں کرتے تھے۔

نیز ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل گناہ اس قدر سخت ہیں کہ ان کی نحوست اس مبارک رات کی برکات سے محروم کر دیتی ہے۔ (نعوذ باللہ منها)

- ۱۔ خدا کے ساتھ کسی کو اس کی ذات یا صفات میں شریک سمجھنا۔
- ۲۔ کسی مسلمان بھائی سے کینہ رکھنا۔
- ۳۔ عزیزوں، قریبوں کے جو حقوق ہمارے ذمہ ہیں ان کو ادا نہ کرنا ان سے بدسلوکی کرنا۔
- ۴۔ پانجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔
- ۵۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔
- ۶۔ شرابی ہونا۔
- ۷۔ ظلم سے محصول یا رشوت لینا۔
- ۸۔ جادو کرنا۔
- ۹۔ غیب کی خبریں بتانا، فال نکالنا وغیرہ۔
- ۱۰۔ ہاتھ کے خطوط دیکھ کر غیب کی چیزیں بتانا۔
- ۱۱۔ طبل یا طنبور بجانا۔
- ۱۲۔ چوسر کھیلنا۔

شبِ برأت کی بدعات اور ان کی دینی و دنیوی تباہی

اس مبارک رات کے فضائل و برکات لکھنے کے بعد بڑے افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہماری غفلت و جہالت نے اس کے ثواب کو عذاب سے اور برکات کو دینی و دنیوی نقصانات سے بدل دیا ہے۔ کبھی مسلمان وہ لوگ تھے کہ ہر شرمیں سے کوئی خیر اور ہر برائی میں سے کوئی بھلائی اور نقصان و مضرت کی جگہ سے بھی نفع کمالات تھے۔ اور آج ہماری شامت اعمال نے اس طرح کا یا پلٹ دی ہے کہ ہر بھلائی کی جگہ سے برائی اور نفع کی جگہ سے بھی نقصان ہمارے حصہ میں آتا ہے۔

از قضا سر کا نگیں صفر افزود روغنِ بادام خشکی نے نمود
ابوالعتاہیہؒ نے کیا خوب فرمایا ہے :

اذا كان غير الله في عين الفتى

اتته الراي امن وجوه الفوائد

یعنی جب آدمی کا بھروسہ خدا کے سوا کسی اور پر ہوتا ہے تو فوائد کی جگہ سے بھی اس کو مصائب سامنے آتے ہیں۔ غرض اپنی شومی اعمال کسی برکت کا حصہ نہیں لینے دیتی بلکہ طرح طرح کی بدعتیں اور قبیح رسمیں ایجاد کر کے ہر ایک برکت کو اپنے لئے مصیبت بنا دیتی ہے۔

شبِ برأت بھی ان خرافات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ چھوڑ کر قسم قسم کی لغو رسمیں ایجاد کر لی گئیں ہیں جن کو فرائض کی طرح التزام سے ادا کیا جاتا ہے یعنی جن میں سے بعض یہ ہیں۔

رسمِ آتش بازی اور لاکھوں روپیہ اور بہت سی جانوں کا نقصان

یہ رسم نہ صرف ایک بے لذت گناہ ہے بلکہ اس کی دنیوی تباہیاں بھی ہمیشہ آنکھوں کے سامنے آتی ہیں۔

(۱) ایک تو اپنے مال کا ضائع کرنا اور بے جا اسراف ہے جو دنیا میں بھی علاوہ مذموم ہونے کے ہر قسم کی بربادی ہے اور قرآن کریم ایسے شخص کو شیطان کا بھائی فرماتا ہے آتش بازی پر ہمارے ایک ایک شہر میں قوم کا لاکھوں روپیہ سالانہ ضائع ہوتا ہے۔

افسوس جس قوم کی اقتصادی حالت اس قدر نازک اور خطرناک ہو اور جس کو افلاس نے دوسری قوموں کا غلام بنا کر رکھا ہو اس کا اتنا روپیہ اس طرح فضول اور بیہودہ رسوم میں ضائع ہو تو اس کی قومی زندگی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

(۲) اپنی جان کو اور اپنے بچوں کو اور پاس پڑوس کو خطرہ میں ڈالنا ہے ہر سال صد ہا واقعات اس قسم کے پیش آتے ہیں کہ گھر کے گھر آتش بازی سے تباہ ہو گئے۔

(۳) شبِ برات میں بچوں کو آتش بازی کے لئے پیسے دیئے جاتے ہیں۔ جو بچپن ہی سے انہیں احکامِ الہیہ کی نافرمانی کی تعلیم اور بیہودہ رسوم کا خوگر بنانا ہے جن کے لئے شرعی حکم تھا کہ ابتداء سے بچوں کو علم و عمل کی تعلیم دو۔ اچھی عادتوں کا خوگر بناؤ، گویا (نعوذ باللہ) شرعی حکم کا پورا مقابلہ ہے۔

(۴) یہ خرافات تو ہر جگہ اور ہر وقت بُری ہیں لیکن شبِ برات میں جبکہ رحمتِ خداوندی ہر شخص کو توبہ استغفار کی طرف بلا رہی ہے۔ واہیات کاموں میں مبتلا ہونا درحقیقت اس کی نعمت کا ٹھکرانا ہے (والعیاذ باللہ) اور اسی لئے اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ متبرک مقامات اور مبارک اوقات میں جس طرح نیک عمل کا ثواب بڑھتا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

رسم حلوہ

۱۔ اس کو بھی لازم کر لیا گیا ہے کہ اس کے بغیر سمجھتے ہیں کہ شب برات ہی نہیں ہوئی فرائض و واجبات کے ترک پر اتنی ندامت و افسوس نہیں ہوتا جتنا اس کے ترک پر اور جو شخص نہیں کرتا اس کو کنجوس بخیل وغیرہ کے القاب دے کر شرمایا جاتا ہے جس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک غیر ضروری چیز کا فرض و واجب کی طرح التزام کرنا۔

۲۔ فضول خرچی وغیرہ وغیرہ اور اس نواہج و شریعت کے لئے طرح طرح کی لغو ضرورتیں تراشی جاتی ہیں کوئی کہتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا جب دندان مبارک شہید ہوا تو آپ نے حلوہ نوش فرمایا تھا۔ یہ اس کی یادگار ہے اور کوئی کہتا ہے کہ حضرت امیر حمزہ اس تاریخ میں شہید ہوئے تھے ان کی فاتحہ ہے اول سرے سے یہی غلط ہے کہ دندان مبارک ان دنوں میں شہید ہوا ہو یا حضرت حمزہ اس تاریخ میں شہید ہوئے ہیں۔ کیونکہ دونوں حادثے ماہ شوال میں واقع ہوئے ہیں اور پھر بالفرض اگر ہوں بھی تو اس قسم کی یادگاریں بغیر کسی شرعی امر کے قائم کرنا خود بدعت اور ناجائز ہے، اس کے علاوہ یہ عجیب طرح کی فاتحہ ہے کہ خود ہی پکایا اور خود ہی کھا گئے یاد دو چار اپنے احباب کو کھلا دیا۔ فقراء مساکین جو اس کے اصلی مستحق ہیں وہ یہاں بھی دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ بالخصوص جبکہ واجبات کی طرح التزام ہونے لگے تو ایسی صورت میں مباح بلکہ مستحب بھی فقہاء کے نزدیک قابل ترک ہو جاتے ہیں۔

چراغوں کی رسم

بعض شہروں میں دستور ہے کہ اس تاریخ میں مسجدوں میں اور مکانات پر بہت زیادہ روشنی کی جاتی ہے۔ اور بہت زیادہ چراغ جلائے جاتے ہیں یہ بالکل کفار کے ساتھ مشابہت اور ہندوؤں کی دیوالی کی نقل ہے جو سخت ناجائز اور حرام ہے۔ قرآن کریم کفار کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے والوں کو انہیں کی مانند فرماتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت کر لے وہ انہیں میں سے ہے۔

علی ابن ابراہیم فرماتے ہیں کہ اس رات میں زیادہ روشنی کرنا برا مکہ سے شروع ہوا ہے۔ یہ لوگ اصل میں آتش پرست تھے، جب اسلام لائے تو انہوں نے یہ رسم اسلام میں داخل کی تاکہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے وقت آگ کو سجدہ کریں پھر آٹھویں صدی، ہجری میں ان منکرات

کا ائمہ ہدی نے خوب قلع قمع فرمایا اور بلاد مصر و شام سے ان رسوم کو مٹا دیا گیا۔ بعض اکابر نے اس کی وجہ سے مسجد میں اس رات کو جانا چھوڑ دیا (مدخل) عجب نہیں کہ ہمارے زمانہ کی آتش بازی اسی کا شعبہ ہو۔ (ماثبت بالسنۃ)

مسجدوں میں اجتماع اور شور و شغب

رات کو جاگنے کے لئے اگر اتفاقاً دو چار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور اپنی نماز و تلاوت میں مشغول رہے تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن بعض شہروں میں اس کو بھی اس حد تک پہنچا دیا گیا ہے کہ اس کو روکنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً بلا بلا کر اہتمام سے لوگوں کو جمع کرنا اور پھر شور و شغب اور لہو و لعب میں رات گزارنا۔ اس طرح اہتمام کے ساتھ مسجدوں میں اجتماع بھی نوا ایجاد بدعت ہے۔ صحابہ کرام جن سے زیادہ کوئی عبادت کا شوقین نہیں ہو سکتا کبھی اس طرح جمع نہیں ہوتے تھے اور پھر اس اجتماع کی وجہ سے جو شور و شغب مسجدوں میں ہوتا ہے وہ دوسرا گناہ ہے فرشتے ایسے لوگوں کے لئے بد دعا کرتے ہیں جو مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں یا شور مچائیں۔ اس کے علاوہ عالمگیر غفلت اور جہالت کی وجہ سے اور بہت سی باتیں آداب مساجد کے خلاف اور ملائکہ اللہ کی ایذا کا باعث ہو کر بجائے نفع کے نقصان و خسران کا سبب بن جاتی ہیں۔ (نعوذ باللہ عنہ)

الغرض اس رات کے اعمال مسنونہ صرف وہ ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں ان کے علاوہ جو کچھ لوگوں نے ایجاد کیا ہے وہ سب بدعات و محرمات اور دینی و دنیوی خسران و بربادی کا باعث ہیں ان کے کرنے سے بدرجہا بہتر ہے کہ آدمی پوری رات سوئے اور کچھ نہ کرے۔

تنبیہ : اس ساری گزارش کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان ان اخروی نمائشوں کو غنیمت سمجھ کر ان سے نفع اٹھائیں اور اس مبارک رات میں اعمال مسنونہ کے ساتھ جاگ کر قبر میں آرام سے سونے کا سامان کر لیں۔ (صائب)۔

باش بیدار در دل شبہا در لحد چشم خواب اگر داری

اور سمجھ لیں کہ یہ راتیں ہمیشہ میسر نہ ہوں گی۔

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سایہ تلے

حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سایہ تلے

اور اگر یہ کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال کو ان گناہوں سے تو بچالیں جو اس مبارک رات میں ثواب سمجھ کر کئے جاتے ہیں۔

اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنَ الَّذِينَ حَبَطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَحْسَبُونَ
أَنَّهُمْ يَحْسِنُونَ صَنَعًا . وَلِلَّهِ الْحَمْدُ مِنْ قَبْلِ وَمِنْ بَعْدُ °

www.ahlehaq.org



فضائل واحکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا اور جو اس فرض کو ادا نہ کرے وہ سخت گناہگار فاسق ہے۔

روزہ کی نیت

نیت کہتے ہیں دل کے قصد و ارادہ کو زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے، روزہ کے لئے نیت شرط ہے اگر روزہ کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ نہ ہوگا۔
مسئلہ : رمضان کے روزے کی نیت رات سے کر لینا بہتر ہے اور رات کو نہ کی ہو تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹے پہلے تک کر سکتا ہے بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

- (۱) کان اور ناک میں دوا ڈالنا۔
- (۲) قصد آمنہ بھر کے قے کرنا۔
- (۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا۔
- (۴) عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہو جانا۔
- (۵) کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادت کھائی نہیں جاتی جیسے لکڑی، لوہا، کچا گیہوں کا دانہ وغیرہ۔
- (۶) لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصد ناک یا حلق میں پہنچانا، بیڑی، سگریٹ، حقہ پینا اسی حکم میں ہیں۔
- (۷) بھول کر کھاپی لیا اور خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا پھر قصد کھاپی لیا۔
- (۸) رات سمجھ کر صبح صادق کے وقت سحری کھالی۔
- (۹) دن باقی تھا مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے، روزہ افطار کر لیا۔ (تنبیہ) ان سب چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

(۱۰) جان بوجھ کر بدون بھولنے کے بیوی سے صحبت کرنے یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھے بیچ میں ناغہ نہ ہوں ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے کرنا پڑیں گے اور اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔ آج کل شرعی غلام یا باندی کہیں نہیں ملتے اس لئے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹتا نہیں مگر مکروہ ہو جاتا ہے

- (۱) بلا ضرورت کسی چیز کو چبانا، نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا، ٹوتھ پیسٹ یا منجن یا کوندہ سے دانت صاف کرنا بھی روزہ میں مکروہ ہیں۔
- (۲) تمام دن حالت جنابت میں بغیر غسل کئے رہنا۔
- (۳) فصد کرنا کسی مریض کے لئے خون دینا جو آج کل ڈاکٹروں میں رائج ہے یہ بھی اس میں داخل ہے۔
- (۴) غیبت یعنی کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا یہ ہر حال میں حرام ہے روزہ میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔
- (۵) روزہ میں لڑنا جھگڑنا گالی دینا خواہ انسان کو ہو یا کسی بے جان چیز یا جاندار کو ان سے بھی روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مکروہ بھی نہیں ہوتا

- (۱) مسواک کرنا۔
- (۲) سر یا مونچھوں پر تیل لگانا۔
- (۳) آنکھ میں دوا یا سرمہ ڈالنا۔
- (۴) خوشبو سونگھنا۔
- (۵) گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا۔
- (۶) کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا۔
- (۷) بھول کر کھانا پینا۔

- (۸) حلق میں بلا اختیار دھواں یا گرد و غبار یا مکھی وغیرہ کا چلا جانا۔
- (۹) کان میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلے جانا۔
- (۱۰) خود بخود قے آ جانا۔
- (۱۱) سوتے ہوئے احتلام (غسل کی حاجت) ہو جانا۔
- (۱۲) دانتوں میں سے خون نکلے مگر حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔
- (۱۳) اگر خواب میں یا صحبت سے غسل کی حاجت ہوگئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں نیت کر لی تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔

وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے

- (۱) بیماری کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے بعد رمضان اس کی قضا لازم ہے۔
- (۲) جو عورت حمل سے ہو اور روزہ میں بچہ کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔
- (۳) جو عورت اپنے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے اگر روزہ سے بچہ کو دودھ نہیں ملتا تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے پھر قضا کرے۔
- (۴) مسافر شرعی (جو کم از کم اڑتالیس میل کے سفر کی نیت پر گھر سے نکلا ہو) اس کے لئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے پھر اگر کچھ تکلیف و دقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے اگر اپنے آپ کو یا اپنے ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔
- (۵) بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزہ کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے وطن واپس آ گیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے اور اگر ابھی کچھ کھایا یا نہیں تھا کہ وطن میں ایسے وقت واپس آ گیا جبکہ روزہ کی نیت ہو سکتی ہے یعنی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تو اس پر لازم ہے کہ روزہ کی نیت کر لے۔
- (۶) کسی کو قتل کی دھمکی دیکر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لئے توڑ دینا جائز ہے پھر قضا کر لے۔

(۷) کسی بیماری یا بھوک پیاس کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے نزدیک جان کا خطرہ لاحق ہو تو روزہ توڑ دینا جائز بلکہ واجب ہے اور پھر اس کی قضاء لازم ہوگی۔

(۸) عورت کے لئے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے (یعنی نفاس) اس کے دوران میں روزہ رکھنا جائز نہیں ان ایام میں روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ بیمار، مسافر، حیض و نفاس والی عورت جن کے لئے رمضان میں روزہ نہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے ان کو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں، سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

روزہ کی قضا

- (۱) کسی سے روزہ قضا ہو گیا تو جب عذر جاتا رہے جلد ادا کر لینا چاہئے زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کر کے۔
- (۲) اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں، سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں اتنے ہی دن کی قضا لازم ہوگی۔

سحری

روزہ دار کو آخر رات میں صبح صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا، مسنون اور باعث برکت و ثواب ہے۔ نصف شب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سنت ادا ہو جائے گی لیکن بالکل آخر شب میں کھانا افضل ہے اگر مؤذن نے صبح سے پہلے اذان دیدی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق نہ ہو جائے سحری سے فارغ ہو کر روزہ کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے اور زبان سے بھی یہ الفاظ کہہ لے تو اچھا ہے۔ وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

افطاری

آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے ہاں جب ابر وغیرہ ہو تو دو چار منٹ انتظار کر لینا بہتر ہے اور تین منٹ کی احتیاط بہر حال کرنا چاہیے۔ کھجور اور خرما سے افطار کرنا افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے افطار کریں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں، افطار کے وقت یہ دعا مسنون ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُومْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ افْطَرْتُ

اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھے۔

ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ

تراویح

- (۱) رمضان المبارک میں عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہے۔
- (۲) تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے۔ محلہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہو اور کوئی شخص علیحدہ گھر میں اپنی تراویح پڑھ لے تو سنت ادا ہوگئی اگرچہ مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہا اور اگر محلہ ہی میں جماعت نہ ہوئی تو سب کے سب ترک سنت کے گناہ گار ہوں گے۔
- (۳) تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کرنا بھی سنت ہے کسی جگہ حافظ قرآن سنانے والا نہ ملے یا ملے مگر سنانے پر اجرت و معاوضہ طلب کرے تو چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح ادا کریں اجرت دے کر قرآن نہ سنیں کیونکہ قرآن سنانے پر اجرت لینا اور دینا حرام ہے۔
- (۴) اگر ایک حافظ ایک مسجد میں بیس رکعت تراویح پڑھ چکا ہے اس کو دوسری مسجد میں اسی رات تراویح پڑھانا درست نہیں۔
- (۵) جس شخص کی دو چار رکعت تراویح کی رہ گئی ہوں تو جب امام وتر کی جماعت کرادے اس کو بھی جماعت میں شامل ہو جانا چاہئے اپنی باقی ماندہ تراویح بعد میں پوری کرے۔
- (۶) قرآن کو اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں بڑا گناہ ہے اس صورت میں نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدی کو۔
- (۷) جمہور علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔

اعتکاف

اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہے اور سوائے ایسی حاجات ضروریہ کے جو مسجد میں پوری نہ ہو سکیں (جیسے پیشاب پاخانہ کی ضرورت یا غسل واجب اور وضو کی ضرورت) مسجد سے باہر نہ جائے۔

- (۱) رمضان کے عشرہ اخیر میں اعتکاف کرنا سنت موکدہ علی الکفایہ ہے یعنی اگر بڑے شہروں کے محلہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے

ذمہ ترک سنت کا وبال رہتا ہے اور کوئی بھی ایک محلہ میں اعتکاف کرے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔

(۲) بالکل خاموش رہنا اعتکاف میں ضروری نہیں بلکہ مکروہ ہے البتہ نیک کلام کرنا اور لڑائی جھگڑے اور فضول باتوں سے بچنا چاہئے۔

(۳) اعتکاف میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں۔ نماز، تلاوت یا دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا جو دل چاہے کرتا رہے۔

(۵) جس مسجد میں اعتکاف کیا گیا ہے اگر اس میں جمعہ نہیں ہوتا تو نماز جمعہ کے لئے اندازہ کر کے ایسے وقت مسجد سے نکلے جس میں وہاں پہنچ کر سنتیں ادا کرنے کے بعد خطبہ سن سکے اگر کچھ زیادہ دیر جامع مسجد میں لگ جائے جب بھی اعتکاف میں خلل نہیں آتا۔

(۵) اگر بلا ضرورت طبعی و شرعی تھوڑی دیر کو بھی مسجد سے باہر چلا جائے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا خواہ عدا نکلے یا بھول کر، اس صورت میں اعتکاف کی قضا کرنا چاہئے۔

(۶) اگر آخر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو ۲۰ تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تب اعتکاف سے باہر ہو۔

(۷) غسل جمعہ یا محض ٹھنڈک کے لئے غسل کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کو جائز نہیں۔

شبِ قدر

چونکہ اس امت کی عمریں بہ نسبت پہلے امتیوں کی چھوٹی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک رات ایسی مقرر فرمادی ہے کہ جس میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی زیادہ ہے لیکن اس کو پوشیدہ رکھتا کہ لوگ اس کی تلاش میں کوشش کریں اور ثواب بے حساب پائیں۔

رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شبِ قدر ہونے کا زیادہ احتمال ہے یعنی ۲۱ ویں، ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ ویں اور ۲۹ ویں شب میں سب سے زیادہ احتمال ہے ان راتوں میں بہت محنت سے عبادت اور توبہ و استغفار اور دعا میں مشغول رہنا چاہئے۔ اگر تمام رات جاگنے کی طاقت یا فرصت نہ ہو تو جس قدر ہو سکے جاگے اور نفل نماز یا تلاوت قرآن یا ذکر و تسبیح میں مشغول رہے اور کچھ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں آجاتا ہے ان راتوں کو صرف جلسوں، تقریروں میں صرف کر کے سو جانا بڑی محرومی ہے۔ تقریریں ہر رات ہو سکتی ہیں عبادت کا یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا البتہ جو لوگ رات بھر عبادت میں جاگنے کی ہمت کریں وہ شروع میں کچھ وعظ سن لیں پھر نوافل اور دعا میں لگ جائیں تو درست ہے۔

مسائلِ زکوٰۃ

مسئلہ : اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر روپیہ یا نوٹ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے (نسائی) اور سامان تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ : کارخانے اور مل وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ فرض نہیں لیکن اس میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اسی طرح جو خام مال کارخانہ میں سامان تیار کرنے کے لئے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ ہے۔ (در مختار و شامی)

مسئلہ : سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہے۔ زیور، برتن حتیٰ کہ سچا گوٹہ، ٹھپہ، اصلی زری سونے چاندی کے بٹن۔ ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے اگرچہ ٹھپہ، گوٹہ اور زری کپڑے میں لگے ہوئے ہوں۔ کسی کے پاس کچھ روپیہ، کچھ سونایا چاندی اور کچھ مال تجارت ہے لیکن علیحدہ علیحدہ بقدر نصاب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعے کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس سے کم رہے تو زکوٰۃ فرض نہیں۔ (ہدایہ)

مسئلہ : ملوں اور کمپنیوں کے شیرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ شیرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مال مل کر شیر ہولڈر مال نصاب بن جاتا ہو۔ البتہ کمپنیوں کے شیرز کی قیمت میں چونکہ مشینری اور مکان اور فرنیچر کی لاگت بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اس لئے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کر کے جس قدر رقم اس کی مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے اس کو اپنے حصے کے مطابق شیرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔ سال کے ختم پر جب زکوٰۃ دینے لگے اس وقت جو شیرز کی قیمت ہوگی وہی لگے گی۔ (در مختار و شامی)

مسئلہ : پراویڈنٹ فنڈ جو ابھی وصول نہیں ہوا اس پر ابھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا اس وقت اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی بشرطیکہ یہ رقم بقدر نصاب ہو یا دیگر مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو جاتی ہو۔ وصولیابی سے قبل کی زکوٰۃ پراویڈنٹ کی رقم پر واجب نہیں یعنی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

مسئلہ : صاحب نصاب اگر سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔ (درمختار و شامی)

مسئلہ : جس قدر مال ہے اس کا چالیسواں حصہ (۱/۴۰) دینا فرض ہے یعنی ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا۔ سونے چاندی اور مال تجارت کی ذات پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا ۱/۴۰ دے اگر قیمت دے تو یہ بھی جائز ہے مگر قیمت خرید نہ لگے گی۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا ۱/۴۰ دینا ہوگا۔ (درمختار ج ۲)

مسئلہ : ایک ہی فقیر کو اتنا مال دے دینا کہ جتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، مکروہ ہے لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اس سے کم دینا بغیر کراہت کے جائز ہے۔ (ہدایہ جلد ۱)

مسئلہ : زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو دی جائے وہ اس کی کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ : ادائیگی زکوٰۃ کے لئے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر دے دی جائے اس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ : مسجد، مدرسہ، خانقاہ، شفا خانہ، کنواں، پل اور کسی رفاعی ادارہ کی تعمیر میں رقم خرچ کرنا جائز نہیں اگر اس میں خرچ کردی گئی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی کیونکہ اس میں مال زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر نہیں دیا گیا۔

مسئلہ : زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نیت ادا زکوٰۃ بھی ضروری ہے جس وقت زکوٰۃ کا روپیہ وغیرہ کسی مستحق کو دیں اس وقت دل میں یہ نیت ضرور کر لیں کہ میں زکوٰۃ ادا کرتا ہوں۔ اور اگر یوں کیا کہ زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کر کے رکھی کہ مستحق آجائیں گے تو دیتا جاؤں گا تو یہ نیت کافی ہو جائے گی پھر چاہے دیتے وقت نیت نہ کرے۔

مسئلہ : جس کو زکوٰۃ دے اس کا مستحق زکوٰۃ ہونا ضروری ہے البتہ یہ ضروری نہیں کہ اسے یہ بتائیں کہ زکوٰۃ کی رقم ہے اگر قرض بتا کر یا ہدیہ جتا کر زکوٰۃ دے دیں اور خود زکوٰۃ کی نیت کر لی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

مسئلہ : اگر کسی مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مال دیتے وقت ادائے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو جب تک وہ مال اس غریب کے پاس موجود ہے اس وقت تک بھی نیت کر لینا درست ہے۔ اب نیت کرنے سے بھی وہ زکوٰۃ ہو جائے گا البتہ فقیر کے پاس اس مال کے خرچ ہو جانے کے بعد نیت کی تو اس نیت کا اعتبار نہیں اب دوبارہ زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ (درمختار جلد ۲)

کسی غریب آدمی پر آپ کے مثلاً دس روپے قرض ہیں اور آپ کے مال کی زکوٰۃ بھی دس روپے یا اس سے زائد ہے تو اگر آپ نے اپنا قرض اس کو زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی البتہ اگر اس کو دس روپے زکوٰۃ کی نیت سے دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اب یہی روپے اگر آپ اپنے قرض میں سے اس سے وصول کر لیں تو درست ہے۔ (درمختار جلد ۲)

مسئلہ : پہلی بار اور ہر سال چاند کے حساب سے ۱۲ ماہ گزر جانے پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس میں انگریزی کے حساب سے سال لگانا درست نہیں ہے۔

وما علینا الا البلاغ

(ماہنامہ البلاغ کراچی)



زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت

اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن زکوٰۃ بھی ہے۔ قرآن کریم نے جا بجا زکوٰۃ کو صلوٰۃ کے ساتھ لگایا ہے :

واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ ، واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ ،
اقام الصلوٰۃ ایثاء الزکوٰۃ

وغیرہ سارے قرآن میں پھیلے ہوئے الفاظ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فرائض میں سب سے مقدم نماز اور اس کے بعد زکوٰۃ ہے۔

بتصریح قرآن و سنت و باجماع امت جس شخص میں شرائط زکوٰۃ پائی جائیں زکوٰۃ اس پر فرض ہے اور جو شخص اس کے فرض ہونے کا انکاری ہے وہ مسلمان نہیں اور جو فرض ہونا تسلیم کرنے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ سخت گنہگار فاسق ہے۔

تاریخ زکوٰۃ

از روئے قرآن و سنت صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ کا فریضہ مسلمانوں پر مکہ مکرمہ ہی میں نماز کے ساتھ عائد ہو چکا تھا۔ جیسا کہ مکی سورتوں میں زکوٰۃ کے احکام سے ثابت ہوتا ہے اور امام تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے۔ البتہ نصاب زکوٰۃ اور مقدار زکوٰۃ اور مصارف زکوٰۃ کا تعین اور اس کی وصولیابی کا سرکاری انتظام مدینہ طیبہ میں پہنچنے کے بعد تدبیراً ہوا۔ ۲ھ میں صدقہ الفطر واجب کیا گیا اور اس کے بعد سرکاری طور پر زکوٰۃ و عشر وغیرہ وصول کرنے کے لئے مدینہ کی اسلامی حکومت کی طرف سے عمال مقرر ہوئے اور اس طرح کے تمام اموال صدقہ بیت المال میں جمع کرنے اور فقراء و مساکین پر صرف کرنے کا اہتمام تھا۔

زکوٰۃ نماز کی طرح ایک مالی عبادت ہے جس کا ادا کرنا ہر مال دار کے ذمہ ہر حال میں ضروری ہے۔ کوئی اسلامی حکومت اور اسلامی بیت المال اس کو وصول کرنے والا ہو یا نہ ہو، پچھلے انبیاء کی تمام شریعتوں میں بھی نماز کی طرح زکوٰۃ کی پابندی فرض تھی مگر ان پچھلی شریعتوں میں مال زکوٰۃ کو فقراء و مساکین کی ضرورتوں میں خرچ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ اس کو کسی جگہ میں رکھ دیا جاتا تھا جس کو آسمانی بجلی آ کر جلا دیتی تھی اور یہی قبولیت زکوٰۃ کی علامت تھی۔

امتِ مرحومہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کی اجازت دے دی کہ اس مال کو مسلمانوں کے فقراء و مساکین کی مشکلات کو حل کرنے کا یہ ایسا بہترین طریقہ ہے کہ اگر زکوٰۃ صحیح طور پر نکالی جائے اور اس کے صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جائے تو بقول بعض اہل یورپ کے ایک مسلمان بھی ننگا بھوکا نہیں رہ سکتا۔

زکوٰۃ کے معاملہ میں غفلت

مگر افسوس یہ ہے کہ آج کل عام جہالت و غفلت کی بناء پر بہت سے مسلمان تو زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں اور جو زکوٰۃ نکالتے ہیں وہ صرف زکوٰۃ نکالنا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کریم نے صرف زکوٰۃ اپنی جیب سے نکالنے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ اس کو مستحقین تک پہنچانے اور ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ قرآنی ارشاد اتوا الزکوٰۃ کے معنی زکوٰۃ نکالنے کے نہیں ہیں اور ادا کرنا اسی کو کہتے ہیں کہ جس کا حق ہے اسی کو پہنچایا جائے محض اپنے پاس سے نکال دینے اور کسی کو دے دینے سے حق ادا نہیں ہوتا جیسا کہ دنیوی قرضوں میں ہر شخص جانتا ہے کہ جو قرض کسی کا کسی کے ذمہ ہے وہ محض جیب سے نکال دینے پر ادا نہیں ہو جاتا بلکہ جب تک قرض خواہوں تک پہنچا کر اس کا مالکانہ قبضہ نہ کر دیا جائے قرض سے سبکدوشی نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب تک زکوٰۃ مستحقین زکوٰۃ کو نہ پہنچائی جائے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

اس میں عام طور پر زکوٰۃ نکالنے والے مسلمان بڑی غفلت کا شکار ہیں کہ مستحقین کی تلاش و تحقیق کے بغیر رقم زکوٰۃ کسی کو دے کر اپنے آپ کو سبکدوش سمجھ لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر مستحق لوگ زکوٰۃ و صدقات پر قابض ہو جاتے ہیں اور مستحقین افلاس و مصیبت کا شکار رہتے ہیں۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید

قرآن کریم میں ارشاد ہے :

(۱)

والذین یکنزون الذهب والفضۃ ولا ینفقوا فی سبیل اللہ فبشرہم
بعذاب الیمؕ یوم یحمی علیہا فی نار جہنم فتکویٰ بہا جب اہم
وجنوبہم وظہورہم ط ہذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم

تکنزون ° (سورہ توبہ آیت ۳۴، ۳۵)

ترجمہ: ”جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی زکوٰۃ نہیں نکالتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی جبکہ اس سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں پہلے تپایا جائے گا پھر اس سونے چاندی سے لوگوں کی پیشانیوں کو اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا) اور یہ جتایا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا بس اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔“

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

(۲)

ممانع قوم الزکوٰۃ الا ابتلا لاھم اللہ بالسنین ° (جمع الفوائد ج ۱ ص ۱۴۳)
 ”جو قوم زکوٰۃ نہیں نکالتی اللہ تعالیٰ اسے قحط سالی یعنی ضروریات زندگی کی گرانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔“
 آنحضرت ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے :

(۳)

من اتاہ اللہ مالاً فلم یؤدّ زکوٰۃً مثلاً لہ مالہ یوم القیمة شجاعاً اقرع لہ ذبیبتان یطوّقہ یوم القیمة ثم یأخذ بلہزمیۃ یعنی یشد قیہ ثم یقول انا مالک انا کنزک ° (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸۸)
 ”جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال بڑا زہریلا اور گنجا سانپ بن کر اس کی گردن میں لپٹ جائے گا۔ پھر اس کے دونوں جبرے نوچے گا اور کہے گا میں ہی تیرا مال ہوں، میں ہی تیرا خزانہ ہوں۔“

(۴)

آپ ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ ”ہر صبح کو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں ایک یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ سخی کو اس کے مال کا بدل عطا فرما، دوسرا دعا کرتا ہے کہ اے اللہ بخیل کو ہلاکت نصیب کر۔“
 (بخاری مسلم)

(۵)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے تو ان سے پوچھا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہو یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا ”نہیں“۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم کو یہ پسند ہے

کہ اس کے بدلے میں تم کو آگ کے کنگن پہنائے جائیں؟ انھوں نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ”تو اس کی زکوٰۃ دیا کرو“۔ (ترمذی)

(۶)

قیامت کے دن جو سات آدمی اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے ان میں سے رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بھی بیان فرمایا ہے جو ایسا چھپا کر صدقہ دے کہ اس کے دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ (بخاری)

زکوٰۃ کس قسم کے مال پر فرض ہے

پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر مالی قرض بہت ہی کم سے کم ڈالا ہے اول تو ہر مال پر زکوٰۃ نہیں بلکہ صرف اس مال پر ہے جو عادتاً بڑھتا رہتا ہے جیسے مال تجارت یا مویشی یا سونا چاندی کیونکہ سونا چاندی کو اسلام نے ذریعہ تجارت ہی قرار دیا ہے خواہ کوئی اس کو زیور بنا کر رکھے یا سونے چاندی کے ٹکڑے بند کر کے رکھے مگر شرعاً وہ مال تجارت ہی ہے اس لئے سونے چاندی پر خواہ وہ کسی صورت میں ہو زکوٰۃ فرض ہے۔

اموال کی ان تین قسموں کے علاوہ مکان، دکان، برتن، فرنیچر اور دوسرے گھریلو سامان ملوں اور کارخانوں کی مشینری جو اہرات خواہ کتنی قیمت کے کیوں نہ ہوں ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ ہاں ان میں سے کوئی چیز فروخت کرنے کے قصد سے خریدی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ مال کی مذکورہ تین قسموں میں بھی مال کا مالک ہوتے ہی زکوٰۃ فرض نہیں ہو جاتی بلکہ سال بھر تک اس میں جتنا چاہے خرچ کرتا رہے آخر سال میں کھانے پینے برتنے اور تمام ضروری اخراجات یا غیر ضروری سے جتنا مال جمع رہے اور اس کا صرف چالیسواں حصہ (یعنی ڈھائی فیصد) بطور زکوٰۃ فرض ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زکوٰۃ انکم ٹیکس کی طرح آمدنی پر نہیں بلکہ اصل سرمایہ پر ہے لیکن سرمایہ خرچ کرنے پر انکم ٹیکس کے قواعد کی طرح کوئی پابندی نہیں اگر کوئی شخص سارا مال سال بھر میں خرچ کر ڈالے تو اس پر کوئی زکوٰۃ عائد نہیں ہوئی۔ مال زکوٰۃ کی چوتھی قسم زرعی زمین اور باغات کی پیداوار بھی ہے مگر اس کو فقہاء کی اصطلاح میں عشر کہا جاتا ہے اس لئے اس کو احکام زکوٰۃ کے بعد عشر ہی کے عنوان سے لکھا جائے گا اور اموال زکوٰۃ کی مذکورہ تین قسموں میں سے چونکہ مویشی کی زکوٰۃ کے معاملات خاص خاص لوگوں کو پیش آتے ہیں اس لئے اس مختصر رسالہ میں اس کی تفصیل دینے کی

ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اس میں صرف مال تجارت اور سونے چاندی اور روپیہ کے احکام اور پھر عشر اراضی کے احکام بیان ہوں گے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن اموال پر شریعت اسلام نے زکوٰۃ عائد کی ہے ان میں بھی مطلقاً ہر شخص پر ہر حال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے بلکہ اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔ جہاں ان شرائط سے کوئی شرط معدوم ہوگی وہاں زکوٰۃ فرض نہ رہے گی۔

شرائط زکوٰۃ

- (۱) زکوٰۃ دینے والے کا مسلمان ہونا، کافر پر زکوٰۃ نہیں۔ (کمانی علامۃ المتون)
- (۲) بالغ ہونا، نابالغ بچوں کی ملکیت میں کتنا ہی مال ہو ان پر یا ان کے اولیاء (سرپرستوں) پر اس کی زکوٰۃ نہیں۔ (ہدایہ)
- (۳) عاقل ہونا، مجنون کے مال پر زکوٰۃ نہیں جبکہ اس کا جنون سال بھر مسلسل رہے۔ (درمختار و شامی)
- (۴) آزاد ہونا، چنانچہ زرخیز غلام پر زکوٰۃ نہیں۔
- (۵) اس مال کا مکمل مالک ہونا جس شخص کے قبضہ میں کوئی مال ہے مگر وہ اس کا مالک نہیں اس پر زکوٰۃ نہیں۔ (درمختار جلد ۲)
- (۶) مال کا بقدر نصاب ہونا۔ نصاب سے کم مال پر زکوٰۃ نہیں۔ (درمختار جلد ۲) (نصاب کے معنی ”اصلاحات و تعریفات“ کے عنوان میں بیان ہو چکے ہیں تفصیل آگے آرہی ہے)۔
- (۷) اس مال کا ضروریات اصلیہ سے زائد ہونا اس لئے جو چیزیں انسان کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں جیسے رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، برتن یا فرنیچر یا سواری کی موٹر گاڑی وغیرہ ان پر زکوٰۃ نہیں۔ (کمانی علامۃ المتون)
- (۸) اس مال پر پورا ایک سال گزر جانا۔ سال بھر گزرنے سے پہلے کسی مال پر زکوٰۃ نہیں۔ (ہدایا جلد ۱)
- (۹) مال کا نامی یعنی بڑھنے والا ہونا۔ جیسے تجارتی مال ہونا یا سونا چاندی یا مویشی وغیرہ اور جو مال نامی نہیں ہے اگرچہ ضرورت سے زائد بھی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ جیسے ایک سے زائد مکان یا موٹر یا غیر ضروری برتن اور فرنیچر وغیرہ۔

یہ تمام شرائط تفصیل کے ساتھ ”بدائع المنافع اور فقہ کی عام کتب میں مذکور ہیں۔ اب ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ کے احکام علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

سونے چاندی کی زکوٰۃ

(۱) سونے کا نصاب زکوٰۃ ساڑھے سات تولہ ہے اور چاندی کا ساڑھے باون تولہ^۱۔ چنانچہ اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور ایک سال تک باقی رہے تو سال گزرنے پر اس کی زکوٰۃ دینا فرض ہے اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اور اگر اس سے زائد ہو تب بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ (ہدایہ جلد ۱)

(۲) چاندی یا سونے کے زیور، برتن اور سچا گوشت، ٹھپہ سب پر زکوٰۃ فرض ہے چاہے زیور وغیرہ استعمال میں رہتے ہوں یا بیکار رکھے ہو، غرض یہ کہ سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ فرض ہے البتہ اگر مقدار نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں۔ (ہدایہ جلد ۱)

(۳) سونا چاندی اگر خالص نہ ہو بلکہ اس میں کچھ کھوٹ ملا ہو تو غالب جزو کا اعتبار ہوگا۔ سونا چاندی غالب ہو تو وہ سونا چاندی سمجھا جائے گا اور زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر کھوٹ زیادہ ہو مثلاً ایک تولہ میں ۳ ماشہ سونا یا چاندی ہو اور ۹ ماشہ کھوٹ ہو تو وہ سونا یا چاندی نہیں سمجھا جائے گا اور اس پر زکوٰۃ بجز اس صورت کے فرض نہ ہوگی کہ یہ ”مال تجارت“ کے طور پر رکھا ہو، گلٹ کے سکے روپے اور ریزگاری پر بھی اسی لئے زکوٰۃ فرض ہے کہ وہ لین دین ہی کے لئے ہوتے ہیں۔

(۴) کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار سونے کی ہے اور نہ پوری مقدار چاندی کی بلکہ کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض اور اگر دونوں چیزیں کم کم ہیں کہ دونوں کی قیمت ملا کر بھی مقدار نصاب کے برابر نہیں ہوتیں تو زکوٰۃ فرض نہیں اگر سونے اور چاندی کی مقدار پوری پوری ہے تو قیمت لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ چاندی کی زکوٰۃ اس کا حساب کر کے الگ دیں اور سونے کی زکوٰۃ اس کا حساب کر کے علیحدہ دیں۔ (ہدایہ دعوۃ المتون)

(۵) کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ یا اس سے زائد چاندی تھی پھر سال گزرنے سے پہلے دو چار تولہ یا نو دس تولہ سونا بھی مل گیا تو اس سونے کا سال الگ شمار نہیں ہوگا بلکہ جب اس چاندی کا سال پورا ہوگا تو یہ سمجھا جائے گا کہ بعد میں ملے ہوئے سونے کا سال بھی پورا ہو گیا چنانچہ اس پورے سونے چاندی کی زکوٰۃ کی ادائیگی اسی وقت فرض ہو جائے گی۔ (ہدایہ جلد ۱)

^۱ سونے چاندی کے مذکورہ وزن کی علمی تحقیق مطلوب ہو تو مفتی محمد شفیع صاحب کی تصنیف ”اوزان شرعیہ“ ملاحظہ فرمائیں۔

(۶) کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی تھی پھر سال پورا ہونے سے پہلے ۲،۴ تولہ یا پچاس ساٹھ تولہ چاندی اور مل گئی تو یہاں یہ سمجھا جائے گا کہ اس پوری چاندی پر سال گزر گیا چنانچہ اس پوری چاندی کی زکوٰۃ فرض ہوگی بعد میں ملنے والی چاندی کو مال علیحدہ شمار نہیں کیا جائے گا۔ (ہدایہ جلد ۱)

(۷) کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ روپیہ تھا پھر قمری سال پورا ہونے سے ایک دو روز پہلے اتنا ہی یا اس سے کم یا زیادہ روپیہ اور مل گیا تو جب پہلے روپے کا سال پورا ہوگا تو یہاں بھی یہی سمجھا جائے گا بعد میں ملنے والے روپے کا سال الگ شمار نہیں کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ درمیان سال میں مال کے گھٹنے یا بڑھنے کا زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ سال کے ختم پر جتنا مال موجود ہوگا اس پورے مال پر زکوٰۃ آئے گی۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس سال بھرتک صرف ایک ہزار روپیہ تھا یا اس کی قیمت کا سونا چاندی، مگر سال پورا ہونے سے ایک دو دن پہلے اس کو نو ہزار روپیہ یا اس کی قیمت کا سونا چاندی مل گیا تو زکوٰۃ پورے دس ہزار کی ادا کرنی ہوگی۔

پہننے کے کپڑے خواہ کتنی ہی زیادہ قیمت کے ہوں ان پر زکوٰۃ فرض نہیں لیکن اگر ان پر سچا کام ہے تو اس کام میں سے جتنی چاندی نکل سکتی ہے اس کا اندازہ کر کے مال زکوٰۃ میں شامل کرنا اور اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ مثلاً ایک شخص کے پاس سو تولہ چاندی ہے اور دس تولہ سچے کام میں لگی ہوئی چاندی ہے تو ایک سو دس تولہ چاندی کی زکوٰۃ فرض ہوگی یا ۲ تولہ سونا ہے اور دس تولہ چاندی کا کام ہے تو ۲ تولہ سونے کی قیمت سے جتنی چاندی خریدی جاسکتی ہے، مثلاً آج کل کے نرخ کے اعتبار سے اس کی ایک سو چالیس تولہ چاندی آئے تو اس میں یہ دس تولہ چاندی کے کام کے شامل کر کے ڈیڑھ سو تولہ چاندی کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (درمختار و شامی)

نقد روپیہ کی زکوٰۃ

نقد روپیہ چاہے چاندی کا ہو یا گلت وغیرہ کا یا نوٹ کی شکل میں ہو زکوٰۃ فرض ہے۔ (شامی)

۱۔ اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کے برابر نقد روپیہ موجود ہو (چاہے سونا چاندی بالکل نہ ہو) تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے۔ (شامی)

- ۲۔ مثلاً چاندی سوا دو روپے ۱ تولہ ہے تو اگر کسی کے پاس ایک سوا ٹھارہ روپے بارہ پیسے ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ یہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے۔
- ۳۔ کسی کے پاس کچھ نقد روپیہ اور کچھ سونا و چاندی ہے لیکن علیحدہ علیحدہ ان میں سے کوئی بھی مقدار نصاب کو نہیں پہنچتا تو اس سونے اور چاندی کی قیمت دیکھی جائے گی اگر اس سونے اور چاندی کی قیمت اور وہ نقد روپیہ ملا کر ایک سوا ٹھارہ روپے اور بارہ پیسے ہو جائیں گے تو زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔ (درمختار)

- ۴۔ مثلاً کسی زمانہ میں سونا ۱۳۰ روپے تولہ اور چاندی ۲ ۱/۲ روپے تولہ ہو تو اگر کسی کے پاس سال کے ختم پر ایک تولہ سونا اور پانچ روپے نقد ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ ایک تولہ سونا ایک سو تیس روپے کا ہوا اور وہ پانچ روپے ملا کر ایک سو پینتیس روپے ہو گئے اور یہ رقم ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے بہت زائد ہے کیونکہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تو سوا دو روپے تولہ کے حساب سے صرف ایک سوا ٹھارہ روپے بارہ پیسے ہوتی ہے۔ (درمختار)

- ۵۔ البتہ اگر صرف ایک تولہ سونا ہو اور اس کے ساتھ روپے یا چاندی بالکل نہ ہوں تو زکوٰۃ فرض نہیں۔ (جیسا کہ عام کتب فقہ میں مذکور ہے)

- ۶۔ کسی کے پاس تین سو روپے رکھے تھے پھر سال پورا ہونے سے پہلے دو سو روپے اور مل گئے تو ان دو سو روپے کا حساب علیحدہ نہیں کیا جائے گا بلکہ جب ان تین سو روپے کا سال پورا ہوگا تو پورے پانچ سو روپے کی زکوٰۃ فرض ہوگی اور یہ سمجھا جائے گا کہ پورے پانچ سو روپے پر سال گذر گیا۔ (ہدایہ)

مال تجارت کی زکوٰۃ

- مال تجارت وہ مال ہے جو فروخت کرنے کی نیت سے لیا ہو اس کا انصاب بھی وہی ہے جو نقد روپے کا انصاب ہے یعنی کل مال کی قیمت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے تو سال گذرنے پر اس کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ دینا فرض ہے۔ (درمختار و شامی)

- ۱۔ چاندی کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ زکوٰۃ نکالتے وقت جو قیمت ہو ان سب مسائل میں وہی معتبر ہوگی۔ اس کتاب میں قیمت کی جتنی مثالیں موجود ہیں، وہ سب اس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں، جب چاندی بہت سستی اور ارزاں تھی۔ اب چاندی کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ لہذا زکوٰۃ نکالتے وقت چاندی کا بھاء معلوم کر کے اس کے مطابق حساب کرنا چاہئے۔ ان مثالوں میں جو قیمت لکھی ہے، اس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ (محمد رفیع عفا اللہ عنہ، مرحوم ۱۳۹۹)

۱۔ سونا چاندی اور نقد روپے کے علاوہ جتنی چیزیں مثلاً سچے موتیوں کا ہار، لوہا، تانبہ، پیتل، رانگ، گلٹ وغیرہ یا ان چیزوں کے بنے ہوئے برتن وغیرہ یا کپڑے جوتے وغیرہ، فرنیچر یا کوئی اور سامان۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مال اگر تجارت کے واسطے لیا ہے تو مقدار نصاب ہونے اور سال گزرنے پر اس کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہوگا اور اگر تجارت کے لئے نہیں لیا تو زکوٰۃ فرض نہیں خواہ وہ کتنا ہی بیش قیمت اور کتنا ہی زیادہ ہو اور بے ضرورت رکھا ہو۔ (درمختار جلد ۲، شامی)

۲۔ اگر سونا چاندی کے علاوہ کوئی اور سامان اپنے استعمال کے واسطے لیا تھا پھر تجارت کا اور اس کو فروخت کرنے کا ارادہ ہو گیا مگر فروخت نہیں ہوا اور سال گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ نیت وہ معتبر ہے جو مال لیتے وقت ہو اور یہاں مال لیتے وقت تجارت کی نیت نہیں تھی اس لئے یہ مال تجارت نہیں۔ ہاں جب اس کی فروخت شروع کر دے اس وقت سے تجارتی مال قرار پائے گا اور اس وقت کے بعد اگر یہ سال بھر مال رہا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (ہدایہ)

۳۔ دکان میں جو الماریاں وغیرہ سامان رکھنے کے لئے رکھی ہوں یا فرنیچر وغیرہ استعمال کے لئے رکھا ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں بلکہ یہ مال تجارت نہیں البتہ اگر کوئی فرنیچر ہی کی تجارت کرتا ہو یعنی یہ فرنیچر تجارت کی نیت سے ہی خریدا گیا ہو یا بنوایا گیا ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ اس صورت میں یہ مال مال تجارت ہے۔ (درمختار جلد ۲، شامی)

۴۔ اگر کسی کے پاس کئی مکانات ہوں اور ان کو کرایہ پر چلاتا ہو تو ان مکانوں کی قیمت پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں، خواہ وہ کتنی ہی قیمت کے کیوں نہ ہوں۔ البتہ ان کے کرایہ سے حاصل شدہ رقم جس قدر سال بھر کے ختم تک باقی رہے گی اس کی زکوٰۃ نقد روپے کے حساب سے ادا کرنا ضروری ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے مثلاً ایک ہزار یا زائد روپے کے برتن، فرنیچر یا شامیانے یا سائیکلیں وغیرہ یا کوئی اور سامان کرایہ پر دینے کے لئے خریدا اور کرایہ پر چلاتا رہا تو ان چیزوں پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ کرایہ پر چلانے سے مال مال تجارت نہیں بنتا اور اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ البتہ کرایہ سے جو روپیہ حاصل ہوگا اس کا وہی حکم ہے جو نقد روپے کا ہے یعنی یہ روپیہ گر بقدر نصاب ہو اور ایک سال گزر جائے تو اس روپے پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (ہدایہ وقاضی خان)

۵۔ پرنٹنگ پریس، کارخانوں اور مملوں وغیرہ میں جو مشینیں فٹ ہوں وہ بھی مال تجارت نہیں لہذا ان پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں۔ البتہ اگر مشینیں تجارت کی نیت سے خریدی ہوں کہ ان کو فروخت کیا کریں گے تو ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ درزی کی کپڑے سینے کی مشینیں، ڈرائی کلین وغیرہ کی مشینیں اور ہر قسم کی مشینوں وغیرہ کا یہی حکم ہے۔ (درمختار و شامی)

۶۔ کارخانے اور مل وغیرہ کی مشینوں پر تو زکوٰۃ فرض نہیں لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے۔

اسی طرح جو خام مال مل میں سامان تیار کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ خام مال اور تباہ شدہ مال سب کی قیمت لگا کر اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ (درمختار و شامی)

۷۔ کسی کے پاس کچھ سونایا چاندی اور کچھ مال تجارت ہے لیکن علیحدہ علیحدہ نہ سونا نہ چاندی بقدر نصاب ہے اور نہ مال تجارت بقدر نصاب ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں، اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا سونے کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر پھر بھی کم رہے اور زکوٰۃ فرض نہیں۔ (ہدایہ)

۸۔ ملوں اور کمپنیوں کے شیرز پر بھی ختم سال کے وقت جو قیمت شیرز کی بازار میں ہو اس کے مطابق زکوٰۃ فرض ہے۔ البتہ کمپنیوں کے شیرز کی قیمت میں چونکہ مشینری، مکان اور فرنیچر کی لاگت بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اس لئے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کر کے جس قدر رقم اس کی مشینری، مکان اور فرنیچر میں لگی ہوئی ہے اس کو اپنے حصہ کے مطابق شیرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز و درست ہے۔ مثلاً شیرز کی قیمت ایک سو روپے ہے اور تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ پانچ فیصد مشینری، مکان اور فرنیچر میں لگی ہوئی ہے تو شیرز کیا قیمت سے پانچ کم کر کے باقی ۹۵ کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (درمختار و شامی)

مقروض پر زکوٰۃ کب فرض ہے کب نہیں

۱۔ کسی کے پاس دو سو روپے ہیں اور اتنے ہی روپے کا وہ مقروض ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ چاہے وہ دو سو روپے پورا سال اس کے پاس رکھے رہیں اور اگر ڈیڑھ سو روپے کا مقروض ہے تو پھر بھی زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ ڈیڑھ سو روپے کے قرض ہوئے تو صرف پچاس روپے ضرورت سے زائد بچے اور پچاس روپے آج کل ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے کم ہیں۔ (ہدایہ جلد اول)

۲۔ اگر کسی کے پاس پانچ سو روپے ہیں اور دو سو روپے کا وہ قرض دار ہے تو اس پر تین سو روپے کی زکوٰۃ فرض ہے۔ (ہدایہ جلد اول)

قرض خواہ پر زکوٰۃ کب فرض ہے کب نہیں؟

اگر آپ کا مال کسی کے ذمہ قرض ہے تو اس مال کی زکوٰۃ بھی آپ پر فرض ہے بشرطیکہ قرض دار اس کا اقرار کرتا ہو اور ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہو یا اگر وہ انکار کرے تو آپ کے پاس کوئی شہادت یا دستاویزی ثبوت ایسی موجود ہو جس کے ذریعے آپ ذریعہ عدالت وصول کر سکتے ہوں۔

لیکن قرض کی تین قسمیں ہیں :

۱۔ ایک یہ کہ نقد و پیسہ یا سونا چاندی کیسی کو قرض دیا یا تجارت کا مال کسی کو فروخت کیا تھا اور اس کی قیمت اس کے ذمہ باقی ہے پھر یہ مال ایک سال یا دو تین سال کے بعد وصول ہوا۔ ایسے قرض کو فقہاء کی اصطلاح میں دین قوی کہا جاتا ہے ایسا قرض اگر بقدر نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو وصول ہونے پر پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ دینا فرض ہے لیکن اگر یکمشت وصول نہ ہو بلکہ تھوڑا تھوڑا وصول ہو تو جب مقدار نصاب کا پانچواں حصہ یعنی بیس فیصد وصول ہو جائے تو صرف اس پانچویں حصہ کی زکوٰۃ فرض ہوگی اور اسی طرح ہر پانچویں حصہ کی زکوٰۃ فرض ہوتی رہے گی لیکن یہ یاد رہے کہ زکوٰۃ پورے سال کی نکالی جائے گی۔

اور اگر یہ پورا قرض بقدر نصاب نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں البتہ اگر آپ کے پاس کچھ اور مال بھی ہے اور دونوں ملا کر بقدر نصاب ہو جائیں تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (شامی جلد ۲ ص ۵۳)

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ قرض نہ نقد روپے کی صورت میں دیا گیا ہو نہ سونا چاندی کی صورت میں اور نہ مال تجارت فروخت کیا ہو بلکہ کوئی اور چیز فروخت کی تھی جو تجارت کی نہ تھی مثلاً پہننے کے کپڑے یا گھر کا سامان یا کوئی زمین فروخت کی تھی اور اس کی قیمت باقی ہے۔ ایسے قرض کو اصطلاح میں دین متوسط کہتے ہیں تو یہ قیمت اگر بقدر نصاب ہے اور کئی سال کے بعد وصول ہوئی تو وصول ہونے پر ان تمام سالوں کی زکوٰۃ اس پر بھی فرض ہوگی اور اگر یکمشت وصول نہ ہو تو جب تک یہ قرض پوری مقدار نصاب کے برابر وصول نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض نہیں ہوتا۔ جب بقدر نصاب وصول ہو جائے تو وصول شدہ رقم پر پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ (شامی جلد ۲ ص ۵۳، ۵۴)

مسئلہ : اس دوسری قسم کا قرض اگر یکمشت وصول نہ ہو بلکہ مثلاً پہلی مرتبہ ۱۵ روپے ملے تو اگر آپ کے پاس پہلے سے ایسا مال بقدر نصاب موجود ہے تو یہ پندرہ روپے اس موجودہ روپے کے ساتھ ملا کر حساب ہوگا چنانچہ جب ان ایک سو پندرہ روپے کا سال پورا ہوگا تو یہ سمجھا جائے گا کہ قرض سے وصول

ہونے والے پندرہ روپے پر بھی پورا سال گزر گیا لہذا پورے ایک سو تیس روپے کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ نقد روپیہ قرض دیا نہ سونا چاندی دیا اور نہ کوئی چیز فروخت کی بلکہ کسی اور سبب سے آپ کا دوسرے کے ذمے ہو گیا۔ مثلاً عورت کا مہر شوہر کے ذمہ ہو یا شوہر کا بدل خلع عورت کے ذمہ ہو یا دیت (خون بہا) کسی کے ذمہ ہو یا ملازم کی تنخواہ ادا کرنا باقی ہو ایسے قرض کو فقہاء دین ضعیف کہتے ہیں اور اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کا حساب وصول ہونے کے دن سے ہوگا پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی چنانچہ وصول ہونے کے بعد اگر اس پر ایک سال گزر گیا تو اس سال کی زکوٰۃ فرض ہوگی ورنہ نہیں۔ (شامی جلد ۲ ص ۵۴)

مسئلہ : پراویڈنٹ فنڈ تیسری قسم میں داخل ہے لہذا ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا اسی وقت سے اس روپے کے سال کی ابتدا ہوگی اور پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

اطلاع : اس مسئلہ میں بعض علماء کا اختلاف ہے وہ اس کو دین قوی یا متوسط قرار دیتے ہیں اور اس پر بھی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم کرتے ہیں اس لئے احتیاطاً کوئی ادا کر دے تو افضل ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق مع دلائل کے دیکھنا ہو تو ”ضمیمہ امداد الفتاویٰ“ جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دے دی تو اس کا حکم

۱۔ اگر کوئی مالدار کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہے سال گزرنے سے پہلے ہی زکوٰۃ دے دے تو یہ جائز ہے۔ اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اگر وہ فی الحال مالدار نہیں بلکہ کہیں سے مال ملنے کی امید پر مال سے پہلے ہی زکوٰۃ دے دی تو یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی جب یہ مال مل جائے اور اس پر سال گزر جائے تو دوبارہ زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ (ہدایہ جلد اول)

۲۔ مالدار شخص اگر کئی سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے البتہ اگر کسی سال مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔ (درمختار شامی)

۳۔ کسی کے پاس ایک سو بیس روپے ضرورت سے زیادہ رکھے ہیں اور سو روپے مزید ملنے کی امید ہے اس نے پورے ۲۲۰ روپے کی زکوٰۃ دے دی تو یہ بھی جائز ہے لیکن ختم سال پر روپیہ نصاب سے کم رہ گیا مثلاً ایک سو روپے باقی رہ گئے تو زکوٰۃ معاف ہوگی اور دیا ہوا صدقہ نافلہ ہو گیا اس کا ثواب ملے گا۔ (درمختار شامی جلد اول)

سال مکمل ہونے کے بعد مال ختم یا کم ہو جانے کا حکم

۱۔ کسی کے مال پر پورا سال گزر گیا لیکن ابھی زکوٰۃ نہیں دی کہ تمام مال چوری ہو گیا یا کسی اور طریقہ سے ضائع ہو گیا تو زکوٰۃ معاف ہو گئی لیکن اگر اپنا مال اپنے اختیار سے کسی کو دے دیا یا کسی اور طرح اپنے اختیار سے ضائع کر دیا تو جس قدر زکوٰۃ فرض ہوئی تھی وہ معاف نہیں ہوگی بلکہ دینا پڑے گی۔ (ہدایہ در مختار جلد ۲)

۲۔ سال پورا ہونے کے بعد کسی نے زکوٰۃ کی نیت کے بغیر اپنا مال خیرات کر دیا تو بھی زکوٰۃ معاف ہو گئی۔ (ہدایہ جلد ۱)

www.ahlehaq.org



احکام عید الاضحیٰ

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے عشرہ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں۔ ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات میں عبادت کرنا شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

قرآن مجید سورۃ الفجر میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ وہ دس راتیں جمہور کے قول میں یہی عشرہ ذی الحجہ کی راتیں ہیں۔ خصوصاً نویں تاریخ یعنی عرفہ کا دن اور عرفہ اور عید کی درمیانی رات، ان تمام ایام میں بھی خاص فضیلت رکھتے ہیں۔ عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بہت بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

تکبیر تشریق

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد
عرفہ یعنی نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز فرض کے بعد باواز بلند ایک مرتبہ یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے اور تنہا پڑھنے والے اس میں برابر ہیں اسی طرح مرد و عورت دونوں پر واجب ہے البتہ عورت باواز بلند تکبیر نہ کہے آہستہ کہے۔ (شامی)

تنبیہ

اس تکبیر کا متوسط بلند آواز سے کہنا ضروری ہے بہت لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں پڑھتے ہی نہیں یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں اس کی اصلاح ضروری ہے۔

نماز عید

عید الاضحیٰ کے روز یہ چیزیں مسنون ہیں :

صبح سویرے اٹھنا، غسل و مسواک کرنا، پاک صاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا، خوشبو لگانا عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عید گاہ کو جاتے ہوئے تکبیر مذکور الصدر باواز بلند پڑھنا۔

نمازِ عید دو رکعت ہیں مثل دوسری نمازوں کے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی رکعت میں سبحانک اللہم پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا چاہئے۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں، دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں، نمازِ عید کے بعد خطبہ سننا واجب ہے۔

قربانی

قربانی ایک اہم عبادت اور شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا مگر بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اسی طرح آج تک بھی دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ بتوں کے نام پر یا مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں۔ سورہ انا اعطیناک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی قربانی بھی اس کے نام پر ہونا چاہئے۔ فصل لربک وانحر کا یہی مفہوم ہے۔

دوسری ایک آیت میں اس مفہوم کو دوسرے عنوان سے اس طرح بیان فرمایا ہے :

ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین - (ابن کثیر)

رسول اللہ ﷺ نے بعد ہجرت دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ ہر سال برابر قربانی کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہر شخص، ہر شہر میں بعد تحقیق شرائط واجب ہے (ترمذی) اور مسلمانوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے، اسی لئے جمہور اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ (شامی)

قربانی کس پر واجب ہوتی ہے

قربانی ہر مسلمان، عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہوتی ہے۔ جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد موجود ہو یہ مال خواہ سونا، چاندی یا اس کے زیورات ہوں یا مال تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ۔ (شامی)

قربانی کے معاملہ میں اس پر سال گزرنے کا بھی شرط نہیں، بچہ اور مجنون کی ملک میں اگر اتنا مال ہو بھی تو اس پر یا اس کی طرف سے اس کے ولی پر قربانی پر واجب نہیں، اسی طرح جو شخص شرعی قاعدے کے موافق مسافر ہو اس پر بھی قربانی لازم نہیں۔ (شامی)

مسئلہ : جس شخص پر قربانی واجب نہ تھی اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اس کی قربانی واجب ہوگئی۔ (شامی)

قربانی کے دن

قربانی کی عبادت صرف تین دن کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے دنوں میں قربانی کی کوئی عبادت نہیں، قربانی کے دن ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں، اور بارہویں تاریخیں ہیں ان میں جب چاہے قربانی کر سکتا ہے، البتہ پہلے دن کرنا افضل ہے۔

قربانی کے بدلے میں صدقہ و خیرات

اگر قربانی کے دن گزر گئے ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہیں کر سکا تو قربانی کی قیمت فقراء مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا، ہمیشہ گناہ رہے گا، کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے۔

جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا، ایسے ہی صدقہ و خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی، رسول کریم ﷺ کے ارشادات اور تعامل اور تعامل صحابہ کرامؓ اس پر شاہد ہیں۔

جن بستیوں، شہروں میں نماز جمعہ و عیدین جائز ہے وہاں نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی نے نماز سے پہلے قربانی کر دی تو اس کو دوبارہ قربانی لازم ہے۔ البتہ چھوٹے گاؤں میں جہاں جمعہ و عیدین کی نمازیں نہیں ہوتیں تو یہ لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں، ایسے ہی اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن نہ ہو سکے تو نماز عید کا وقت گزر جانے کے بعد قربانی درست ہے۔

مسئلہ : قربانی رات کو بھی جائز ہے، مگر بہتر نہیں۔ (شامی)

قربانی کے جانور

بکرا، دنبہ، بھیڑ کی ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے۔ گائے، بیل، بھینس، اٹ، سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے، بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو، کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی نہ ہو۔

مسئلہ : بکرا، بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے، بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا فریبہ اور تیار ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو وہ بھی جائز ہے، گائے، بیل، بھینس دو سال کی اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ ان عمروں سے کم جانور قربانی کے لئے کافی نہیں۔

مسئلہ : اگر جانوروں کا فروخت کرنے والا عمر پوری بتاتا ہے اور ظاہری حالات میں اس کے بیان کی تکذیب نہیں ہوتی، اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

مسئلہ : جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں، یا بیچ میں سے ٹوٹ گیا ہو، اس کی قربانی درست ہے، ہاں سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو جس کا اثر دماغ پر ہونا لازم ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (شامی)

مسئلہ : خصی (بدھیا) بکرے کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے۔ (شامی)

مسئلہ : اندھے، کانے، لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں، اسی طرح ایسا مریض اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں سے نہ جاسکے اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ : جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (شامی)

مسئلہ : جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں۔ (شامی) (درمختار)۔ اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور بالکل نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ : اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا پھر اس میں کوئی عیب مانع قربانی پیدا ہو گیا، تو اگر خریدنے والا غنی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے، اور اگر یہ شخص غنی صاحب نصاب ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی

کرے۔ (درمختار)

قربانی کا مسنون طریقہ

اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے۔ اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے مگر ذبح کے وقت وہاں خود بھی حاضر رہنا افضل ہے۔

مسئلہ : اپنی قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ اکبر کہنا ضروری ہے، سنت ہے کہ جب جانور کو ذبح کرنے کے لئے رو قبلہ لٹائے تو یہ دعا پڑھے :

انی وجہت وجہی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من
المشرکین۔ ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین
اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے :

اللهم نقبلہ منی کما تقبلت من حبیبک محمد و خلیلک
ابراہیم علیہما السلام

قربانی کا گوشت

- ۱۔ جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں تو گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے اندازہ سے تقسیم نہ کریں۔
- ۲۔ افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل و عیال کے لئے رکھے، ایک حصہ احباب و اعزاء میں تقسیم کرے، ایک حصہ فقراء و مساکین میں تقسیم کرے، اور جس شخص کا عیال زیادہ ہو وہ تمام گوشت خود بھی رکھ سکتا ہے۔
- ۳۔ قربانی کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے۔
- ۴۔ ذبح کرنے والے کی اجرت میں گوشت یا کھال دینا جائز نہیں، اجرت علیحدہ دینی چاہئے۔

قربانی کی کھال

- ۱۔ قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لانا مثلاً مصلے بنالیا جائے یا چمڑے کی کوئی چیز ڈول وغیرہ بنوالیا جائے یہ جائز ہے لیکن اگر اس کو فروخت کیا تو اس کی قیمت اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں بلکہ

صدقہ کرنا اس کا واجب ہے اور قربانی کی کھال کو فروخت کرنا بدون نیت صدقہ کے جائز بھی نہیں۔ (عالمگیری)

۲۔ قربانی کی کھال کسی کی خدمت کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں۔ اس لئے مسجد کے موزن یا امام وغیرہ کے حق الخدمت کے طور پر ان کو کھال دینا درست نہیں۔

۳۔ مدارس اسلامیہ کے غریب و نادار طلباء ان کھالوں کا بہترین مصرف ہیں، کہ اس میں صدقہ کا ثواب بھی ہے اور احیائے علم دین کی خدمت بھی مگر مدرسین و ملازمین کی تنخواہ اس سے دینا جائز نہیں۔

واللہ الموفق والمعین

www.ahlehaq.org



مسائل حاضرہ

اذان، نماز، خطبہ جمعہ عربی زبان میں کیوں ضروری ہیں؟

دلائل شرعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ نماز اذان وغیرہ عربی زبان میں ہوں غیر عربی میں نہ ہوں کیونکہ تمام عمر آنحضرت ﷺ سے اس کے خلاف ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ سے کبھی غیر عربی میں ثابت ہوا حالانکہ ان میں بہت سے حضرات عجمی زبانوں سے واقف تھے۔

خطبہ جمعہ غیر عربی میں جائز نہیں

سنن اور آداب خطبہ کا ثبوت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کے تعامل سے ہے۔ جس کی بنا پر فقہانے ان آداب کی تصریح فرمائی ہے عالمگیری کتاب الصلوٰۃ باب سادس ص ۱۳۷ ج ۱ مصری اور بحر الرائق ص ۱۵۹ ج ۲ میں ان کی تفصیل موجود ہے۔

خطبہ عربی میں ہونا حضرت امام ابو یوسف و محمد اور حضرت شاہ ولی اللہ اور امام نووی و رافعی وغیرہ نے اسی دلیل سے ثابت کیا ہے جس سے پندرہ سنتیں ثابت ہیں یعنی عمل اور مواظبتہ نبی کریم ﷺ اور پھر صحابہ کرام کی باوجود یہ کہ جس طرح آج تبلیغ احکام اور ان کی تمیم و اشاعت کی حاجت ہے اس وقت اس سے زیادہ تھی کیونکہ اب تو کتب و رسائل ہر قوم کی زبان میں ہزار ہا موجود ہیں اور اس وقت سلسلہ تصنیف بالکل نہ تھا۔ نیز یہ بھی نہ تھا کہ حضور ﷺ کے مخاطب ہمیشہ اہل عرب ہی ہوں بلکہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ روم و فارس اور مختلف بلاد عجم کے لوگ آنحضرت ﷺ کی مجلس خطبہ میں شریک ہوتے تھے اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضور ﷺ بوجہ مادری زبان عربی ہونے کے دوسری زبان میں خطبہ نہ دیتے تھے تو اگر مقصود خطبہ وعظ و تبلیغ ہی تھا اور تبلیغ سرور کائنات ﷺ کی ظاہر ہے کہ تمام اقوام عالم عرب و عجم کے لئے عام ہے تو عجموں کی رعایت سے ایسا کیا جاسکتا ہے کہ کسی صحابی کو حکم فرمادیتے تو خطبہ کے بعد ہی اس کا ترجمہ عجم کی زبان میں سنا دیتے جیسا کہ بعض وفود وغیرہ سے مکالمہ کے وقت ترجمان سے کام لیا جاتا تھا۔

لیکن تمام عمر نبوی میں اس قسم کا ایک واقعہ بھی مروی نہیں۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک سیل رواں کی صورت میں بلاد عجم میں داخل ہوئے اور دنیا کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جہاں

اسلام کا کلمہ نہیں پہنچا دیا اور شعائر اسلام (نماز جمعہ اور عیدین) قائم نہیں کر دیئے۔ ان حضرات کے خطبے تاریخ کی کتابوں میں آج بھی بالفاظہاند کور و مدون ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی بلادِ عجم میں داخل ہونے کے بعد اپنے مخاطبین کی ملکی زبان میں خطبہ نہیں دیا حالانکہ وہ ابتدائے فتح اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا۔ جب کہ تمام لوگ تبلیغ احکام کے لئے آج سے کہیں زیادہ محتاج تھے۔

یہاں یہ شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کو عجمی زبان کی واقفیت نہ تھی کیونکہ بہت سے صحابہ کرامؓ کے متعلق ان کی سوانح و تذکروں میں تصریح ہے کہ وہ فارسی یا رومی یا حبشی وغیرہ زبانیں جانتے اور ان میں بخوبی تقریر کرتے تھے حضرت زید بن ثابتؓ کے متعلق ثابت ہے کہ وہ بہت سی مختلف زبانیں جانتے تھے۔ اسی طرح حضرت سلمانؓ تو خود فارس کے رہنے والے اور حضرت بلالؓ حبشہ کے اور حضرت صہیبؓ روم کے باشندے تھے اسی طرح بہت سے حضرات صحابہؓ ہیں جن کی مادری زبانیں عربی کے علاوہ دوسری تھیں۔

اس کے علاوہ اگر معانی خطبہ کو عجمیوں کے علم میں لانا بوقت خطبہ ہی ضروری سمجھا جاتا اور خطبہ کا مقصد صرف تبلیغ ہی ہوتی تو جو سوال آج کیا جاتا ہے کہ خطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اردو یا دوسری ملکی زبانوں میں کر دیا جائے تو یہ کیا اس وقت ممکن نہ تھا؟ جیسا کہ دوسری ملکی اور سیاسی ضرورتوں کے لئے ہر صوبہ میں عمال حکومت اپنے پاس ترجمان رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک مستقل ترجمان انہیں ضرورتوں کے لئے اپنے پاس ملازم رکھا ہوا تھا (رواہ البخاری فی الوفود) لیکن اس کے باوجود کبھی نہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ آپ نے عربی خطبہ کا ترجمہ ترجمان کے ذریعہ ملکی زبان میں کرایا ہو اور نہ کسی دوسرے صحابی سے۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ خطبہ کے لئے سنت یہی ہے کہ صرف عربی زبان میں پڑھا جائے اور بوقت خطبہ کوئی ترجمہ وغیرہ بھی اس کا نہ کیا جائے۔ عبارات ذیل اس مقصد کی دلیل ہیں محدث الہند، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اپنی شرح موطا میں تحریر فرماتے ہیں۔

”جب ہم نے نبی کریم ﷺ کے خطبوں پر نظر ڈالی تو ان میں چند چیزوں کا ثبوت ملا جن میں

سے حمد و ثنا اور کلمہ شہادت اور درود نبی کریم ﷺ پر اور تقویٰ کا امر کرنا اور کسی آیت کا پڑھنا اور

تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرنا اور خطبہ کا عربی زبان میں ہونا“۔

پھر فرمایا کہ خطبہ خاص عربی زبان میں ہونا اس لئے ہے کہ تمام مسلمانوں کا مشرق و مغرب میں

یشہ یہی عمل رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ بہت سے ممالک میں مخاطب عجمی لوگ تھے۔

اور امام نووی نے کتاب الاذکار میں تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو اور درمختار میں شروع فی الصلوٰۃ کے بیان میں لکھتے ہیں :

وعلى هذا الخلاف الخطبت وجميع الاذکار

”یعنی خطبہ اور تمام اذکار و اوراد میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب غیر عربی میں جائز فرماتے ہیں اور صاحبین ناجائز (لیکن امام صاحب سے صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے)۔ اور ائمہ شوافع میں سے امام رافعی فرماتے ہیں :

فهل يشترط كون الخطبت كلها بالعربيت وجهان الصحيح اشتراطه فان لم يكن منهم من يحسن العربيته خطب بغيرها ويجب عليهم التعلم والا عصوا ولا حجت لهم - (شرح احياء العلوم لزيد الصفحہ ۴۳۶ جلد نمبر ۳)
”اور کیا خطبہ کا عربی میں ہونا شرط ہے اس میں دو وجہ ہیں صحیح یہ ہے کہ عربی میں ہونا شرط ہے۔ پس اگر کوئی ایسا آدمی حاضرین میں نہ ہو جو عربی پڑھ سکے تو عربی کے سوا دوسری زبان میں خطبہ پڑھے۔ اور پھر ان پر واجب ہوگا کہ عربی سیکھیں ورنہ گناہگار ہوں گے۔“

اس شبہ کا جواب کہ جب مخاطب سمجھتے نہیں تو پھر خطبہ عربی میں پڑھنے سے کیا فائدہ

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ خطبہ جمعہ کا مقصود اصلی صرف وعظ و تذکیر نہیں بلکہ ذکر اللہ اور ایک عبادت ہے اور ایک جماعت فقہاء کی اسی وجہ سے اس کو دو رکعتوں کا قائم مقام کہتی ہے تو اب یہ سوال سرے سے منقطع ہو گیا کہ جب مخاطب عربی عبارت کو سمجھتے ہی نہیں تو عربی میں خطبہ پڑھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اگر یہ سوال خطبہ پر عائد ہوگا تو پھر صرف خطبہ پر نہ رہے گا بلکہ نماز اور قراۃ قرآن پاک پر بہ نسبت خطبہ کے زیادہ چسپاں ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید کی غرض و غایت تو اول سے آخر تک ہدایت ہی ہدایت ہے اور وہ تبلیغ احکام ہی کے لئے نازل ہوا ہے اور پھر اذان و اقامت اور تکبیرات جن کا مقصد محض لوگوں کو جمع کرنا یا کسی خاص عمل کا اعلان کرنا ہے۔

اُردو میں اذان کیوں نہیں؟

یہاں یہ سوال بہ نسبت خطبہ کے زیادہ وضاحت کے ساتھ عائد ہوگا کہ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ کون جانتا ہے۔ نماز کو چلو، نماز کو چلو کی آواز دینی چاہئے یا کم از کم ترجمہ کر دینا

چاہیے اور اگر شبہ کیا جائے کہ اذان تو کلمات مقررہ میں ایک اصطلاح سی ہو گئی ہے باوجود معانی نہ سمجھنے کے بھی مقصد اعلان حاصل ہے تو صحیح نہیں کیونکہ نفس اعلان اور اصطلاح کے لئے تو چند کلمات تکبیر و شہادتین بھی کافی تھے ان سے اعلان کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو پھر سرے سے باقی الفاظ کا کہنا ہی فضول ہوگا۔

لیکن غالباً کوئی سمجھ دار مسلمان اس کو تجویز نہ کرے گا کہ نماز مع قرأت و تکبیرات کے اور اسی طرح تمام شعار اسلامیہ اذان و اقامت وغیرہ کو اردو یا دوسری ملکی زبانوں میں پڑھا جایا کرے۔ بلکہ سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی اصلی غرض اگرچہ تبلیغ احکام ہی ہے لیکن نماز میں اس کے پڑھنے کی غرض اصلی یہ نہیں بلکہ وہاں صرف ادائیگی عبادت اور ذکر اللہ مقصود ہے اور نماز میں اسی حیثیت سے قراۃ قرآن پاک کی جاتی ہے تبلیغ و وعظ مقصود نہیں ہوتا اور اگر حاصل ہو جائے تو وہ ضمننا ہے۔

ٹھیک اسی طرح خطبہ جمعہ کو سمجھنا چاہئے کہ اس کا مقصد اصلی ذکر و عبادت ہے اور وعظ و پند جو اس میں ہے تبعاً ہی حاصل ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ کوئی حرج نہیں اس لئے قراۃ قرآن اور تکبیرات و اذان وغیرہ کی طرح خطبہ جمعہ کو بھی خالص عربی میں پڑھنا چاہئے دوسری زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر ترجمہ کرنا خلاف سنت بلکہ بدعت و ناجائز ہے اور نماز تو اس طرح ادا نہ ہوگی۔

یہاں تک اصل مسئلہ کا جواب تو صاف ہو گیا کہ خطبہ جمعہ عربی کے سوا کسی زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر دوسری زبان میں اسی وقت ترجمہ کرنا بدعت و ناجائز ہے۔ حضور ﷺ اور تمام خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرام کے عمل اور قرون مشہود لہا بالآخر کے تعامل کے خلاف ہے اور اول عربی میں پڑھ کر پھر ملکی زبان میں ترجمہ کرنے میں ایک دوسری قباحت بھی ہے وہ یہ کہ خطبہ کا مختصر ہونا اور اختصار کے ساتھ دس امور مذکورہ پر مشتمل ہونا سنت ہے اب اگر اس طرح کا خطبہ مسنونہ عربی میں پڑھنے کے بعد ترجمہ کیا جائے تو مجموعی مقدار خطبہ کی خطبہ مسنونہ کے دو گنے سے بھی کچھ زیادہ ہو جائے گی اور اگر امور مذکورہ مسنونہ میں سے کسی کو کم کیا تو دوسری طرح خلاف سنت ہو جائے گا بہر حال ترجمہ اردو پڑھنے میں یا تو تطویل خطبہ لازم آئے گی جو بنص حدیث ممنوع ہے۔ موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ قرن صحابہ کے خصوصی فضائل میں اختصار خطبہ کو اور آخر امت کے فتن و مفاسد میں تطویل خطبہ کو شمار فرماتے ہیں موطا مجتہبائی ص ۶۱، اور اگر تطویل نہ ہوگی تو خطبہ کے امور مسنون میں سے کوئی چیز ضرور باقی رہے گی اور اس طرح خلاف سنت ہو جائے گا۔

اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے جو اگرچہ شرعی حیثیت سے کوئی قابل التفات سوال نہیں لیکن موجودہ حالات کے لحاظ سے وہ کس قدر اہم ہو گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب خطبہ کا مقصد اصلی وعظ وپند نہیں بلکہ ذکر وعبادت ہے تو امام کو چاہئے تھا کہ نماز کی طرح مستقبل قبلہ ہو کر خطبہ دیتا قوم کی طرف متوجہ ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی بلکہ قوم کی طرف متوجہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ خطبہ کی اصلی غرض وعظ و نصیحت ہے۔ نیز جب کہ اس ذکر کا خاص عربی میں رکھنا مسنون ہے تو اس میں وعظ وپند کے کلمات اور مخاطبات کا رکھنا اکثر بلاد کے اعتبار سے بے فائدہ ہو گیا۔ پھر خطبہ میں وعظ و تذکیر کے کلمات کا تمام بلاد عجم میں مسنون ہونا کس حکمت پر مبنی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ احکام الہی اور تشریعات نبویہ ، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حکمتوں کو حق تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں لیکن سرسری نظر میں جو بات سامنے ہے وہ بھی ایک عظیم الشان حکمت پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

زبان کا اثر معاشرت اور اخلاق اور عقل و دین پر بہت زیادہ پڑتا ہے

اس کے سمجھنے کے لئے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ روزمرہ کے تجربہ اور عقلا کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ہر قوم کی زبان اور لغت کو طرز معاشرت اور اخلاق اور عقل و دین میں نہایت قوی دخل ہے اور ہر بات اور زبان کے کچھ اثرات مخصوصہ ہیں جب کسی قوم اور کسی ملک میں وہ زبان پھیلتی ہے تو وہ اثرات بھی ساتھ ساتھ عالمگیر ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ حالت کو اب پچاس برس پہلے کی حالت کے ساتھ اگر موازنہ کیا جائے تو اس کی تصدیق آنکھوں کے سامنے آجائے گی کہ جس وقت تک ہندوستان میں انگریزی زبان کی یہ کثرت نہ تھی اس دہریت اور آزادی و بے قیدی کی بھی یہ کثرت نہ تھی سرکاری اسکولوں کے ذریعہ ملک میں اس زبان کو عام کیا گیا تو ایسا ہو گیا کہ گویا ہندوستان کے طرز معاشرت اور اخلاق و دین سب ہی پر ڈاکہ ڈال دیا۔

زبان کی اشاعت و عموم کے ساتھ ہی ساتھ انگریزی معاشرت یورپین خیالات یورپین آزادی و دہریت و بے قیدی کی طرح پھیل گئی اور جس وقت مسلمانوں کی قسمت میں ترقی لکھی تھی تو ان کے لئے بھی زبان عربی کی اشاعت نے وہی کام کیا تھا جو آج غیروں کی زبان کر رہی ہے بلکہ اگر تاریخ دیکھی جائے تو بلاشبہ مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ عربی زبان نے تمام دنیا کو ایسا مفتوح کیا تھا کہ کوئی خطہ بھی اس کے

حلقہ اثر سے خارج نہ رہا تھا اور تقریباً ایک ہزار سال کامل تمام عالم پر ایسی حکومت کی کہ دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے یقیناً عاجز ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ”اقتضا الصراط المستقیم“ میں عرب و عجم کی زبان پر مفصل کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

واعلم ان اعتیاد اللغت موثر فی الخلق والدين تاثیر اقویا بینا

”سمجھ لو کہ کسی خاص زبان کی عادت ڈال لینا عقل اور اخلاق اور دین میں بہت بڑی قوی

تاثیر رکھتا ہے جو بالکل ظاہر ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ ہر بادشاہ اپنی قومی زبان کو اپنی مملکت میں رائج کرنے کے لئے طرح طرح کی کوشش کرتا ہے۔

ہندوستان میں زبان انگریزی کی ترویج اور اس کا سیاسی مقصد

یورپین اقوام جو آزادی و حریت کی بہت دعویدار ہیں اور مساوات کا دم بھرتی ہیں جس وقت ہندوستان پر قبضہ کرتی ہیں تو ہزاروں طرح کی کوشش کر کے اور کروڑوں روپیہ خرچ کر کے اپنی خاص قومی زبان کو ہندوستان کی معاشرت کا جزو اعظم بنادیتی ہیں۔ ہندوستان میں اب اگرچہ زبان انگریزی کا عموم و شیوع بہت کچھ ہو چکا ہے لیکن اب بھی اگر مجموعی حیثیت سے مردم شماری پر نظر ڈالی جائے۔ کل ہندوستانی قلم و میں شاید پانچ فیصدی اشخاص بھی انگریزی جاننے والے نہ نکلیں گے لیکن اس کے باوجود حکومت کی طرف سے جو پرزہ کاغذ چلتا ہے تو انگریزی زبان کے سکہ کے ساتھ چلتا ہے ڈاک خانہ کے تمام کاغذات ریلوے کے ٹکٹ اور تمام کاغذات تمام عدالتوں کے عام کاغذات جو خاص طور سے ہندوستانیوں ہی کی اطلاع و کاروبار کے لئے جاتے ہیں وہ سب انگریزی زبان میں لکھے جاتے ہیں۔

خلق اللہ اس غیر زبان کی وجہ سے پریشان ہوتی ہے اور اصحاب معاملہ کو محض اس زبان کی دقت کی وجہ سے دو گنا خرچ ترجمانی وغیرہ برداشت کرنا پڑتا ہے مگر حکومت اس کی پروا نہیں کرتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا اس پر مجبور ہو گئی کہ انگریزی زبان حاصل کرے اس کے بغیر زندگی بسر کرنا مشکل ہو گیا۔ کوئی پوچھے کہ اس میں کوئی اہل ملک کی مصلحت تھی ہرگز نہیں محض سیاسی اور وہ یہ کہ اپنے حلقہ اثر کو وسیع کرنے اور معاشرت و تمدن اور اپنی نام نہاد تہذیب کو دنیا میں رواج دینا۔ ہمارے روشن خیال

برادر جو علماء سے یہ سوال پیش کرتے ہیں کہ عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے کیا فائدہ۔ کبھی اس طرف بھی نظر عنایت متوجہ فرمائی ہے کہ انگریزی زبان میں ڈاک اور ریل کے ٹکٹ وغیرہ چھاپنے سے کیا فائدہ۔ سفر کرنے والے کے عموماً انگریزی دان نہیں۔ اگر وہ حکومت کی اس گہری چال پر نظر ڈالتے تو انہیں خطبہ کی عربی ہونے کی حکمت خود بخود معلوم ہو جاتی۔

عربی زبان کی بعض خصوصیات

اس کے بعد اس پر غور کیجئے کہ یہی وہ بات ہے جس کو یورپ سے بہت پہلے مسلمانوں نے سمجھا تھا اور چونکہ یہ ایک فطری اور طبعی طریقہ اسلامی شعار کی اشاعت کا تھا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اپنے طرز عمل سے اس کو اتنا موکد کر دیا کہ تمام عمر اس کے خلاف ایک نظیر بھی ظاہر نہیں ہوتی۔

اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں عربی زبان نے تمام عالم کو فتح کر لیا اور اس طرح فتح کیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کیونکہ تاریخ اقوام پر نظر ڈالنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ جس وقت عربی زبان ممالک عجم میں مسلمانوں کی فاتحانہ مداخلت کے ساتھ داخل ہوئی تو بغیر کسی ایسے ناجائز جبر و تشدد کے جو آج ہم پر روارکھا جاتا ہے۔ عربی زبان کی جاذبہ محبوبیت نے اس طرح لوگوں کے قلوب میں جگہ کر لی کہ تھوڑی ہی مدت میں بہت سے ممالک عجم کی اپنی اصلی زبانیں یا لکلیہ متروک ہو کر عربی زبان ہی ملکی زبان ہو گئی۔

مصر اور شام میں اسلام سے پہلے رومی زبان رائج تھی مسلمانوں کے داخل ہوتے ہی عربی زبان نے ملکی زبان کی جگہ لے لی اسی طرح عراق اور خراسان کی وطنی زبان فارسی تھی کچھ عرصہ کے بعد متروک ہو کر عربی رائج ہو گئی۔ چنانچہ عراق کا ایک بہت بڑا حصہ آج تک عربی زبان کا پابند ہے جس کو عراق عرب ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں البتہ خراسان میں انقلابات و حوادث کی بنا پر پھر فارسیت غالب ہو گئی۔ ممالک مغربی یورپ وغیرہ میں بربری زبان رائج تھی وہاں بھی عربی زبان نے اپنا سکہ جمایا اور اگرچہ آج مدت مدیدہ کے بعد اب عربیت وہاں باقی نہیں رہی لیکن عربی لغت کے بہت سے آثار آج بھی انگریزی اور جرمنی اور فرانسیسی زبان میں موجود ہیں جیسا کہ انگریز مورخوں اور بعض مصنفین نے اس کا اقرار کیا ہے۔

نماز اور اذان اور خطبہ وغیرہ کو خاص عربی زبان میں رکھنا اسلام کا ایک اہم مذہب اور سیاسی مقصد ہے

الغرض شعائر اسلامیہ نماز، اذان اور تکبیرات اور خطبے جو مشاہد عامہ میں پڑھے جاتے ہیں ان کو عربی زبان میں کرنے کا سیاسی مقصد ہی یہ تھا کہ جب لوگ نہ سمجھیں گے اور ہر وقت اس سے سابقہ پڑے گا تو خواہ مخواہ عربی زبان سیکھنے کی طرف توجہ ہوگی جو کہ قرآن و حدیث اور علوم شریعہ کی ترجمان زبان ہے اور جس کا سیکھنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے چنانچہ یہی ہوا اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ زبان کا اثر اخلاق و عادات اور معاشرت و معاملات پر بہت گہرا ہوتا ہے عربی زبان کے بھی آثار مخصوصہ اس کے ساتھ ساتھ ہی عالمگیر ہو گئے۔ الغرض ان شعائر اسلامیہ کو عربی زبان میں رکھنے کی حکمت ایک سیاسی غرض ہے اور خطبہ جمعہ میں خصوصیت سے سیاست کا بھی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

خطبہ جمعہ میں سیاست کا مظاہرہ

چنانچہ دارالسلام میں خطبہ جمعہ کے خطیب کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ ان ممالک میں جو جہاد و جنگ کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں۔ خطبہ کے وقت خطیب تلوار باندھ کر خطبہ دے (کما صرح بہ فی الدر مختار والشمی ص ۵۵۳) اور سنن ابو داؤد میں نبی کریم ﷺ سے تلوار لے کر خطبہ دینا روایت کیا گیا ہے۔ اور اسی حکمت عمل کا نتیجہ ہے کہ آج بھی باوجود یکہ مسلمان مذہب اور مذہبی علوم سے کوسوں دور جا پڑے ہیں لیکن ہنوز ان میں قرآنی زبان کے ساتھ ایک خاص تعلق باقی ہے کہ ادنیٰ اشارہ سے مطلب سمجھ لیتے ہیں اور اس طرح عام مسلمان اپنے مرکز کے ساتھ مربوط ہیں۔ تعجب ہے کہ مسلمان اس حکمت کو نہیں سمجھتے بلکہ اعتراضات کرتے ہیں اور دوسری قومیں اس کا احساس کرتی ہیں اور اقرار کرتی ہیں۔

عربی زبان کے آثار خاصہ اور بعض یورپین مورخوں کا اعتراف

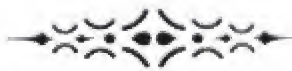
ڈاکٹر گستاوی بان کہتا ہے کہ زبان عربی کی نسبت ہم کو وہی کہنا ہے جو ہم نے عرب کی نسبت کہا ہے یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے۔ عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کر لیا۔ یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی، یونانی، قبطنی بربری وغیرہ کی جگہ لے لی۔

ایران میں ایک مدت تک عربی زبان قائم رہی اور اگرچہ اس کے بعد وہاں فارسی کی تجدید ہو گئی لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اس زبان میں ہوتی ہیں۔ ایران کے کل علوم و مذہب کی کتابیں عربی میں لکھی گئی ہیں ایشیا کے اس خطہ میں زبان عربی کی وہی حالت ہے جو ازمنہ متوسط ہمیں زبان لاطینی کی حالت یورپ میں تھی۔

ترکوں نے بھی جنہوں نے عربوں کے ملک فتح کئے انہی کی طرز تحریر اختیار کر لی اور اس وقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد لوگ بھی قرآن کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔ یورپ کی لاطینی اقوام کی البتہ ایک مثال ہے جہاں عربی زبان نے ان کی قدیم السنہ کی جگہ نہیں لیکن یہاں بھی انہوں نے اپنے تسلط کے بین آثار چھوڑے ہیں۔ موسیو ڈوزی اور موسیو انگلیسین نے مل کر زبان اندلس اور پرتگال کے ان الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہیں ایک لغت تیار کرالی ہے۔ فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے۔ موسیو سدی پونہایت درست لکھتے ہیں کہ ادورن اوسوٹر میں کی زبان بھی عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہو گئی ہے اور ان کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے۔

فرانسیسی زبان کے ایک لغت نویس جنہوں نے الفاظ کا اشتقاق دیا ہے، لکھتے ہیں: جنوبی فرانس میں عربوں کے قیام کا کوئی اثر نہ محاورہ پر رہا ہے اور نہ زبان پر۔ جو فہرست اوپر لکھی جا چکی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اس رائے کی کس قدر وقعت ہے نہایت تعجب کی بات ہے کہ اب بھی ایسے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس قسم کے مہمل اقوال کا اعادہ کرتے ہیں انتہی۔ (منقول از تحقیق الخطبہ لحضرة الاستاد، مولانا شبیر احمد عثمانی الدیوبندی)

دیکھئے اگر اگلے زمانہ کے مسلمان بھی ہماری طرح یہی رائے رکھتے ہیں کہ خطبات و تکبیرات وغیرہ شعائر اسلامیہ کو ملکی زبان میں کر دیا جائے تو آج عربی زبان کی وہ امتیازی خصوصیات جن کا سکہ دوسری اقوام کو بھی ماننا پڑ گیا ہے، کس طرح محفوظ رہ سکتیں۔



رجم کی سزا قرآن و سنت کی روشنی میں

قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے :

پتھر مارنے : وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ (۱۱ : ۹۱) ، لَا رَجْمَ لَكَ (۱۹ : ۴۶) ،
يَرْجُمُونَكُمْ (۱۸ : ۲۰) ، مزید دیکھئے (۳۶ : ۱۸) و (۴۴ : ۲۰) و (۶۷ : ۵) و
(۲۶ : ۱۱۶) اور لعنت کرنا، دھتکارنا ، دیکھئے (۱۵ : ۳۴) و (۸۱ : ۲۵) و (۳ : ۳۶) ،
انگل بچوں تخمینہ لگانا (۱۸ : ۲۳) اور تہمت لگانا (۱۹ : ۴۶) ۔

فقہی اصطلاح میں ”رجم“ اس حد (شرعی سزا) کو کہا جاتا ہے جو مُحْصَن (تشریح آگے
آئے گی)۔ زانی کے لئے مقرر کی گئی ہے اور جس میں مجرم کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔
ذیل میں اسی سزا کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی جائے گی۔

شرعی سزا کے طور پر ”رجم“ کا تذکرہ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں
ملتا ہے۔ موجودہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ شریعت میں ”رجم“ یعنی سنگسار کر کے ہلاک
کر دینا متعدد جرائم کی سزا تھی۔

- ۱۔ زنا کی (احبار، ۲۰: ۱۰ و استشنا ، ۲۲ : ۲۱ تا ۲۷)
- ۲۔ شرک اور بت پرستی کی دعوت دینے کی (استشنا ، ۱۳ : ۱۰ و ۶۱۷)
- ۳۔ بتوں کے نام پر نذر کرنے کی (احبار، ۲۰ : ۲)
- ۴۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنے کی (استشنا ، ۲۱ : ۲۱)
- ۵۔ خدا کے نام پر لعنت کرنے کی (احبار ، ۲۴ : ۱۶ و سلاطین باب ۲۱)
- ۶۔ حضرت یوشع علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب تھے، کے بارے میں
منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کی بنا پر بھی سنگسار کیا تھا۔
(یشوع ، ۷ : ۱۶ تا ۲۷)

حضرت رسول اکرم ﷺ کی شریعت میں ”رجم“ کی سزا صرف اس زنا کار کے لئے مخصوص
کردی گئی جو شادی شدہ ہو اور جس میں ”محسن“ کی وہ شرائط پائی جاتی ہوں جن کا بیان

آگے آرہا ہے۔ اور سزا کا اصل ثبوت ان احادیث سے ہوا ہے جو معنی متواتر ہیں۔

(الآلوسی: روح المعانی، ۱۸: ۹۷۱، إدارة الطباعة المنيرية، مصر)

قرآن مجید میں صراحتہ اس سزا کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ سورۃ المائدہ کی آیات،
يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ . (تا)
وَمَنْ لَّمْ يُحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ . (۵: ۴۱ تا ۴۴)

میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کیونکہ ان آیات کے مستند شان نزول کے مطابق ان آیات میں ”حُكْمُ اللَّهِ“ اور ”مَا أَنْزَلَ اللَّهُ“ سے مراد زانی کو رجم کی سزا دینے کا حکم ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہ آیات ایک ایسے یہودی کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جس نے زنا کر لیا تھا اور یہودی اس کا فیصلہ اس خیال سے آنحضرت ﷺ کے پاس لائے تھے کہ اگر آپ ﷺ نے رجم کے علاوہ کوئی اور فیصلہ کیا تو اسے مان لیں گے اور اگر رجم کا فیصلہ کیا تو اس سے انکار کر دیں گے۔

آیات مذکورہ میں اِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا سے یہی مراد ہے۔ پھر آپ ﷺ نے رجم کا فیصلہ فرمایا اور ان پر یہ بھی ثابت کر دیا کہ خود تورات میں بھی رجم ہی کا حکم مذکور ہے۔ اسی موقع پر علمائے یہود نے یہ اعتراف بھی کیا کہ تورات میں زنا کی اصل سزا رجم ہی تھی۔ پھر جب یہودی شرفاء میں زنا کارواج عام ہوا تو ہم نے شرفاء کو اس سزا سے مستثنیٰ کرنا شروع کر دیا۔ بعد میں اس تفریق کو ختم کرنے کے لئے ہم نے رجم کی سزا کو بالکل ہی موقوف کر دیا اور اس کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا مقرر کر دی۔

(دیکھئے مسلم، الصحیح، کتاب اللہ وودود، ۲: ۷۰، مطبوعہ کراچی و ابن کثیر، تفسیر، ۲: ۷۵ تا ۷۶، مطبوعہ مصطفیٰ محمد، مصر ۱۳۵۶ھ)

لہذا صاف بات یہ ہے کہ رجم کا ثبوت ان احادیث سے ہوا ہے جو معنی متواتر ہیں اور قرآن مجید میں اس حکم کا مذکور نہ ہونا اس کے عدم ثبوت کی دلیل نہیں۔ جس طرح نمازوں کی اوقات اور ان کی رکعات کی تعداد قرآن مجید میں موجود نہیں لیکن متواتر احادیث اور مسلسل و تعامل کی وجہ سے ان کا ثبوت ناقابل انکار ہے اسی طرح رجم کا ثبوت بھی متواتر حدیث اور اجتماعی تعامل کی بنا پر ہوا ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :

”مجھے ڈر ہے کہ لوگوں پر زمانہ دراز گزر جائے تو کوئی کہنے والا یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کا حکم اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے، پھر کہیں لوگ ایسے فریضہ کو چھوڑ کا گمراہ نہ ہو جائیں جو اللہ نے نازل کیا تھا۔ خوب سن لو کہ رجم کا حکم اس شخص کے لئے حق ہے جو محسن ہونے کی حالت

میں زنا کرے جب کہ اس پر گواہیاں قائم ہو جائیں یا جل ثابت ہو جائے یا ملزم خود اعتراف کرے۔ (بخاری، الصحیح، ۲: ۱۰۰۷، صحیح المطالع دہلی ۱۳۵۷ھ)

حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو رجم کرنے کے بعد فرمایا :
”میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق رجم کیا۔“

(بخاری، الصحیح، ۲: ۱۰۰۶، باب رجم المحسن)

جن صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے زانی محسن کو رجم کرنے کا حکم یا عمل روایت کیا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ بن ابی طالب، عبد اللہؓ بن ابی اوفی، جابرؓ بن عبد اللہ، ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، زید بن خالدؓ (ان سب کی روایات البخاری، الصحیح، ۲: ۱۰۰۶ تا ۱۰۱۱ میں موجود ہیں)۔ عبادہؓ بن صامت، سلمہؓ بن الحبحق، ابو ہریرہؓ، ہزالؓ، جابرؓ بن سمرہ، لجلانؓ، ابو بکر صدیقؓ، بریدہؓ، ابو ذر غفاریؓ، نصرؓ بن دہر اسلمی، عمرانؓ بن حصین، ابوبکرؓ، ابوسعید خدریؓ، نعمانؓ بن بشیر، براءؓ بن عازب (ان کی روایات مسند احمد میں مروی ہیں)۔ (دیکھئے الفتح الربانی، ۱۸: ۱۶ تا ۱۰۵، مصر ۱۳۷۱ھ) ابی بن کعب، زیدؓ بن حارث، عبد اللہ بن مسعودؓ (الہیاتی السنن الکبریٰ، ۸: ۲۱۱ و ۲۱۳، دائرہ المعارف، دکن ۱۳۵۴ھ) قبیسہؓ بن حرث، انسؓ بن مالک، عجماءؓ، سہلؓ بن سعد، عبد اللہ بن الحارث ابن الخیر (الہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۲۶۴ و ۲۶۵ و ۲۶۸ و ۲۷۱، دار الکتب بیروت ۱۹۶۷ء) وائلؓ بن حجر (محمد بن محمد، جمع الفوائد، ۱: ۵۲، المدینۃ المنورہ ۱۳۸۱ھ)، عثمانؓ بن عفان اور ابوامامہؓ بن سہل بن حنیف (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۰۱، صحیح المطالع کراچی)

رضی اللہ عنہم اجمعین

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں شادی شدہ زنا کرنے والوں پر رجم کی سزا عائد کرنے کے متعدد واقعات پیش آئے جن میں زیادہ مشہور واقعات چار ہیں :

ایک حضرت ماعزؓ، ابن مالک اسلمی کا، دوسرے بنو غامد کی ایک عورت کا، تیسرے ایک اعرابی کی بیوی کا جس کے رجم کے لئے آپ نے حضرت انیس اسلمیؓ کو بھیجا تھا اور چوتھے دو یہودیوں کا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

یہ تمام واقعات صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ پہلے تینوں واقعات میں مجرموں نے خود زنا کا واضح اعتراف کیا تھا۔ گواہوں کے ذریعے رجم کا کوئی واقعہ عہد رسالت میں مسلمانوں کے درمیان پیش نہیں آیا البتہ یہودیوں کا رجم گواہوں کی بناء پر ہوا تھا۔ (ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۱۲، ص ۱، المطابع کراچی) قرآن مجید کی آیت :

الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة - (النور، ۲)

(یعنی زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ) میں جو حکم مذکور ہے وہ مذکورہ احادیث متواترہ کی بناء پر باجماع صرف غیر شادی شدہ زانی کا حکم ہے اور یہ خیال درست نہیں ہے کہ رجم کے واقعات اس آیت کے نزول سے پہلے کے ہیں اور اس آیت نے رجم کے حکم کو منسوخ کر کے ہر قسم کے زانی کے لئے کوڑوں کی سزا مقرر کر دی ہے اس لئے کہ مضبوط دلائل سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے نزول کے بعد رجم پر عمل فرمایا ہے۔ یہ آیت سورۃ النور کی ہے جو واقعہ اُفک (۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ) میں نازل ہوئی تھی۔ لہذا اس کا نزول زیادہ سے زیادہ ۶ھ میں ہوا ہے۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۱۰: ۱۲، مصر ۱۳۳۸ھ)

اور رجم کے تقریباً تمام واقعات ۶ھ کے بعد کے ہیں اس لئے کہ متعدد ایسے صحابہ نے رجم کے واقعات کا مشاہدہ کیا ہے جو ۶ھ کے بعد اسلام لائے تھے مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ۔ صحیح بخاری میں تصریح ہے کہ عسیف والے واقعہ میں وہ خود موجود تھے چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے وہ خود فرماتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ -

(بخاری، ص ۱، باب الاعتراف بالزنا، ۲: ۱۰۰۸، ص ۱، المطابع، دہلی ۱۳۵۷ھ)

حالانکہ حضرت ابو ہریرہؓ خیبر کے موقع پر (۷ھ میں) اسلام لائے ہیں۔ اسی طرح المزمارؓ اور الطبرانیؒ کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزءؓ یہودیوں کے رجم میں شریک تھے فرماتے ہیں، فَكُنْتُ فِي مَنْ رَجَمَهُمَا (الشمی، مجمع الزوائد، ۶: ۲۷۱، دار الکتاب بیروت ۱۹۶۷ء) اور وہ اپنے والد کے ساتھ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد اسلام لائے تھے (دیکھئے فتح الباری، ۱۲: ۱۳، باب احکام اهل الذمة و احصانهم اذا زنوا، المطبعة المہتية، مصر ۱۳۳۸ھ) ادھر احمد، مسند اور الطبرانی، معجم میں حضرت ابن عباسؓ نہیں یہودیوں کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

فَكَانَ مِمَّا صَنَعَ اللَّهُ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي

تَحْقِيقِ الرِّبَا مِنْهُمَا . (مجمع الزوائد، ۶: ۲۷۱)

یعنی اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے زنا کے حکم کی تحقیق ان یہودیوں کے ذریعہ کرائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کا واقعہ رجم کا سب سے پہلا واقعہ تھا، باقی تمام واقعات اس کے بعد ہوئے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رجم کے تمام واقعات فتح مکہ کے بعد ہوئے ہیں یعنی سورۃ النور نازل ہونے کے کم از کم دو سال بعد۔ لہذا اگر سورۃ النور کا حکم ہر قسم کے زانی کے لئے ہوتا تو آپ ﷺ اس کے نزول کے بعد کسی کو رجم نہ فرماتے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کا رجم فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سورۃ النور کا حکم صرف غیر محسن زانی کی شرعی سزا رجم کرنے کا حکم مسلمانوں میں اجماعی اور غیر مختلف فیہ رہا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

”صحابہ کرام، اسلاف، علمائے امت اور ائمہ مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ زانی محسن کو سنگسار کیا جائے گا اور خوارج کا رجم سے انکار کرنا باطل ہے۔“

(روح المعانی، ۸: ۱۸ و ۷۹، ادارۃ الطباعة المنیر یہ مصر)

علامہ کمال الدین ابن الہمام لکھتے ہیں:

رجم پر صحابہؓ اور تمام پچھلے علمائے اسلام کا اجماع ہے اور خوارج کا رجم سے انکار کرنا باطل ہے، اس لئے کہ اگر وہ اجماع صحابہؓ کی جحیت کا انکار کریں تو یہ جہل مرکب ہے، اور اگر وہ خبر واحد کی جحیت سے انکار کرتے ہوئے یہ کہیں کہ رجم آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں تو علاوہ اس کے کہ خبر واحد کی جحیت سے انکار دلائل کی رو سے باطل ہے یہ مسئلہ خبر واحد سے متعلق ہی نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ سے رجم کا ثبوت معنی ایسا ہی متواتر ہے جیسے حضرت علیؓ کی شجاعت اور حاتم طائیؓ کی سخاوت۔ رہیں اخبار آحاد، سو وہ صرف رجم کی صورتوں اور خصوصیات کی تفصیل سے متعلق ہیں۔

جہاں تک رجم کے اصل حکم کا تعلق ہے اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں۔۔۔ اور خوارج بھی عام مسلمانوں کی طرح متواتر معنوی پر عمل کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ صحابہ کرامؓ اور عام مسلمانوں سے الگ تھلگ رہے اور مسلمان اہل علم اور راویوں سے انہوں نے تعلق نہیں رکھا، اس لئے وہ بہت سی جہالتوں میں مبتلا ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے رجم پر اعتراض کیا کہ اس کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں ہے تو حضرت عمرؒ نے ان سے کہا کہ پھر رکعات نماز کی تعداد اور زکوٰۃ کی مقدار کہاں سے ثابت ہوئیں؟ انہوں نے کہا کہ حضور اور مسلمانوں کے عمل سے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: ”رجم بھی اسی طرح ثابت ہوا ہے۔“

پھر اس بات پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ رجم کی سزا صرف اس زانی کے لئے ہے جس میں احسان کی شرائط پائی جاتی ہوں، لیکن ان شرائط کی تفصیل میں تھوڑا سا اختلاف ہے: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رجم کے حکم میں محض اس شخص کو کہیں گے جو مسلمان ہو، آزاد ہو، عاقل و بالغ ہو اور کسی مسلمان، عاقل بالغ اور آزاد عورت کے ساتھ نکاح صحیح کے ذریعے تعلقات زنا شوقی قائم کر چکا ہو۔ ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو اسے محض نہیں کہا جائے گا اور اگر وہ زنا کر لے تو اس کی سزا رجم کے بجائے سو کوڑے ہوگی۔ (ابن نجیم: البحر الرائق ۵: ۱۱، الطبعة العلمية، مصر)

امام مالکؒ کے نزدیک بھی احسان کی یہی شرائط ہیں، البتہ ان کے نزدیک ایک شرط اور ہے اور وہ یہ کہ اس نے اپنی منکوحہ سے خلوت صحیحہ کی ہو، لہذا حیض یا روزے کی حالت میں خلوت سے احسان متحقق نہیں ہوگا (ابن رشد: بدایۃ المجتہد، ۲: ۴۷۰، المطبعة الازہریہ، مصر ۱۳۸۹ھ) امام شافعیؒ کے نزدیک احسان کے لئے نہ مجرم کا مسلمان ہونا شرط ہے اور نہ اس کی منکوحہ کا مسلمان یا آزاد ہونا (الشافعی: کتاب الام، ۶، ۱۵۴، المطبعة الازہریہ، مصر ۱۳۸۱ھ)۔ امام احمدؒ کے نزدیک مسلمان ہونا تو شرط نہیں لیکن اس کی منکوحہ کا آزاد ہونا ضروری ہے۔

(ابن قدامہ: المقنع، ۳: ۴۵۲، ۴۵۳، المطبعة السفیہ، الروضہ ۱۳۸۲ھ)

یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے کہ ایسے محض شخص کا صرف وہی زنا رجم کا مستوجب ہے جس میں حلال ہونے کا کوئی شبہ نہ ہو، لہذا جہاں نکاح شبہ بھی پایا جاتا ہو وہاں رجم نہیں ہوگا (ابن رشد: بدایۃ المجتہد، ۲: ۴۶۷)۔ اس پر بھی اتفاق ہے کہ زنا کا ثبوت دو طریقوں سے ہو سکتا ہے ایک مجرم کے اعتراف و اقرار سے، دوسرے گواہوں سے، جہاں تک اعتراف کا تعلق ہے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک میں یہ ضروری ہے کہ اقرار چار مرتبہ ہو، اور اقرار کرنے والا ہر مرتبہ اپنی جگہ بدل کر اقرار کرے۔ امام احمدؒ کے نزدیک چار مرتبہ ہونا ضروری ہے مگر جگہ بدلنا ضروری نہیں۔ (ابن الہمام، فتح القدیر، ۴: ۱۱۷)

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف ایک مرتبہ اعتراف کر لینا بھی کافی ہے (بدایۃ المجتہد، ۲: ۴۷۴)۔ گواہوں کے بارے میں اس پر اتفاق ہے کہ کم از کم چار گواہ ہونے ضروری ہیں جنہوں نے اپنی آنکھ سے مجرم کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہو اور صریح الفاظ میں بغیر کسی کنایہ کے اس کی گواہی دی ہو (حوالہ سابق)۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ قاضی ان پر جرح کرے اور ان کی عدالت و صداقت کی مکمل تحقیق ہو جانے پر رجم کا حکم دے۔ (فتح القدیر، ۴: ۱۱۵، ۱۱۶)

رجم کا طریقہ یہ ہے کہ مجرم کو کسی کھلی جگہ میں لے جایا جائے جہاں عام لوگ بھی موجود ہوں۔ اگر مجرم عورت ہو تو اس کے لئے گڑھا کھود کر اس کو اس میں کھڑا کر دینا مناسب ہے پھر اگر زنا کا ثبوت گواہوں سے ہوا ہے تو پتھر مارنے کی ابتداء گواہ کریں گے اور اگر اعتراف سے ہوا ہے تو ابتداء امام المسلمین کرے گا، پھر تمام حاضرین رجم میں حصہ لیں گے یہاں تک کہ مجرم کی موت واقع ہو جائے۔

(فتح القدیر، ۴: ۱۲۳ و ۱۲۴)

اسلام کا اصل منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ رجم کی سزا کم سے کم جاری ہو، لیکن جب جاری ہو تو سالہا سال کے لئے سامان عبرت بن جائے اور اس کی دہشت جرم کی لذت پر غالب آجائے چنانچہ اول تو معاشرہ میں عفت و عصمت عام کرنے کے لئے ایسے احکام وضع کئے گئے ہیں جن کی موجودگی میں زنا کا صدور مشکل سے مشکل تر ہو جائے، پھر قابل رجم زنا کے ثبوت کے لئے شرائط انتہائی سخت رکھی گئی ہیں، چار قابل اعتماد گواہوں کا بغیر کسی کنایہ کے صریح الفاظ میں چشم دید واقعہ کی گواہی دینا اسی وقت ممکن ہے جب کہ مجرم نے جرم کا ارتکاب کھلم کھلا کیا ہو، پھر اگر سزا جاری ہونے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک گواہ بھی رجوع کر لے یا گواہی دیتے وقت ان میں کوئی معمولی اختلاف ہو جائے یا اقرار کی صورت میں مجرم کسی بھی وقت یہاں تک کہ سزا جاری ہونے کے دوران میں بھی اپنے اقرار سے منحرف ہو جائے تو سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ (فتح القدیر، حوالہ سابق)

اس کے علاوہ دوسرے معمولی معمولی شبہات کی بنا پر سزا کو ساقط کر دیا گیا ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ دوسری طرف اگر کسی پر زنا کا الزام لگانے کے بعد کوئی شخص قانونی شرائط کے مطابق اسے ثابت نہ کر سکے تو اس کے لئے آستی کوڑوں کی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ ان کڑی شرائط کے باوجود اگر کسی شخص سے قابل رجم زنا کا صدور ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کا یہ عضو سڑ چکا ہے جسے کانٹے بغیر جسم کی اصلاح ممکن نہیں، پھر اس عضو پر رجم کرنا پورے جسم پر ظلم کے مترادف ہے۔

استاذ عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں :

”بعض لوگ آج زانی محسن کے لئے رجم کی سزا کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں لیکن یہ محض ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات ہے جس پر خود ان کے دلوں کو یقین نہیں (اگر ان میں سے کسی شخص کو اپنے بہت قریبی حلقوں میں یہ واقعہ پیش آجائے تو اس کا رد عمل شاید اس سے بھی سخت ہوگا) اسلامی شریعت نے اس مسئلہ میں بھی اپنے دوسرے احکام کی طرح

باریک بینی اور انصاف کی روش اختیار کی ہے۔ جو لوگ زانی کو قتل کرنے کے تصور سے گھبرا اٹھتے ہیں، اگر وہ واقعات کی دنیا کو دیکھیں تو ان پر حقیقت واضح ہو جائے اور انہیں پتہ چل جائے اسلام نے زانی محسن کو سنگسار کرنے کا حکم دے کر کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے طبیعت مانوس نہ ہو۔

آج کے مروجہ قانون ہی کو دیکھ لیجئے، اگر زنا کے مجرموں میں سے کوئی ایک شادی شدہ ہو تو اس قانون کی رو سے اس کی سزا صرف قید ہے، اور اگر کوئی شادی شدہ نہ ہو تو جب تک جبر و اکراہ نہ ہو، کوئی سزا نہیں۔ یہ موجودہ قانون کا فیصلہ ہے لیکن کیا لوگ قانون کے اس فیصلے پر راضی ہو گئے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ لوگ نہ اس پر راضی ہوئے ہیں اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ مروجہ قانون کو توڑتے ہیں اور زانی کو قتل کر کے اس سے انتقام لے کر رہتے ہیں۔ اور بعض مرتبہ یہ انتقامی قتل رجم سے بھی زیادہ شدید طریقوں سے کئے جاتے ہیں، سمندر میں ڈبو دینا، آگ میں جلادینا، عضو عضو کاٹ ڈالنا اور ہڈیاں توڑ دینا، (بعض اوقات یہ سلسلہ قتل نسلوں تک جاری رہتا ہے) اس قسم کے واقعات روزمرہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ جب واقعہ یہ ہے تو ہم رجم کی سزا سے کیوں ڈریں؟ اس سزا کو اختیار کرنا ایک حقیقت کو تسلیم کرنا ہے اور حقیقت کو تسلیم کرنا شجاعت اور فضیلت کی بات ہے۔

(عبد القادر عودہ: التشریح الجنائی الاسلامی ۶۴۱ و ۶۴۲، مکتبہ دار العروہ، قاہرہ ۱۳۷۸ھ)

ماخذ :

- (۱) القرآن المجید: (۴ النساء: ۱۵)، (۵ المائدہ: ۴۲)، (۴ النور: ۲) اور آیات کے تحت تمام تفاسیر، خصوصاً۔
- (۲) ابن کثیر، تفسیر، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ ۱۳۵۶ھ۔
- (۳) محمود آلوسی، روح المعانی، ادارۃ الطباعة المنیریہ۔
- (۴) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دار الکاتب العربی ۱۳۸۷ھ۔
- (۵) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ندوۃ المصنفین دہلی۔
- (۶) نیز اردو تفاسیر بالخصوص امیر علی، مواہب الرحمن، بذیل آیات متعلقہ۔ نیز قرآن مجید میں رجم کا ذکر نہ ہونے پر لطیف و دقیق بحث کے لئے دیکھئے۔
- (۷) علامہ انوشاہ کشمیری، مشککات القرآن، (ص ۲۱۳، مطبوعہ مجلس علمی، دہلی ۱۳۵۷ھ)۔ رجم سے متعلق احادیث کا بڑا ذخیرہ صحاح ستہ کے علاوہ الفتح الربانی۔ (ترویج مسند احمد) جلد ۱۶ مطبوعہ مصر ۱۳۷۱ھ)

- (۸) البہقی، السنن الکبریٰ، جلد ۸ دائرۃ المعارف دکن ۱۳۵۲ھ۔
- (۹) البہقی، مجمع الزوائد، جلد ۶، دارالکتاب، بیروت ۱۹۶۷ء۔
- احادیث رجم کی مفصل تشریح کے لئے :
- (۱۰) ابن حجر، فتح الباری، جلد ۱۲ مطبوعہ المطبعة البہیہ مصر بہترین ہے۔
- (۱۱) السیوطی، الاتقان ۲: ۲۶۱ مطبوعہ الازہریہ مصر ۱۳۱۸ھ۔
- (۱۲) (ابن امیر الحاج، التقریر والتعبیر ۳: ۶۶ بولاق ۱۳۱۷ھ۔ نیز اصول فقہ اور علوم القرآن کی کتب میں نسخ کی بحث دیکھئے۔
- رجم کی فقہی تفصیلات کے لئے :
- (۱۳) ابن رشد، ہدایۃ المجتہد، جلد ۲، المطبعة الازہریہ، مصر ۱۳۸۹ھ۔
- (۱۴) ابن نجیم، البحر الرائق، جلد ۵، المطبعة العلمیہ مصر۔
- (۱۵) ابن الہمام، فتح القدیر جلد ۴، بولاق، ۱۳۱۶ھ ناگزیر ہیں۔
- زنا کی مختلف صورتوں، ان کے احکام اور ان کی عقلی حکمتوں کے لئے دیکھئے :
- (۱۶) عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی، جلد اول، مکتبۃ دارالعروبۃ، قاہرہ ۱۳۷۸ھ۔
- (۱۷) عبدالعزیز عامر، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ، مطبوعہ مصطفیٰ البابی السخسی، مصر ۱۳۷۷ھ۔
- (۱۸) احمد فتی بہنسی، الجرائم فی الفقہ الاسلامی، مطبوعہ شرکت العربیہ للطباعة والنشر، قاہرہ ۱۹۵۹ء)

بندہ

مفتی محمد شفیع

(بشکریہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ جامعہ پنجاب مقالہ ”رجم“)



سود و ربا کی اسلامی تعریف اور اس کے حرام ہونے کی حکمت

موجودہ زمانے میں اس سے نجات کی صورت

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں اس موضوع پر بڑی تسلی سے کلام کرتے ہوئے یہ بتا دیا ہے کہ قرآن میں جو ربا مذکور ہے اس سے جلی اور واضح طور پر وہ ربا مراد ہے جو قرض ادھار پر لیا دیا جاتا تھا اور اسی کو زمانہ جاہلیت میں ربا کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے بیان اور آپ کی سنت سے دوسری قسم کے ربا کا علم ہوا جو خاص خاص اقسام بیع و شراء میں کمی زیادتی یا ادھار کرنے کا نام ہے اور اس ربا کے حرام ہونے پر بھی احادیث رسول کریم ﷺ متواتر آئی ہیں مگر اس قسم کے ربا کی تفصیلات پوری واضح نہ ہونے کے سبب اس میں بعض صحابہ کرامؓ گواہی کا پیش آیا اور فقہاء کے اختلافات ہوئے۔

(شرح معانی الآثار صفحہ ۲۳۲ جلد ۲)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے کہ ربا ایک حقیقی ہے اور ایک وہ جو بحکم ربا ہے حقیقی ربا قرض ادھار پر زیادتی لینے کا نام ہے اور بحکم ربا وہ ہے جس کا بیان حدیث میں آیا ہے کہ خاص چیزوں کی بیع میں زیادتی لینے کو ربا کہا گیا ہے اور ایک حدیث میں جو آیا ہے۔

لاربا الا فی النسیئۃ - (رداء البخاری)

یعنی ربا صاف ادھار میں ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ حقیقی اور اصلی ربا جس کو عام طور پر ربا سمجھا اور کہا جاتا ہے وہ ادھار پر نفع لینے کا نام ہے اس کے سوا جتنی اقسام اس کے ساتھ ملحق کی گئی ہیں وہ سب حکما ربا میں داخل ہیں۔

اس تفصیل سے چند چیزیں واضح ہو گئیں

اول یہ کہ نزول قرآن سے پہلے ربا ایک متعارف چیز تھی، قرض ادھار پر بحساب میعاد زیادتی لینے کو ربا کہا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ قرآن میں حرمت ربا نازل ہوتے ہی سب صحابہ کرام نے اس ربا کو ترک کر دیا اس کے معنی سمجھنے سمجھانے میں کسی کو نہ اشکال پیش آیا نہ اشتباہ، تیسرے یہ کہ رسول کریم ﷺ نے چھ چیزوں کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان کی باہمی بیع و شراء میں برابری شرط ہے

کمی بیشی ربا میں داخل ہے اور ان میں ادھار کرنا بھی ربا میں داخل ہے۔ یہ چھ چیزیں سونا، چاندی، جو، گہیوں، کھجور، انگور، ہیں اور اسی قانون کے تحت عرب میں مروجہ اقسام بیع مزابنہ، محافلہ وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا۔

رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد میں چھ چیزوں کی بیع و شراہ میں کمی بیشی اور ادھار کو تو صراحتہ ربا میں داخل قرار دیکر حرام کر دیا تھا لیکن اس میں یہ بات محل تفقہ و اجتہاد تھی کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسری اشیاء میں بھی ہے اور اس کا ضابطہ کیا ہے۔ اس ضابطہ میں فقہاء نے اپنے اپنے غور فکر اور اجتہاد سے مختلف صورتیں تجویز کیں اور چونکہ یہ ضابطہ خود رسول کریم ﷺ نے بیان نہ فرمایا تھا اس میں اشتباہ رہنے کے سبب حضرت فارق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پر اظہار افسوس کیا کاش رسول کریم ﷺ خود ہی اس کا کوئی ضابطہ بیان فرمادیتے تو مشتبہ حالات میں اطمینان پیدا ہو جاتا اور بھر یہ ارشاد فرمایا کہ جہاں ربا کا شبہ بھی ہو اس سے بچنا چاہئے۔

چوتھے یہ کہ معلوم ہوا کہ اصلی اور حقیقی ربا جس کو فقہاء نے ربو القرآن یا ربو القرض کے نام سے موسوم کیا ہے وہی ہے جو عرب میں متعارف تھا یعنی قرض ادھار پر بحساب میعاد نفع لینا دوسری قسم کے ربا جو حدیث میں بتلائے گئے وہ سب اسی ربا کے ساتھ ملحق اور اس کے حکم میں ہیں اور جو کچھ خلاف اور اختلاف امت میں ہوا وہ سب اسی دوسری قسم کے معاملات ربا میں ہوا۔ پہلی قسم کا ربا جو ربو القرآن کہلاتا ہے اس کے حرام ہونے میں پوری امت محمدیہ میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

اور آجکل جو ربا انسانی معاشیات کا مدار سمجھا جاتا ہے اور مسئلہ سود جو زیر بحث ہے وہ یہی ربا ہے جس کی حرمت قرآن کی سات آیات اور چالیس سے زیادہ احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

ربا کی دوسری قسم جو بیع و شراہ کے ضمن میں ہوتی ہے نہ اس کا رواج عام ہے نہ اس میں کوئی بحث کرنے کی ضرورت ہے یہاں تک کہ یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ قرآن و سنت میں ربا کی حقیقت کیا ہے جو مسئلہ سود کی پہلی بات ہے اس کے بعد دوسری بحث اس کی ہے کہ ربا کی حرمت و ممانعت کس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اور اس میں وہ کوئی روحانی یا معاشی مضرتیں ہیں جس کی وجہ سے اسلام نے اس کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

اس جگہ پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیا کی ساری مخلوقات اور ان کے معاملات میں ایسی کوئی چیز نہیں جس میں کوئی بھلائی یا فائدہ نہ ہو۔ سانپ، بچھو، بھیڑ، شیر اور سنکھیا جیسے زہر قاتل میں بھی انسان کے لئے ہزاروں فوائد ہیں۔

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

چوری ڈاکہ، بدکاری، رشوت، ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں کچھ نہ کچھ فائدہ نہ ہو مگر ہر مذہب و ملت اور ہر مکتب فکر میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس چیز کے نافع زیادہ اور مضرتیں کم ہیں ان کو نافع و مفید کہا جاتا ہے اور جن کے مقاصد و مضرات زیادہ اور منافع کم ہیں ان کو مضر اور بیکار سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی شراب اور قمار کو حرام قرار دیتے ہوئے اس کا اعلان فرمایا کہ ان میں بڑے گناہ بھی ہیں اور لوگوں کے کچھ منافع بھی مگر ان کے گناہ کا وبال منافع کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے ان چیزوں کو اچھا یا مفید نہیں کہا جاسکتا بلکہ ان کو نہایت مضر اور تباہ کن سمجھ کر ان سے اجتناب لازم ہے۔

ربا یعنی سود کا بھی یہی حال ہے اس میں سود خور کے لئے کچھ وقتی نفع ضرور نظر آتا ہے لیکن اس کا دنیوی اور اخروی وبال اس نفع کے مقابلہ میں نہایت شدید ہے۔ ہر چیز کے نفع نقصان یا مفاسد و مصالح کا موازنہ کرنے میں یہ بات بھی ہر عقلمند کے نزدیک قابل نظر ہوتی ہے کہ اگر کسی چیز میں نفع محض وقتی اور ہنگامی ہو اور نقصان اس کا دیر پایا دائمی ہو تو اس کو کوئی عقلمند مفید اشیاء کی فہرست میں شمار نہیں کر سکتا اسی طرح اگر کسی چیز کا نفع شخصی اور انفرادی ہو اور اس کا نقصان پوری ملت اور جماعت کو پہنچتا ہو تو اس کو بھی کوئی ہوشمند انسان مفید نہیں کہہ سکتا۔ چوری اور ڈاکہ میں چور ڈاکو کا تو نفع کھلا ہوا ہے مگر وہ پوری ملت کے لئے مضر اور ان کے امن و سکون کو برباد کرنے والا ہے اس لئے کوئی انسان چوری اور ڈاکہ کو اچھا نہیں کہتا۔

اس تمہید کے بعد مسئلہ سود پر نظر ڈالئے تو اس میں ذرا سا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں سود خور کے وقتی اور ہنگامی نفع کے مقابلہ میں اس کا روحانی اور اخلاقی نقصان اتنا شدید ہے کہ وہ اس کو انسانیت سے نکال دیتا ہے۔ اور یہ کہ اس کا جو وقتی نفع ہے وہ بھی صرف اس کی ذات کا نفع ہے اس کے مقابلہ میں امت کو نقصان عظیم اور معاشی بحران کا شکار ہونا پڑتا ہے لیکن دنیا کا حال یہ ہے کہ جب اس میں کوئی چیز رواج پا جاتی ہے تو اس کی خرابیاں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں اور صرف اس کے

فوائد سامنے رہ جاتے ہیں اگرچہ وہ فوائد کتنے ہی حقیر و ذلیل اور ہنگامی ہوں اس کے نقصان کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا اگرچہ وہ کتنے ہی شدید اور عام ہوں۔

رسم و رواج طبائع انسان کے لئے ایک کلور فارم ہے جو اس کو بے حس بنا دیتا ہے۔ بہت کم افراد ہوتے ہیں جو چلے ہوئے رسم و رواج پر تحقیقی نظر ڈال کر یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اس میں فائدے کتنے ہیں اور نقصان کتنا بلکہ اگر کسی کے تنبیہ کرنے سے اس کے نقصانات سامنے بھی آجائیں تو پابندی رسم و رواج اس کو صحیح راستہ پر نہیں آنے دیتے۔ سودور با اس زمانہ میں ایک وبائی مرض کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس کا رواج ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے اس نے انسانی فطرت کا ذائقہ بدل دیا ہے کہ کڑوی کو میٹھا سمجھنے لگی اور جو چیزیں پوری انسانیت کے لئے معاشی بربادی کا سبب ہے اس کو معاشی مسئلہ کا حل سمجھا جانے لگا۔ آج اگر کوئی مفکر محقق اس کے خلاف آواز اٹھائے تو اس کو دیوانہ سمجھا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ ہے لیکن وہ ڈاکٹر، ڈاکٹر نہیں بلکہ پوری انسانیت کا ڈاکو ہے جو کسی ملک میں وبا پھیل جانے کو اور علاج کا غیر موثر ہونے کا مشاہدہ کرنے کی بناء پر اب یہ طے کرے کہ لوگوں کو یہ سمجھائے کہ یہ مرض ہی نہیں بلکہ عین شفاء اور راحت ہے۔ ماہر ڈاکٹر کا کام ایسے وقت میں بھی یہی ہے کہ لوگوں کو اس مرض اور اس کی مضرت سے آگاہ کرتا رہے اور علاج کی تدبیریں بتاتا رہے۔

انبیاء علیہم السلام اصلاح خلق کے ذمہ دار ہو کر آتے ہیں وہ کبھی اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ کوئی ان کی بات سنے گا یا نہیں وہ اگر لوگوں کے سننے اور ماننے کا انتظار کیا کرتے تو ساری دنیا کفر و شرک ہی سے آباد ہوتی۔ کلمہ لا الہ الا للہ کا ماننے والا اس وقت کوئی تھا جب خاتم الانبیاء ﷺ کو اس کی تبلیغ و تعلیم کا حکم منجانب اللہ ملا تھا؟

سودور ربا کو اگرچہ آج کی معاشیات میں ریڑھ کی ہڈی سمجھا جانے لگا ہے لیکن حقیقت وہ ہے جو آج بھی بعض حکماء یورپ نے تسلیم کی وہ معاشیات کے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ریڑھ کی ہڈی میں پیدا ہو جانے والا ایک کیڑا ہے جو اس کو کھارہا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ آج کل کے اہل علم و فن بھی کبھی رسوم و رواج کے تنگ دائرہ سے آزاد ہو کر اس طرف نظر نہیں کرتے اور سینکڑوں برس کے تجربے بھی ان کو اس طرف متوجہ نہیں کرتے کہ سودور ربا کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عام خلق خدا اور تمام ملت فقر و فاقہ اور معاشی بحران کا شکار ہو اور وہ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جائیں اور چند سرمایہ دار پوری ملت کے مال سے فائدہ اٹھا کر یا یوں کہیے کہ ملت کا

خون چوس کر اپنا بدن بڑھاتے اور پالتے چلے جائیں۔ اور حیرت ہے کہ جب کبھی ان حضرات کے سامنے اس حقیقت کو بیان کیا جاتا ہے تو اس کے جھٹلانے کے لئے ہمیں امریکہ اور انگلینڈ کے بازاروں میں لے جا کر سود کی برکات کا مشاہدہ کرانا چاہتے ہیں اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ سود و ربا کی بدولت کیسے پھلے اور کیسے پھولے ہیں لیکن اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مردم خوروں کی کسی قوم اور اس کے عمل کی برکات کا مشاہدہ کرنے کے لئے آپ کو مردم خوروں کے محلہ میں لے جا کر یہ دکھائے کہ یہ کتنے کتنے موٹے تازے اور تندرست ہیں اور اس سے یہ ثابت کرے کہ ان کا یہ عمل بہترین عمل ہے۔

لیکن اس کو کسی سمجھدار آدمی سے سابقہ پڑے تو وہ کہے گا کہ تم مردم خوروں کے عمل کی برکات مردم خوروں کے محلہ میں نہیں۔ دوسرے محلوں میں جا کر دیکھو جہاں سینکڑوں ہزاروں مردے پڑے ہوئے ہیں جن کا خون اور گوشت کھا کر یہ درندے پلے ہیں۔ اسلام اور اسلامی شریعت کبھی ایسے عمل کو درست اور مفید نہیں مان سکتی جس کے نتیجے میں پوری انسانیت اور ملت تباہی کا شکار ہو اور کچھ افراد یا ان کے جتنے پھولتے پھلتے جائیں۔

ان کے ذریعہ جن معاملات میں وضاحت نہ ہوتی ان میں اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم صادر فرماتے۔ حالات و زمانہ کی رعایت سے جس قدر امور دنیوی میں ترمیم ناگزیر ہوتی ہے ان سب کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ان کان شینی امر دنیا کم فشا نکم به

اور جب معاذ ابن جبل کو یمن بھیجے وقت دریافت فرمایا کہ مقدمات میں فیصلہ کس طرح کرو گے؟ تو جواب میں یہی کہا تھا کہ قرآن و سنت کے بعد اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا:

الحمد لله الذي وفق رسول الله مما يرضى به رسول الله

لیکن ان واضح ہدایات کے باوجود صحابہ کرامؓ رائے اور اجتہاد کے باب میں نہایت ہی محتاط رہتے تھے۔ حالات کی رعایت سے جس قدر اجتہاد کی ضرورت ہوتی یا رائے استعمال کرنے کی نوبت آتی تو مقاصد شریعت سے سرمو تجاوز نہ فرماتے اور خلاف ورزی کی صورت میں سخت تکبر کرتے تھے۔



شراب کی حرمت اور شراب نوشی سے پیدا ہونے والی خرابیاں

ابتداء اسلام میں عام رسوم جاہلیت کی طرح شراب نوشی بھی عام تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں بھی شراب اور قمار (یعنی جو اکیلے کا رواج تھا) عام لوگ تو ان دونوں چیزوں کے صرف ظاہری فوائد کو دیکھ کر ان پر فریفتہ تھے۔ ان کے اندر جو بہت سے مفسد اور خرابیاں ہیں ان کی طرف نظر نہیں تھی لیکن عادت اللہ یہ بھی ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ میں کچھ عقل والے بھی ہوتے ہیں جو طبیعت پر عقل کو غالب رکھتے ہیں کوئی طبعی خواہش اگر عقل کے خلاف ہو تو اس خواہش کے پاس نہیں جاتے۔ اس معاملہ میں نبی کریم ﷺ کا مقام تو بہت ہی بلند تھا کہ جو چیز کسی وقت حرام ہونے والی تھی آپ کی طبیعت اس سے ہی نفرت کرتی تھی۔ صحابہ کرامؓ میں بھی کچھ ایسے حضرات تھے جنہوں نے حلال ہونے کے زمانے میں بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔

شراب کی حرمت کے بارے میں پہلی آیت

مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد چند حضرات صحابہ کو ان کے مفسد کا زیادہ احساس ہوا۔ حضرت فاروق اعظم اور معاذ بن جبلؓ اور چند انصاری صحابہ اسی احساس کی بناء پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال بھی برباد کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے، اس سوال کے جواب میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ نازل ہوئی۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے سے مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اٹھایا گیا۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ لوگوں کے کچھ ظاہری فوائد ضرور ہیں لیکن ان دونوں میں گناہوں کی بڑی بڑی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے منافع اور فوائد سے بڑھی ہوئی ہیں اور گناہ کی باتوں سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کسی گناہ کا سبب بن جائیں۔ مثلاً شراب میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عقل و ہوش زائل ہو جاتا ہے جو تمام کمالات اور شرف انسانی کا اصل اصول ہے کیونکہ عقل ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانوں کو برے کاموں سے روکتی ہے جب وہ نہ رہی تو ہر برے کام کے لئے راستہ ہموار ہو گیا۔

اس آیت میں خاص طور پر شراب کو حرام نہیں کہا کیا مگر اس کی خرابیاں اور مفاسد بیان کر دیئے گئے ہیں کہ شراب کی وجہ سے انسان بہت سے گناہ اور خرابیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے گویا اس کے ترک کرنے کے لئے ایک قسم کا مشورہ دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ کرامؓ تو اس مشورہ ہی کو قبول کر کے اسی وقت شراب کو چھوڑ بیٹھے اور بعض نے یہ خیال کیا کہ اس آیت نے شراب کو حرام تو کیا نہیں بلکہ مفاسد دین کا سبب بننے کی وجہ سے اس کو سبب گناہ قرار دیا ہے ہم اس کا اہتمام کریں گے کہ وہ مفاسد وائ نہ ہوں تو پھر شراب میں کوئی حرج نہیں، اس لئے پیتے رہے۔

حرمتِ خمر کے بارے میں دوسری آیت

یہاں تک کہ ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے صحابہ کرامؓ میں سے چند ایسے دوستوں کی دعوت کی، کھانے کے بعد حسب دستور شراب پی گئی اسی حال میں نمازِ مغرب کا وقت آ گیا۔ سب نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو ایک صاحب کو امامت کے لئے آگے بڑھایا انہوں نے نشہ کی حالت میں جو تلاوت شروع کی تو سورہ، قل يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ کو غلط پڑھا اس پر شراب سے روکنے کے لئے دوسرا قدم اٹھایا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ

”یعنی اے ایمان والو تم نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔“

اس میں خاص اوقات نماز کے اندر شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا۔ باقی اوقات میں اجازت رہی بعض حضرات صحابہ نے دوسری آیت نازل ہونے کے وقت شراب کو مطلقاً ترک کر دیا کہ جو چیز انسان کو نماز سے روکے اس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی۔ جب نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہو گئی تو ایسی چیز کے پاس نہ جانا چاہئے جو انسان کو نماز سے محروم کر دے مگر چونکہ علاوہ اوقات نماز کے شراب کی حرمت صاف طور پر اب بھی نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے کچھ حضرات اب بھی اوقات نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں پیتے رہے۔

حرمتِ خمر کے بارے میں تیسری اور چوتھی آیت

یہاں تک کہ ایک اور واقعہ پیش آیا۔ عتبان بن مالکؓ نے صحابہ کرامؓ کی دعوت کی جن میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے۔ کھانے کے بعد حسب دستور شراب کا دور چلا، نشہ کی حالت میں عرب کی عام

عادت کے مطابق شعر و شاعری اور اپنے اپنے مفاخر کا بیان شروع ہوا۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصارِ مدینہ کی ہجو اور اپنی قوم کی مدح و ثناء تھی۔ اس پر ایک انصاری نوجوان کو غصہ آگیا اور اونٹ کے جڑے کی ہڈی سعدؓ کے سر پر دے ماری، جس سے ان کو شدید زخم آگیا۔ حضرت سعد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس انصاری جوان کی شکایت کی، اس وقت آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی:

اللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا

”یا اللہ شراب کے بارے میں ہمیں کوئی واضح بیان اور قانون عطا فرمادے۔“

اس پر شراب کے متعلق تیسری آیت سورہ مائدہ کی مفصل نازل ہوگئی جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا۔ آیت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ
مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ إِنَّمَا يَرِيدُ الشَّيْطَانُ
يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ
اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ .

”اے ایمان والوں بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور بت اور جوئے کے تیر، یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، اس سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں بغض اور عداوت پیدا کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو کیا اب بھی باز نہ آؤ گے۔“

حرمت شراب کے تدریجی احکام

احکامِ الہیہ کی اصلی اور حقیقی حکمتوں کو تو احکامِ الحاکمین ہی جانتا ہے مگر احکامِ شرعیہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ اسلام نے احکام میں انسانی جذبات کی بڑی رعایت فرمائی ہے تاکہ انسان کو ان کے اتباع میں زیادہ تکلیف نہ ہو۔

خود قرآن کریم نے فرمایا ہے :

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

”اللہ تعالیٰ کسی انسان کو ایسا حکم نہیں دیتا جو اس کی قدرت اور وسعت میں نہ ہو۔“

اسی رحمت و حکمت کا تقاضہ تھا کہ اسلام نے شرب کو حرام کرنے میں بڑی تدریج سے کام لیا۔

شراب کی تدریجی ممانعت اور حرمت کی قرآنی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں شراب کے متعلق چار آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے ان میں سے ایک آیت سورہ بقرہ کی ہے جس کی تفسیر آپ اس وقت دیکھ رہے ہیں۔ اس میں تو شراب سے پیدا ہو جانے والے گناہوں کا مفاسد کا ذکر کر کے چھوڑ دیا گیا ہے حرام نہیں کہا، گویا ایک مشورہ دے دیا کہ یہ چھوڑنے کی چیز ہے مگر چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔

دوسری آیت سورہ نساء کی لا تقربوا الصلوة وانتم سكارىٰ میں خاص اوقات نماز کے اندر شراب کو حرام کر دیا گیا باقی اوقات میں اجازت رہی۔

تیسری اور چوتھی دو آیتیں سورہ مائدہ کی ہیں جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں ان میں صاف اور قطعی طور پر شراب کو حرام قرار دے دیا۔

شریعت اسلام نے شراب کے حرام کرنے میں اس تدریج سے اس لئے کام لیا کہ عمر بھر کی عادت خصوصاً نشہ کی عادت کو چھوڑ دینا انسانی طبیعت پر انتہائی شاق اور گراں ہوتا، علماء نے فرمایا :

فطام العادات اشد من فطام الرضاۃ

یعنی ”جیسے بچے کو ماں کا دودھ پینے کی عادت چھوڑ دینا بھاری معلوم ہوتا ہے انسان کو اپنی کسی عادت مستمرہ کو بدلنا اس سے زیادہ شدید اور سخت ہے۔“

اس لئے اسلام نے حکیمانہ اصول کے مطابق اول اس کی بُرائی ذہن نشین کرائی، پھر نمازوں کے اوقات میں ممنوع کیا، پھر ایک خاص مدت کے بعد قطعی طور پر حرام کر دیا گیا، ہاں جس طرح ابتداء تحریم شراب میں آہستگی اور تدریج سے کام لینا حکمت کا تقاضا تھا، اسی طرح حرام کر دینے کے بعد اس کی ممانعت کے قانون کو پوری شدت کے ساتھ نافذ کرنا بھی حکمت ہی کا تقاضا تھا اسی لئے رسول کریم ﷺ نے شراب کے بارے میں اول سخت وعیدیں عذاب کی بتلائیں ارشاد فرمایا کہ یہ ام الخبائث اور ام الفواحش ہے اس کو پی کر آدمی بڑے بڑے گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ شراب اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے یہ روایتیں نسائی میں ہیں اور جامع ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ :

آنحضرت ﷺ نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی :

- (۱) نچوڑنے والا۔ (۲) بنانے والا۔ (۳) پینے والا۔
- (۴) پلانے والا۔ (۵) اس کو لانے والا۔ (۶) جس کے لئے لائی جائے۔
- (۷) اس کا بیچنے والا۔ (۸) خریدنے والا۔ (۹) اس کو ہبہ کرنے والا۔
- (۱۰) اس کی آمدنی کھانے والا۔ اور پھر صرف زبانی تعلیم و تبلیغ پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملی اور قانونی طور پر اعلان فرمایا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب موجود ہو اس کو فلاں جگہ جمع کر دے۔

صحابہ میں تعمیل حکم کا بے مثال جذبہ

فرمانبردار صحابہ کرام نے پہلا حکم پاتے ہی اپنے اپنے گھروں میں جو شراب استعمال کے لئے رکھی تھی ان کو تو اسی وقت بہا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے منادی نے مدینہ کی گلیوں میں یہ آواز دی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے تو جس کے ہاتھ میں جو برتن شراب کا تھا اسکو وہیں پھینک دیا، جس کے پاس کوئی سبویا خم شراب کا تھا اس کو گھر سے باہر لا کر توڑ دیا۔

حضرت انسؓ اس وقت ایک مجلس میں دورِ جام کے ساتھی بنے ہوئے تھے۔ ابو طلحہ، ابو عبیدہ بن جراح، ابی بن کعب، سہیل رضوان اللہ علیہم اجمعین، جیسے جلیل القدر صحابہ موجود تھے، منادی کی آواز کان میں پڑتے ہی سب نے کہا کہ اب یہ شراب سب گرا دو۔ اس کے جام و سبوتوڑ دو۔ بعض روایات میں ہے کہ اعلان حرمت کے وقت جس کے ہاتھ میں جام شراب لبوں تک پہنچا ہوا تھا اس نے وہیں سے اس کو پھینک دیا۔ مدینہ میں اس روز شراب اس طرح بہہ رہی تھی۔ جیسے بارش کی روکا پانی اور مدینہ کی گلیوں میں عرصہ دراز تک یہ حالت رہی کہ جب بارش ہوئی تو شراب کی بو اور رنگ مٹی میں نکھر آتا تھا۔

جس وقت ان کو یہ حکم ملا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب ہے وہ فلاں جگہ جمع کر دے۔ اس وقت صرف وہ ذخیرے کچھ رہ گئے تھے، جو مال تجارت کی حیثیت سے بازار میں تھے۔ ان کو فرمانبردار صحابہ کرام نے بلا تاہل مقرر جگہ پر جمع فرمادیا۔

آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے شراب کے بہت سے مشکیزوں کو چاک کر دیا اور باقی دوسرے صحابہ کرام کے حوالے کر کے چاک کر دیا۔

ایک صحابی جو شراب کی تجارت کرتے تھے اور ملک شام سے شراب درآمد کیا کرتے تھے، اتفاقاً اس زمانے میں ساری رقم جمع کر کے ملک شام سے شراب لینے کے لئے گئے ہوئے تھے اور جب یہ تجارتی مال لے کر واپس ہوئے تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو اعلانِ حرمت کی خبر مل گئی۔ جانثار صحابی نے اپنے پورے سرمائے اور محنت کی حاصلات کو جس سے بڑے منافع کی امیدیں لئے ہوئے آرہے تھے، اعلانِ حرمت سن کر اسی جگہ ایک پہاڑی پر ڈال دیا اور خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ اب میرے اس مال کے متعلق کیا حکم ہے اور مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمانِ خداوندی کے مطابق حکم دے دیا کہ سب مشیکیزوں کو چاک کر کے شراب بہادو۔ فرمانبردار محبت خدا و رسول ﷺ نے بلا کسی جھجک کے اپنے ہاتھ سے اپنا پورا سرمایہ زمین پر بہادیا۔

یہ بھی اسلام کا ایک معجزہ اور صحابہ کرام کی حیرت انگیز و بے مثال اطاعت ہے جو اس واقع میں ظاہر ہوئی کہ جس چیز کی عادت ہو جائے سب جانتے ہیں کہ چھوڑنا سخت دشوار ہے، اور یہ حضرات بھی اس کے ایسے عادی تھے کہ تھوڑی دیر اس سے صبر کرنا دشوار تھا۔ ایک حکم الہی اور فرمانِ نبوی نے ان کی عادات میں ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا کہ اب یہ شراب اور بھوئے سے ایسے ہی متنفر ہیں، جیسے اس سے پہلے ان کے عادی تھے۔

اسلامی سیاست اور عام ملکی سیاستوں کا فرق عظیم

مذکورہ آیات پھر واقعات میں حرمتِ شراب کے حکم پر مسلمانوں کے عمل کا ایک نمونہ سامنے آ گیا ہے، جس کو اسلام کا معجزہ کہو یا پیغمبرانہ تربیت یا اسلامی سیاست کا لازمی نتیجہ کہ نشہ کی عادت جس کے چھوڑے کا انتہائی دشوار ہونا ہر شخص کو معلوم ہے اور عرب میں اس کا رواج اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ چند گھنٹے اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے وہ کیا چیز تھی جس نے ایک ہی اعلان کی آواز کان میں پڑتے ہی ان سب کے مزاجوں کو بدل ڈالا ان کی عادتوں میں وہ انقلاب پیدا کر دیا کہ اب سے چند منٹ پہلے جو چیز انتہائی مرغوب بلکہ زندگی کا سرمایہ تھی وہ چند منٹ کے بعد انتہائی مبغوض اور فحش و ناپاک ہو گئی۔

شراب کی حرمت

اس کے بالمقابل آج کی ترقی یافتہ سیاست کی ایک مثال کو سامنے رکھ لیجئے کہ اب سے چند سال پہلے امریکہ کے ماہرینِ صحت اور سماجی مصلحین نے جب شراب نوشی کی بے شمار اور انتہائی مہلک

خراپیوں کو محسوس کر کے ملک میں شراب نوشی کو قانوناً ممنوع کرنا چاہا تو اس کے لئے اپنے نشر و اشاعت کے وہ نئے سے نئے ذرائع جو اس ترقی یافتہ سیاست کا بڑا کمال سمجھے جاتے ہیں سب ہی شراب نوشی کے خلاف ذہن ہموار کرنے پر لگا دیئے۔ سینکڑوں اخبارات اور رسائل اس کی خراپیوں پر مشتمل ملک میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کئے گئے، پھر امریکی دستور میں ترمیم کر کے امتناع شراب کا قانون نافذ کیا گیا، مگر ان سب کا اثر جو کچھ امریکہ میں آنکھوں نے دیکھا اور وہاں کے ارباب سیاست کی رپورٹوں سے دنیا کے سامنے آیا وہ یہ تھا کہ اس ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ قوم نے اس ممانعت قانونی کے زمانے میں عام زمانوں کی نسبت بہت زیادہ شراب استعمال کی یہاں تک کہ مجبور ہو کر حکومت کو اپنا قانون منسوخ کرنا پڑا۔

عرب مسلمانوں اور موجودہ ترقی یافتہ امریکیوں کے حالات و معاملات کا یہ عظیم فرق تو ایک حقیقت اور واقعہ ہے جس کا کسی کو انکار کرنے کی گنجائش نہیں، یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس عظیم الشان فرق کا اصلی سبب اور راز کیا ہے۔

ذرا سا غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ شریعت اسلام نے صرف قانون کو قوم کی اصلاح کے لئے کبھی کافی نہیں سمجھا، بلکہ قانون سے پہلے ان کی ذہنی تربیت کی اور عبادت و زہادت اور فکرِ آخرت کے کیمیادی نسخے سے ان کے مزاجوں میں ایک بڑا انقلاب لا کر ایسے افراد پیدا کر دیئے جو رسول ﷺ کی آواز پر اپنی جان و مال آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مکی زندگی کے پورے دور میں یہی افراد سازی کا کام ریاضتوں کے ذریعے ہوتا رہا، جب جاں نثاروں کی جماعت تیار ہو گئی اس وقت قانون جاری کیا گیا، ذہنوں کو ہموار کرنے کے لئے تو امریکہ نے بھی اپنے بے مثال ذرائع استعمال کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، ان کے سامنے سب کچھ تھا مگر فکرِ آخرت نہیں تھی، اور مسلمانوں کے رگ و پے میں فکرِ آخرت سمائی ہوئی تھی۔

کاش! آج بھی ہمارے عقلاً اس نسخہ کیمیا کو استعمال کر کے دیکھیں تو دنیا کو امن و سکون نصیب ہو جائے۔

شراب کے مفاسد اور فوائد میں موازنہ

اس آیت میں شراب اور قمار دونوں کے متعلق قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ ان دونوں میں کچھ فوائد بھی، مگر اس کے مفاسد فوائد سے بڑھے ہوئے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ اس پر نظر ڈالی جائے

کہ ان کے فوائد کیا ہیں اور مفاسد کیا اور پھر یہ کہ فوائد سے زیادہ مفاسد ہونے کے کیا وجوہ ہیں، آخر میں چند فقہی ضابطے بیان کئے جائیں گے، جو اس آیت سے مستفاد ہوتے ہیں۔

پہلے شراب کو لے لیجئے اس کے فوائد تو عام لوگوں میں مشہور و معروف ہیں کہ اس سے لذت و فرحت حاصل ہوتی ہے اور وقتی طور پر قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے، رنگ صاف ہو جاتا ہے مگر ان حقیر وقتی فوائد کے مقابلے میں اس کے مفاسد اتنے کثیر و وسیع اور گہرے ہیں کہ شاید کسی دوسری چیز میں اتنے مفاسد اور مضرات نہ ہوں گے، بدن انسانی پر شراب کے مضرات یہ ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ معدے کے فعل کو فاسد کر دیتی ہے، کھانے کی خواہش کم کر دیتی ہے چہرے کی ہیئت بگاڑ دیتی ہے، پیٹ بڑھ جاتا ہے، مجموعی حیثیت سے تمام قویٰ پر یہ اثر ہوتا ہے جو ایک جرمنی ڈاکٹر نے بیان کیا ہے کہ:

”جو شخص شراب کا عادی ہو چالیس سال کی عمر میں اس کے بدن کی ساخت ایسی ہو جاتی ہے، جیسے ساٹھ سالہ بوڑھے کی“۔

وہ جسمانی اور قوت کے اعتبار سے سٹھپائے ہوئے بوڑھوں کی طرح ہو جاتا ہے اس کے علاوہ شراب جگر اور گردوں کو خراب کر دیتی ہے، سل کی بیماری شراب کا خاص اثر ہے۔ یورپ کے شہروں میں سل کی کثرت کا بڑا سبب شراب ہی کو بتلایا جاتا ہے، وہاں کے بعض ڈاکٹروں کا قول ہے کہ یورپ میں آدھی اموات مرض سل میں ہوتی ہیں اور آدھی دوسرے امراض میں اور اس بیماری کی کثرت یورپ میں اسی وقت سے ہوئی جب سے وہاں شراب کی کثرت ہوئی۔

یہ تو شراب کی جسمانی اور بدنی مضرتیں ہیں اب عقل پر اس کی مضرت کو تو ہر شخص جانتا ہے مگر صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ شراب پی کر جب تک نشہ رہتا ہے اُس وقت تک عقل کام نہیں کرتی، لیکن اہل تجربہ اور ڈاکٹروں کی تحقیق یہ ہے کہ نشہ کی عادت خود قوتِ عاقلہ کو بھی ضعیف کر دیتی ہے۔ جس کا اثر ہوش میں آنے کے بعد بھی رہتا ہے بعض اوقات جنون تک اسکی نوبت پہنچ جاتی ہے، اطباء اور ڈاکٹروں کا اتفاق ہے کہ شراب نہ جزو بدن بنتی ہے اور نہ اس سے خون بنتا ہے جس کی وجہ سے بدن میں طاقت آئی بلکہ اس کا فعل صرف یہ ہوتا ہے کہ خون میں ہیجان پیدا کر دیتی ہے، جس سے وقتی طور پر قوت کی زیادتی محسوس ہونے لگتی ہے اور یہی خون کا دفعۃً ہیجان بعض اوقات اچانک موت کا سبب بھی بن جاتا ہے جس کو ڈاکٹر ہارٹ فیل ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔

شراب سے شرائین یعنی وہ رگیں جن کے ذریعے سارے بدن میں روح پہنچتی ہے سخت ہو جاتی ہیں جس سے بڑھاپا جلدی آ جاتا ہے شراب کا اثر انسان کے حلقوم اور تنفس پر بھی خراب ہوتا ہے جس کی وجہ سے

آواز بھاری ہو جاتی ہے اور کھانسی دائمی ہو جاتی ہے اور وہی آخر کار نسل تک نوبت پہنچا دیتی ہے، شراب کا اثر نسل پر بھی پڑتا ہے شرابی کی اولاد کمزور رہتی ہے۔ اور بعض اوقات اس کا نتیجہ قطع نسل تک پہنچتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شراب پینے کی ابتدائی حالت میں بظاہر انسان اپنے جسم میں چستی و چالاکی اور قوت محسوس کرتا ہے اسی لئے بعض لوگ جو اس میں مبتلا ہوتے ہیں وہ ان طبی حقائق کا انکار کرتے ہیں، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ شراب کا یہ زہر ایسا زہر ہے جس کا اثر تدریجی طور پر ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد یہ سب مضرتیں مشاہدہ میں آ جاتی ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

شراب کا ایک بڑا مفسدہ تمدنی یہ ہے کہ وہ اکثر لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی ہے اور پھر یہ بغض و عداوت دور تک انسان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ شریعت اسلام کی نظر میں یہ مفسدہ سب سے بڑا ہے اس لئے قرآن نے سورہ مائدہ میں خصوصیت کے ساتھ اس مفسدہ کا ذکر فرمایا ہے۔

انما يريد الشيطان ان يوقع بينكم العداوة والبغضاء
في الخمر والميسر .

”شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں بغض و عداوت پیدا کر دے۔“

شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ مدہوشی کے عالم میں بعض اوقات آدمی اپنا پوشیدہ راز بیان کر ڈالتا ہے جس کی مضرت اکثر بڑی تباہ کن ہوتی ہے۔ خصوصاً وہ اگر کسی حکومت کا ذمہ دار آدمی ہے اور راز بھی حکومت کا راز ہے جس کے اظہار سے پورے ملک میں انقلاب آ سکتا ہے اور ملکی سیاست اور جنگی مصالح سب برباد ہو جاتے ہیں، ہوشیار جاسوس ایسے مواقع کے منتظر رہتے ہیں۔

شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو ایک کھلونا بنا دیتی ہے جس کو دیکھ کر بچے بھی ہنستے ہیں کیونکہ اس کا کلام اور اس کی حرکات سب غیر متوازن ہو جاتی ہیں۔ شراب کا ایک عظیم مفسدہ یہ ہے کہ وہ اُمّ النجاست ہے انسان کو تمام برے سے برے جرم پر آمادہ کر دیتی ہے۔ زنا اور قتل اکثر اسکے نتائج ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عام شراب خانے زنا اور قتل کے اڈے ہوتے ہیں۔ یہ شراب کی جسمانی مضرتیں ہیں اور اس کی روحانی مضرت تو ظاہر ہی ہے کہ نشہ کی حالت میں نہ نماز ہو سکتی ہے نہ اللہ کا ذکر اور کوئی عبادت۔ اسی لئے قرآن کریم میں شراب کی مضرت کے بیان میں فرمایا :

ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوة

”شراب تم کو ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے۔“

اب مالی مضرت اور نقصان کا حال سنئے جس کو ہر شخص جانتا ہے کسی بستی میں اگر ایک شراب خانہ کھل جاتا ہے تو وہ پوری بستی کی دولت کو سمیٹ لیتا ہے اس کی قسمیں بے شمار ہیں اور بعض اقسام تو بیحد گراں ہیں بعض اعداد و شمار لکھنے والوں نے صرف ایک شہر میں شراب کا مجموعی خرچہ پوری مملکتِ فرانس کے مجموعی خرچ کے برابر بتایا ہے۔

یہ شراب کے دینی، دنیوی، جسمانی اور روحانی مفاسد کی مختصر فہرست ہے جس کو رسول کریم ﷺ نے ایک کلمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ”امّ الخبائث“ یا ”امّ الفواحش“ ہے۔ جرمنی کے ایک ڈاکٹر کا یہ مقولہ ضرب المثل کی طرح مشہور ہے کہ اس نے کہا کہ اگر آدھے شراب خانے بند کر دیئے جائیں تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ آدھے شفا خانے اور آدھے جیل خانے بے ضرورت ہو کر بند ہو جائیں گے۔ (تفسیر المنار لمفتی عبدہ ص ۲۲۶۔ جلد ۲)

علامہ طنطاویؒ نے اپنی کتاب الجواہر میں اس سلسلے کی چند اہم معلومات لکھی ہیں ان میں سے بعض یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

ایک فرانسیسی محقق ہنری نے اپنی کتاب ”خواطر و سوانح فی الاسلام“ میں لکھتے ہیں :

”بہت زیادہ مہلک ہتھیار جس سے اہل مشرق کی بیخ کنی کی گئی اور وہ دودھاری تلوار جس سے مسلمانوں کو قتل کیا گیا، یہ شراب تھی۔ ہم نے الجزائر کے لوگوں کے خلاف یہ ہتھیار آزمایا لیکن ان کی اسلامی شریعت ہمارے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی اور وہ ہمارے اس ہتھیار سے متاثر نہیں ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی نسل بڑھتی چلی گئی یہ لوگ اگر ہمارے اس تحفہ کو قبول کر لیتے جس طرح کہ ان کے ایک منافق قبیلے نے اس کو قبول کر لیا تو یہ بھی ہمارے سامنے ذلیل و خوار ہو جاتے۔ آج جن لوگوں کے گھروں میں ہماری شراب کے دور چل رہے ہیں وہ ہمارے سامنے اتنے حقیر و ذلیل ہو گئے ہیں کہ سر نہیں اٹھا سکتے۔“

ایک انگریز قانون داں بنام لکھتے ہیں کہ :

”اسلامی شریعت کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں شراب حرام ہے۔ ہم نے دیکھا کہ جب افریقہ کے لوگوں نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو ان کی نسلوں میں پاگل پن سرایت کرنے لگا لہذا افریقہ کے لوگوں کے لئے بھی اس کی ممانعت ہونی چاہئے اور یورپین لوگوں کو بھی اس پر شدید سزائیں دینی چاہئیں۔“

غرض جس بھلے مانس نے بھی ٹھنڈے دل سے غور کیا وہ بے اختیار پکار اٹھا کہ یہ ر جس ہے، شیطانی عمل ہے، زہر ہے، بتابی اور بربادی کا ذریعہ ہے۔ اس امّ النجاست سے باز آ جاؤ۔

فہل انتم منتھون

شراب کی حرمت اور سورہ نحل کی آیت

شراب کی حرمت و ممانعت کے متعلق قرآن کریم کی چار آیتوں کا بیان اوپر آچکا ہے۔ سورہ نحل میں ایک جگہ اور بھی نشہ کی چیزوں کا ذکر ایک دوسرے انداز سے آیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بھی یہاں ذکر کر دیا جائے تاکہ شراب و نشہ کے متعلق تمام قرآنی ارشادات مجموعی طور پر سامنے آ جائیں، وہ آیت یہ ہے :

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

”اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو عقل رکھتے ہیں۔“

پچھلی آیتوں میں حق تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر تھا جو انسانی غذائی پیدا کرنے میں عجیب و غریب صنعت و قدرت کا مظہر ہیں۔ اس میں پہلے دودھ کا ذکر کیا جس کو قدرت نے حیوان کے پیٹ میں خون اور فضلہ کی آلائشوں سے الگ کر کے صاف ستھری غذا انسان کے لئے عطا کر دی۔ جس میں انسان کو کسی مزید صنعت کی ضرورت نہیں اسی لئے یہاں لفظ نسقیکم استعمال فرمایا کہ ہم نے دودھ پلایا، اس کے بعد فرمایا کہ کھجور اور انگور کے کچھ پھلوں میں سے بھی انسان اپنی غذا اور نفع کی چیزیں بناتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے اپنی غذا اور منفعت کی چیزیں بنانے میں انسانی صنعت کا کچھ دخل ہے اور اسی دخل کے نتیجہ میں دو طرح کی چیزیں بنائی گئیں۔ ایک نشہ آور چیز، جس کو خمر یا شراب کہا جاتا ہے، دوسری رزق حسن یعنی عمدہ رزق کہ کھجور اور انگور کو تازہ کھانے میں استعمال کریں یا خشک کر کے ذخیرہ کر لیں۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کھجور اور انگور کے پھل انسان کو دے دیئے اور ان سے اپنی غذا ذخیرہ بنانے کا بھی اختیار دے دیا۔ اب یہ اس کا انتخاب ہے کہ اس سے کیا بنائے، نشہ آور چیز بنا کر عقل کو خراب کرے یا غذا بنا کر قوت حاصل کرے۔

اس تفسیر کے مطابق اس آیت سے نشہ آور شراب کے حلال ہونے پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں مقصود قدرت کے عطیات اور ان کے استعمال کی مختلف صورتوں کا بیان ہے جو ہر حال میں نعمتِ خداوندی ہے۔ جیسے تمام غذائیں اور انسانی منفعت کی چیزیں کہ ان کو بہت سے لوگ ناجائز طریقوں پر بھی استعمال کرتے ہیں مگر کسی کے غلط استعمال سے اصل نعمتِ نعمت ہونے سے نہیں نکل جاتی۔ اس لئے یہاں یہ تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں کہ ان میں کون سا استعمال حلال ہے کون سا حرام ہے۔ تاہم ایک لطیف اشارہ اس میں بھی اس طرف کر دیا کہ ”سکر“ کے مقابل ”رزق حسن“ رکھا جس سے معلوم ہو کہ سکر اچھا رزق نہیں۔ سکر کے معنی جمہور مفسرین^۱ کے نزدیک نشہ آور چیز کے ہیں۔

(روح المعانی، قرطبی، ج ۵ ص ۱۰۰)

یہ آیات باتفاق امت مکی ہیں، اور شراب کی حرمت اس کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ نزول آیات کے وقت اگرچہ شراب حلال تھی اور مسلمان عام طور پر پیتے تھے مگر اس وقت بھی آیت میں اشارہ اس طرف کر دیا گیا کہ اس کا پینا اچھا نہیں۔ بعد میں صراحتہ شراب کو شدت کے ساتھ حرام کرنے کے لئے قرآنی احکام نازل ہو گئے۔ (ہذا ملخص مانی الجصاص، القرطبی)



۱۔ بعض علماء نے اس کے معنی سرکہ یا غیز کے بھی لئے ہیں (جصاص، قرطبی) مگر اس جگہ اس اختلاف کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ۱۲ منہ

انتخابات میں

ووٹ ، ووٹر

اور اُمیدوار کی شرعی حیثیت

اسلام کا ایک یہ بھی معجزہ ہے کہ مسلمانوں کی پوری جماعت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔ ہر زمانہ اور ہر جگہ کچھ لوگ حق پر سختی سے قائم رہتے ہیں جن کو اپنے ہر کام میں حلال و حرام کی فکر اور خدا اور رسول کی رضا جوئی پیش نظر رہتی ہے۔ پھر قرآن کریم کا ارشاد ہے

”آپ نصیحت کی بات کہتے رہیں کیونکہ نصیحت مسلمانوں کو نفع دیتی ہے۔“

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ انتخابات میں اُمیدواری اور ووٹ کی شرعی حیثیت اور ان کی اہمیت کو قرآن اور سنت کی رو سے واضح کر دیا جائے۔ شاید کچھ بندگانِ خدا کو تنبیہ ہو اور کسی وقت یہ غلط کھیل صحیح بن جائے۔

اُمیدواری

کسی مجلس کی ممبری کے انتخابات کے لئے جو اُمیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا اُمیدوار ہے، دوسرے یہ کہ وہ دیانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ اب اگر وہ واقع میں وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے یعنی قابلیت رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبے سے اس میدان میں آیا تو اس کا یہ رد عمل کسی حد تک درست ہے اور بہتر طریق اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کرے اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں وہ اُمیدوار ہو کر کھڑا ہو تو قوم کا غدار اور خائن ہے۔ اس کا ممبری میں کامیاب ہونا ملک کے لئے خرابی کا سبب تو بعد میں بنے گا پہلے تو وہ خود غدار اور خیانت کا مجرم ہو کر عذابِ جہنم کا مستحق بن جائے گا۔

اب ہر وہ شخص جو کسی مجلس کی ممبری کے لئے کھڑا ہوتا ہے اگر اس کو کچھ آخرت کی بھی فکر ہے تو اس میدان میں آنے سے پہلے خود اپنا جائزہ لے لے اور یہ سمجھ لے کہ اس ممبری سے پہلے تو اس کی ذمہ داری

صرف اپنی ذات تک اور اپنے اہل و عیال تک محدود تھی کیونکہ بنص حدیث ہر شخص اپنے اہل و عیال کا بھی ذمہ دار ہے اور اب کسی مجلس کی ممبری کے بعد جتنی خلق خدا کا تعلق اس مجلس سے وابستہ ہے ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر آتا ہے اور دنیا و آخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جواب دہ ہے۔

ووٹ اور ووٹر

کسی امیدوار ممبری کو ووٹ دینے کی از روئے قرآن و حدیث چند حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے اس کے متعلق اس کی شہادت دے رہا کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت اور امانت بھی۔ اور اگر واقعی میں اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹ یہ جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت ہے جو سخت کبیرہ گناہ اور وبال دنیا اور آخرت ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں رسول کریم ﷺ نے شہادت کا ذبہ کو شرک کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک دوسری حدیث میں جھوٹی شہادت کو اکبر کبار فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم) جس حلقے میں چند امیدوار کھڑے ہو اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانت کے اعتبار سے فلاں آدمی قابل ترجیح ہے تو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا اس اکبر کبار میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا ہے۔

اب ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے محض رسمی مروت یا کسی طمع و خوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے۔ دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے۔ اس سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔

”جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا بھی حصہ لگتا ہے۔“

اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے اور بری سفارش یہ ہے کہ نالائق، فاسق، ظالم کی سفارش کرے اس کو خلق خدا پر مسلط کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پنج سالہ دور میں جو نیک کام مامول کرے گا ہم اس کے شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹر کی ایک تیسری حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے لیکن اگر یہ وکالت اس کے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی اور اس کا نفع نقصان صرف اس کی ذات کو پہنچتا اور اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے اس لئے اگر کسی نا اہل کو اپنی نمائندگی کے لئے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر رہا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے۔

۱۔ شہادت ۲۔ سفارش ۳۔ حقوق مشترکہ میں وکالت
تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح، قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں اسی طرح نا اہل، غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

ضروری تنبیہ

مذکورہ صدر بیان میں جس طرح قرآن و سنت کی رو سے یہ واضح ہوا کہ نا اہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہ عظیم ہے۔ اسی طرح ایک اچھے، نیک اور قابل آدمی کو ووٹ دینا ثواب عظیم ہے بلکہ ایک فریضہ شرعی ہے۔ قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو گناہ فرمایا۔ اسی طرح سچی شہادت کو واجب و لازم بھی فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ

اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ :

كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ

ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چھڑائیں، اللہ کے لئے ادائیگی شہادت کے واسطے کھڑے ہو جائیں۔ تیسری جگہ سورہ طلاق میں ارشاد ہے :

”اللہ کے لئے سچی شہادت کو قائم کرو۔“

ایک آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ :

”سچی شہادت کا چھینا حرام اور گناہ ہے۔“

ارشاد ہے :

”شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گناہگار ہے۔“

ان تمام آیات نے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کر دیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چھڑائیں، ضرور ادا کریں۔ آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آرہی ہیں ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک صالح حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آرہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں اور ان لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ کس قماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے۔

اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہوا سے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی حرام اور پوری قوم و ملت پر ظلم کا مترادف ہے اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنوں میں قابل اور دیانت دار نہ ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیل نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع نہ کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم کو فقہاء جمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے۔

مختصر یہ کہ انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام اور اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام، اس میں محض ایک سیاسی ہارجیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور علم و عمل اور دیانتداری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے۔ جس کام کے لئے یہ انتخابات ہو رہے ہیں اس حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :

۱۔ آپ کے ووٹ اور شہادت کے ذریعے جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا وہ اس سلسلے میں جتنے اچھے یا بُرے اقدامات کرے گا ان کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی، آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں برابر کے شریک ہوں گے۔

۲۔ اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے۔ ثواب بھی عذاب بھی محدود۔ قوی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے اس کا ادنیٰ نقصان بھی بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے اس لئے اس کا ثواب و عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

۳۔ کچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے اس لئے آپ کے حلقہ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل اور دیانتدار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

۴۔ جو اُمیدوار نظریہ اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

۵۔ ووٹ کو پیسوں کے معاوضے میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے۔ دوسروں کی زندگی سنوارنے کے لئے اپنا دین قربان کر دینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں ہو کوئی دانشمندی نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسروں کی دنیا کے لئے اپنا دین کھو بیٹھے۔

www.ahlehaq.org



پاکستان کا حالیہ الیکشن ۱۹۷۰ء

اسلام اور کفر اور پاکستان کی بقا و فنا کا معرکہ ہے

اس میں ووٹ کا استعمال بڑی احتیاط اور بصیرت سے ہونا چاہئے

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب کا بیان

آج کل اطراف ملک سے بکثرت یہ سوالات آرہے ہیں کہ حالیہ الیکشن میں ووٹ کس پارٹی اور کس نمائندہ کو دیئے جائیں اجمالی جواب کافی نہیں ہوتا تفصیل ہر ایک کو لکھنا مشکل ہے اس لئے سطور ذیل میں پوری حقیقت واضح کی جاتی ہے :

اس وقت پاکستان جس نازک دور سے گزر رہا ہے وہ کسی باشعور مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ دشمنان اسلام کی اندرونی و بیرونی سازشیں ملک پر لادینی نظریات مسلط کرنے کے ذریعے ہیں اور اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے ہر امکان کو ختم کر دینا چاہتی ہیں۔

ان حالات میں دسمبر ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات نے پاکستانی مسلمانوں پر ایک زبردست ذمہ داری ڈال دی ہے، اگر عوام نے اس ذمہ داری کو پوری توجہ احتیاط اور بصیرت کے ساتھ انجام نہ دیا تو اس کے نتائج ملک و ملت اور خود عوام کے لئے دنیا و آخرت میں بڑے ہولناک ہوں گے۔ اس وقت ہر ووٹر اور ہر امیدوار کو یہ بات سامنے رکھنی ہے کہ جس طرح ۱۹۷۱ء کا الیکشن شخصیات و افراد کا نہیں، بلکہ نظریات کا الیکشن تھا ایک محاذ پاکستان بنانے کا داعی اور دوسرا اس کا مخالف تھا، اسی طرح حالیہ الیکشن بھی خالص نظریاتی الیکشن ہے جو پاکستان کی بقا و فنا اور اسلام و کفر کا معرکہ ثابت ہوگا۔

مسلمانوں کے لئے راہ عمل

اس وقت ملک میں اگرچہ سیاسی پارٹیاں بے شمار کھڑی ہو گئی ہیں مگر بنیادی اور اصولی طور پر یہ سب تین قسموں میں جمع ہیں :

(۱) وہ جماعتیں جو کم از کم نظریاتی طور پر اس ملک میں سوشلزم اور صوبائی عصبيت کے فتنوں کے خلاف خالص اسلامی نظام اور اسلامی وحدت کی داعی ہیں۔

(۲) وہ جماعتیں جو پاکستان میں سوشلزم لانے کی کوشش کر رہی ہیں، خواہ روسی انداز کا سوشلزم ہو یا چینی طرز کا، اور خواہ وہ خالص سوشلزم کا نام لیتی ہوں، یا اس پر اسلام کا لیبل لگا کر ”اسلامی“ سوشلزم کی مہمل اصطلاح استعمال کرتی ہوں۔

(۳) وہ پارٹیاں جو پاکستان میں صوبائی عصبيت کو ہوا دے کر بنگلہ دیش، پختونستان یا جے سندھ کا نعرہ لگا رہی ہیں اور اس ملک کو مختلف آزاد حکومتوں میں تقسیم کر کے اسے فنا کر دینے کے درپے ہیں۔

ان تینوں قسموں میں سے آخری دو قسم کی جماعتوں یا ان کے نظریات کے حامل افراد کو ووٹ دینا پاکستان کی تباہی میں تعاون کرنے کے مترادف ہے اس لئے ان کو ووٹ دینا قطعاً ناجائز و حرام ہے۔ اسی طرح جو افراد اپنے طرز عمل سے ان دو قسم کی جماعتوں کو کسی شبہ یا تاویل کی بناء پر سیاسی امداد بہم پہنچاتے ہوں ان کو ووٹ دینا بھی چونکہ نتائج کے اعتبار سے مذکورہ جماعتوں کو ووٹ دینے کے مترادف ہوگا۔ اس لئے مسلمانوں کو اس سے بھی پرہیز لازم ہے۔

ان قسموں کے خارج از بحث ہو جانے کے بعد اب صرف پہلی قسم کی جماعتیں رہ جاتی ہیں جو لوگ پاکستان میں خالص اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں ان کی اصل کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ یہ تمام جماعتیں باہمی مفاہمت کے ذریعہ ہر سیٹ پر صرف ایک متفقہ امیدوار کھڑا کر کے اسی کی تائید و حمایت کریں۔

اگر ایسا سمجھوتا ہو جاتا ہے تو عوام کے لئے یہ راستہ متعین ہے کہ وہ اسی امیدوار کو ووٹ دیں جو اسلام کی داعی جماعتوں نے متفقہ طور پر کھڑا کیا ہو۔ ایسی صورت میں اس امیدوار کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنا تمام مسلمانوں کا دینی و اخلاقی فرض ہوگا اور چونکہ اس الیکشن میں حقیقی مقابلہ افراد و شخصیات کے بجائے نظریات و عقائد کا ہوگا اس لئے مذکورہ صورت میں ووٹ بھی کسی فرد کو نہیں بلکہ اس نظریہ کو دیا جائے گا جس کی حمایت کے لئے وہ کھڑا ہوا ہے۔ اس لئے اس کے مقابلے میں بعد کی دو قسموں کے نمائندے، خواہ بظاہر کتنے اچھے نظر آئیں، ان کو ووٹ دینا اسلام اور ملک سے بغاوت کے مترادف ہوگا۔ اور اگر خدا نخواستہ اسلامی نظام کی داعی جماعتوں میں کوئی انتخابی سمجھوتہ نہ ہو سکا تو ہر حلقے کے دیندار مسلمان مقامی سمجھوتہ کی کوشش کریں۔ اگر اس میں بھی ناکامی ہو اور ایک ہی نشست پر پہلی قسم کے مختلف افراد بدستور کھڑے رہے تو ان میں سے کسی کو ووٹ کے لئے منتخب کرنا مندرجہ ذیل معیار پر ہوگا۔

(۱) ہر حلقے میں پہلی قسم کے وہ افراد مقدم ہونگے جن کے نظریات ٹھیک ٹھیک جمہوریت اُمتِ مسلمہ کے مطابق ہوں جو قرآن و سنت کو سلف صالحین کی تشریحات کی روشنی میں اپنا مقتدا سمجھتے ہوں اور جن کا ظاہری عمل اور ماضی کا کردار بے داغ اور اسلام کے مطابق ہو۔ ان میں بھی وہ شخص مقدم ہوگا جس کی کامیابی کے امکانات دشمن کے مقابلے میں قوی ہیں۔ اگرچہ وہ علمی و عملی حیثیت سے موخر ہو۔

(۲) اگر کسی حلقے میں ایسے امیدوار میسر نہ آئیں تو پھر ان لوگوں کو ووٹ دیا جائے جو سوشلزم اور صوبائی عصبيت کے خلاف کم از کم نظریاتی طور پر اسلام ہی کو نافذ کرنے کے مدّعی ہوں خواہ ان کے ذاتی کردار یا فروغی نظریات میں کوئی خامی پائی جاتی ہو، اور جس میں ایسی خامیاں کم ہوں وہ دوسرے پر مقدم ہوگا۔

(۳) جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ اس الیکشن میں اصل مقابلہ ذاتی شخصیتوں کے بجائے اسلام اور لادینی نظریات کے درمیان ہے، اس لئے جہاں لادینی نظریات کے داعی اور کافرانہ نظاموں کے حامی افراد کے مقابلے میں کوئی سچا دیندار امیدوار میسر نہ آئے وہاں اھون البلیتین کے فقہی اصول کے مطابق بدرجہ مجبوری اس فاسق مسلمان کو ووٹ دینا بھی ضروری ہو جاتا ہے جو صحیح اسلامی نظریہ کی حمایت کے لئے کھڑا ہوا ہو۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام، اس پر کوئی معاوضہ لینا حرام۔ اس کو محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور علم و عمل اور دیانت داری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے جس کام کے لئے یہ انتخابات ہو رہے ہیں اس حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :

(۱) آپ کے ووٹ شہادت کے ذریعہ جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا وہ اس سلسلے میں جتنے اچھے یا برے اقدامات کرے گا ان کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی۔ آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں شریک ہوں گے۔

(۲) اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات کی شہادت میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے۔ ثواب و عذاب بھی محدود۔ قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے۔ اس کا ادنیٰ نقصان بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے اس لئے اس کا ثواب و عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

(۳) سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے۔ اس لئے آپ کے حلقہ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل و دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اسی کو ووٹ دینے ہیں۔ کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۴) جو امیدوار نظام اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

(۵) ووٹ کو پیسوں کے معاوضے میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لئے اپنا دین قربان کر دینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں ہو کوئی دانشمندی نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کے لئے اپنا دین کھو بیٹھے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بندہ
محمد شفیع

(مفتی اعظم پاکستان و صدر دارالعلوم، کراچی)

۲۰ / شعبان ۱۳۹۰ھ



اختلافات اُمت اور ان کا حل

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی قدس سرہ مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپ نے ایک اہم بات ارشاد فرمائی۔

جو لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ یہ قید و بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی جنگ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہ و تعالیٰ کے لئے امت کی صلاح و فلاح کے گرد گھومتی تھیں۔ مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جملہ جوان کی زبان مبارک پر آیا تھا، ان کے عزم اور مقصد کا پتہ دیتا ہے فرمایا :

”الحمد للہ بمصیبتہ گرفتارم نہ بمعصیتہ“

جیل کی تنہائیوں میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کر بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا، اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک دن ختم ہو جانے والی ہے، غم اس کا ہے کہ تکلیف و محنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں؟

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے، علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا اس وقت فرمایا کہ ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسی ۸۰ سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں۔ فرمایا کہ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کردوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معنایاً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کئے جائیں، بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کیلئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

نباض امت نے ملت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی، باقی یام زندگی میں ضعف و علالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود اس کے لئے سعی پیہم فرمائی۔ بذات خود درس قرآن شروع کیا جس میں تمام علماء شہر اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے، عوام بھی اور اس ناکارہ کو بھی اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے مگر اس واقعے کے بعد حضرت کی عمر ہی گنتی کے چند یام تھے، ”آں قدح بہ شکست و آں ساقی نماںد“۔

آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلاء ہیں اور جن حوادث و آفات سے دوچار ہیں اگر بصیرت سے مان لیا جائے تو ان کے سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گئے، قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔ غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی۔

اختلاف رائے کی حدود

اختلاف رائے کچھ مذموم نہیں، اگر اپنی حدود کے اندر ہو انسان کی فطرت میں اس کے پیدا کرنے والے نے عین حکمت کے مطابق ایک مادہ غصہ اور مدافعت کا بھی رکھا ہے اور وہ انسان کی بقاء و ارتقاء کیلئے ضروری ہے مگر یہ مادہ دشمن کی مدافعت کیلئے رکھا ہے اگر اس کا رخ دوسری طرف ہو جائے، خواہ اس لئے کہ دشمن کو پہچانے اور متعین کرنے میں غلطی ہو گئی ہو، یا کسی دوسری وجہ سے۔ بہر حال جب دشمن کا رخ بدلے گا تو یہ خود اپنی تباہی کا ذریعہ بنے گا۔ اسی لئے قرآن کریم نے مومن کے لئے پوری وضاحت کے ساتھ اس کا رخ متعین فرمایا ہے۔

ان الشیطان لکم عدو فاتخذوه عدوا

”شیطان تمہارا دشمن ہے اس کو ہمیشہ دشمن سمجھتے رہو“۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مومن کے غصہ اور لڑائی کا مصرف صحیح صرف شیطان اور شیطانی طاقتیں ہیں جب اس کی جنگ کا رخ اس طرف ہوتا ہے تو وہ جنگ قرآن کی اصطلاح میں جہاد کہلاتی ہے جو عظیم عبادات میں سے ہے۔ حدیث میں فرمایا ہے، ذرۃ سنامہ الجہاد، یعنی اسلام میں سب سے اعلیٰ کام جہاد ہے لیکن اگر اس جنگ کا رخ ذرا اس طرف سے ہٹا تو یہ جہاد کی بجائے فساد کہلائے گی جس سے بچانے ہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے سارے رسول اور کتابیں آئی ہیں۔ شکل و صورت کے اعتبار سے جہاد اور فساد میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ کاشا جہاں سے یہ لائیں بدلتی ہیں

صرف یہ ہے کہ اس کا رخ شیطان اور شیطانی طاقتوں کی طرف ہے تو جہاد ہے ورنہ فساد۔ دوقومی نظریہ جس نے پاکستان بنوایا اسی اجمال کی عملی تفصیل تھی کہ کلمہ اسلام کے ماننے والے ایک متحدہ قوم ہیں اور نہ ماننے والے دوسری قوم۔ ان کے جہاد کا رخ اس طرف ہونا چاہئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جہاد کے فرض ہونے کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی کہ قہر و غضب اور مدافعت کا مادہ جو انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ جب جہاد کے ذریعہ اپنا صحیح مصرف پالیتا ہے تو آپس کی خانہ جنگی اور فساد سے خود بخود نجات ہو جاتی ہے ورنہ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جس چھت میں بارش کا پانی نکلنے کا راستہ پر نالوں کے ذریعہ نہ بنایا جائے تو پھر یہ پانی چھت کو توڑ کر اندر آتا ہے۔

صلح اور جنگ کس سے

آج اگر غور کیا جائے تو پورے عالم اسلام پر یہی مثال صادق آتی ہے، شیطان اور شیطانی تعلیم، کفر و الحاد، خدا اور رسول سے بغاوت، فحاشی و عیاشی سے طبیعتیں مانوس ہو رہی ہیں۔ ان کی نفرت دلوں سے نکل چکی ہے، اس پر کسی کو غصہ نہیں آتا۔ انسانی رواداری، اخلاق مروت کا سارا زور کفر و الحاد اور ظلم کی حمایت میں صرف ہوتا ہے۔ نفرت، بغاوت، عداوت کا میدان خود اپنے اعضاء و جوارح کی طرف ہے۔

آپس کی ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا لڑائی ہے چھوٹا سا نقطہ اختلاف ہو تو اس کو بڑھا کر پہاڑ بنا دیا جاتا ہے۔ اخبارات و رسائل کی غذا یہی بن کر رہ گئی ہے۔ دونوں طرف سے اپنی پوری توانائی اس طرح صرف کی جاتی ہے کہ گویا جہاد ہو رہا ہے۔ دو متحارب طاقتیں لڑ رہی ہیں اور کوئی خدا کا بندہ اپنی طرف نظر کر کے نہیں دیکھتا کہ

ظالم جو بہہ رہا ہے وہ تیرا ہی گھر نہ ہو

سیاست ممالک سے لے کر خاندانی اور گھریلو معاملات پر سب میں اسی کا مظاہرہ ہے۔ جہاں دیکھو ”انما المومنون اخوة“ کا سبق پڑھنے والے آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ قرآن حکیم نے جہاں عفو درگزر، علم و بردباری کی تلقین کی تھی وہاں جنگ ہو رہی ہے اور جس محاز پر جہاد کی دعوت دی تھی وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی پڑا ہے۔

فالی اللہ المشتکی وانا لله وانا الیہ راجعون .

اسمبلیوں، کونسلوں، میونسپل بورڈوں کی نشست حکومت کے عہدوں اور ملازمتوں کی دوڑ، صنعت و تجارت کی دوڑ میں اور مقابلہ اور کمپٹیشن، جائیدادوں اور زمینداریوں کی کشمکش جہاں خالص اپنے حقوق کی جنگ ہے جس کو چھوڑ بیٹھنا سب کے نزدیک ایثار اور اعلیٰ اخلاق کا ثبوت ہے وہاں کوئی ایک انچ اپنی جگہ سے سرکنے کو تیار نہیں۔ دین و مذہب کے نام پر کام کرنے والوں کی اول تو تعداد ہی کم ہے اور جو ہے وہ عموماً قرآن و سنت کی بنیادی تعلیمات سے اغماض کر کے جزوی اور فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے۔

چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکہ و جدال بنا ہوا ہے جس کے پیچھے غیبت، جھوٹ، ایذائے مسلم، افترا و بہتان، تمسخر و استہزاء جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ دین کے نام پر خدا کے گھروں میں جدال و قتال اور لڑائیاں ہیں، نوبت پولیس اور عدالتوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ ان دینداروں کو خدا اور رسول پر استہزاء کرنے والوں، شراب پینے والوں، سود اور رشوت لینے والوں سے وہ نفرت نہیں جو ان مسائل سے اختلاف رکھنے والوں سے ہے۔

کوئی خدا کا بندہ اس پر نظر نہیں کرتا کہ اس کے مثبت و منفی دونوں پہلوؤں میں کوئی بھی کسی کے نزدیک ایسا نہیں جس کے لئے مسلمانوں سے جنگ کرنا جائز ہو۔ جس کے لئے دوسروں کی غیبت و بہتان و تذلیل و تحقیر روا ہو۔

اصلاح حال کی ایک غلط کوشش

ہمارے نو تعلیم یافتہ روشن خیال مصلحین کی توجہ جب اس باہمی اختلاف کے مہلک نتائج کی طرف جاتی ہے اور اس کے علاج کی فکر ہوتی ہے تو ان کے خیال میں ساری خرابیاں صرف ان اختلافات میں نظر آتی ہیں جو دین و مذہب کے نام پر سامنے آتے ہیں اور صرف اسی اختلاف کو مٹانے کے لئے علاج سوچتے ہیں۔ وہ اس وقت ان سب لڑائیوں کو بھول جاتے ہیں جو خالص نفسانی اور ذاتی غرض کے لئے لڑی جا رہی ہیں جن کے لئے ایک دوسرے کی جان و آبرو اور مال سب کچھ حلال سمجھ لیا جاتا ہے جس کے پیچھے پورے ملک میں باہمی منافرت کے سیلاب امنڈتے ہیں مگر ان کو چونکہ نئی تہذیب و شرافت کا نام دے دیا اس لئے وہ نہ قوم کے لئے کوئی مرض رہا نہ اس کا علاج سوچنے کی ضرورت رہی۔ اختلاف اور لڑائی میں صرف مٹا بدنام ہے اسی کا علاج زیر غور ہے حالانکہ دین و مذہب کے نام پر جو اختلافات ہیں اگر غور کیا جائے تو ان کی خرابی صرف حدود سے تجاوز کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے

ورنہ وہ کوئی برادری کا نو تہ نہیں بن سکتے وہ اپنے ذاتی حقوق نہیں جنہیں ایثار کیا جاسکے بلکہ قرآن و سنت کی تعبیر کے اختلافات ہیں جن کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے بعض روشن خیال مصلحین نے سارا فساد انہیں اختلافات میں منحصر سمجھ کر اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ فرقہ وارانہ اختلافات کو ہٹا کر سب کا ایک نیا اور مشترک مذہب بنا لیا جائے پوری قوم کا وہی ایک مذہب ہوتا کہ اختلاف کی وجہ ہی ختم ہو جائے۔ مگر یہ بات مذہبی مسائل میں عقلاً صحیح ہے نہ عملاً ممکن۔ ہاں خالص دنیوی معاملات جن میں جھگڑا ذاتی حقوق ہی کا ہو وہاں اپنے اپنے مطالبات کو نظر انداز کر کے ایسی صلح کی جاسکتی ہے اس لئے باہمی جنگ و جدل کا علاج یہ نہیں کہ اختلاف رائے کو مٹا کر سب کو ایک نظریے کا پابند کر دیا جائے۔

اختلاف رائے اور جھگڑے فساد میں فرق

اہل عقل و بصیرت پر مخفی نہیں کہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کے معاملات میں بہت سے مسائل ایسے آتے ہیں جن میں رائے مختلف ہو سکتی ہیں۔ ان میں اختلاف کرنا، عقل و ذہانت کا عین مقتضی ہوتا ہے ان میں اتفاق صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے یا تو مجمع میں کوئی اہل بصیرت اور اہل رائے نہ ہو۔ ایک نے کچھ کہہ دیا سب نے مان لیا اور یا پھر جان بوجھ کر کسی کی رعایت و مروت سے اپنے ضمیر اور اپنی رائے کے خلاف دوسرے کی بات پر صادر کر دیا ورنہ اگر عقل و دیانت دونوں موجود ہوں تو رائے کا اختلاف ضروری ہے اور یہ اختلاف کبھی کسی حال پر مضر بھی نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کے لئے بصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسمبلیوں میں حزب اختلاف کو اسی بنیاد پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

قرآن و سنت کے جملات اور مبہمات کی تشریح و تعبیر میں اسی طرح کے اختلافات کو ”رحمت“ کہا گیا ہے۔ جو اسلام کے عہد اول سے صحابہ و تابعین اور پھر ائمہ مجتہدین میں چلے آتے ہیں ان مسائل میں جو اختلافات صحابہ میں پیش آچکے ہیں ان کو مٹانے کے معنی اس کے سوا نہیں ہو سکے کہ صحابہ کرام کی کسی ایک جماعت کو باطل پر قرار دیا جائے جو نصوص حدیث اور ارشادات قرآنی کے بالکل خلاف ہے اسی لئے حافظ شمس الدین ذہبی نے فرمایا ہے کہ جس مسئلے میں اختلاف صحابہ کرام کے درمیان ہو چکا ہے اس کو بالکل ختم کر دینا ممکن نہیں۔

صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین کا طرز عمل

اسی کے ساتھ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب و سنت کے ماتحت جو ان میں اختلاف رائے پیش آیا ہے اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی

ایسا نہیں کہ اس نے جنگ و جدال کی صورت اختیار کی ہو۔ باہمی اختلاف مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا، اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ سیاسی مسائل میں مشاجرات صحابہ کا فتنہ تکوینی حکمتوں کے ماتحت پیش آیا آپس میں تلواریں بھی چل گئیں مگر عین اسی فتنہ کی ابتداء میں جب امام مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ باغیوں کے زرعے میں محصور تھے اور یہی باغی نمازوں میں امامت کراتے تھے تو امام مظلوم نے مسلمانوں کو ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور عام ضابطہ یہ بتا دیا کہ،

اذا هم احسنوا فاحسن معهم وان هم اساءوا فاجتنب اساءتهم
”جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں اس میں ان کے ساتھ تعاون کرو اور جب کوئی برا کام اور غلط کام کریں اس سے اجتناب کرو۔“

اس ہدایت کے ذریعے اپنی جان پر کھیل کر مسلمانوں کو قرآنی ارشاد :

تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان کی صحیح تفسیر بتادی اور باہمی انتشار و افتراق کا دروازہ بند کر دیا۔

اور اسی فتنے کے آخر میں جب کہ حضرت علی اور حضرت معاویہؓ کے درمیان میدان جنگ گرم تھا۔ روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے موقع پا کر حضرت معاویہؓ کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کا پیغام ملا تو حضرت معاویہؓ کا جواب یہ تھا کہ ہمارے اختلاف سے دھوکہ نہ کھاؤ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علیؓ کے لشکروں کا پہلا سپاہی جو تمہارے مقابلے کے لئے نکلے گا وہ معاویہ ہوگا۔ معلوم یہ ہوا کہ باہمی اختلافات جو منافقین کی گہری سازشوں سے تشدد کا رخ اختیار کر چکا ہے اس میں بھی اسلام کے بنیادی حقائق کسی کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب و سنت کے ماتحت اختلاف رائے جو صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے تو وہ بلاشبہ رحمت ہی ہے اس کا کوئی پہلو نہ پہلے مسلمانوں کے لئے مضر ثابت ہوا اور نہ آج ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ انہی حدود کے اندر رہے جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا۔

جدال اور اصلاح

مذہب کے نام پر دوسرے اختلافات قرونِ اولیٰ کے بعد بدعت و سنت اور دوسرے عنوانات سے پیدا ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے قرآن و سنت کی تعبیر میں اصول صحیحہ کو چھوڑ کر ذاتی آراء کو امام بنالیا اور

نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے گئے۔ یہ اختلافات بلاشبہ وہ تفریق و افتراق تھے جن سے قرآن و سنت میں مسلمانوں کو ڈرا دیا گیا ہے۔ ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید تھی مگر قرآن حکیم نے اس کا بھی ایک خاص طریقہ بتا دیا ہے، جس کے ذریعے تفریق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے، بڑھنے نہ پائے۔ یہ وہ اصول دعوت الی الخیر ہیں جن میں سب سے پہلے حکمت و تدبیر سے اور پھر خیر خواہی، ہمدردی اور نرم عنوان سے لوگوں کو قرآن و سنت کے صحیح مفہوم کی طرف بلانا ہے اور آخر میں ”مجادلہ باللتی ہی احسن“ یعنی حجت و دلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عام اہل علم اور مصلحین نے ان اصول کو نظر انداز کر دیا صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروط انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزاء و تمسخر اس کو زیر کرنے کے لئے جھوٹے سچے، ناجائز و جائز ہر طرح کے حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا جس کا لازمی نتیجہ جنگ و جدال اور جھگڑا و فساد تھا۔

اختلافات کی خرابیوں کا وقتی علاج

آج جب کہ مسلمانوں کا تفرق انتہاء کو پہنچا ہوا ہے اپنی مزعومات کے خلاف کوئی کسی کی بات ماننے کو تیار نہیں اور کوئی ایسی قوت نہیں کہ کسی فریق کو مجبور کر سکے تو اس باہمی جنگ و جدال اور اس کے مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ فرقوں اور جماعتوں کے ذمہ دار ذرا اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں جن کے لئے قرآن نازل ہوا۔ رسول کریم ﷺ مبعوث ہوئے، آپ ﷺ نے اپنی زندگی ان کے لئے وقف کر دی اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں یا بنیادی مسائل اور قرآن اور اسلام کا اصلی مطالبہ کچھ اور ہے۔

جس ملک میں ایک طرف عیسائی مشنریاں اپنی پوری قوت اور دنیاوی چمک و دمک کے ساتھ اس کو عیسائی ملک بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں ایک طرف کھلے بندوں خدا اور رسول اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جس کو دنیا سے مٹانے ہی کے لئے قرآن اور اسلام آیا تھا۔

اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق و تنقید اور ترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگر خدا اور رسول کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ

افتادیں پڑ رہی تھیں تم نے اس کے لئے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ، کوئی جماعت جب ذرا اپنے وقتی جھگڑوں سے بلند ہو کر اس کو سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہوگی اور اس کی کوشش کا رخ بدلے گا۔ اس کے نتیجے میں باہمی آویزش یقیناً کم ہوگی۔

میں اس وقت کسی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے خیالات و مزعومات کو بدلے۔ گذارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائیاں صرف کرنے کا صحیح محل تلاش کر کے اس پر لگا دیں اور باہمی اختلافات صرف حلقہ درس یا فتویٰ یا تحقیقی رسائل تک محدود کر دیں اور ان میں بھی لب و لہجہ قرآنی اصول دعوت کے مطابق نرم رکھیں، فقرے کہنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں۔

ہمارے پبلک جلسے اخبار اشتہار بجائے باہمی آویزش کو ہوا دینے کے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پر لگ جائیں تو پھر ہماری جنگ جو فساد کی صورت اختیار کر چکی ہے دوبارہ جہاد میں تبدیل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں عوام کا رخ بھی باہمی جنگ و جدل سے پھر کر دین کی صحیح خدمت کی طرف ہو جائے گا۔

صحیح اور غلط طرزِ عمل

بہت سے حضرات مسائل میں علماء کے اختلاف سے پریشان ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں، جس کی تہہ میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں، سب سے آزاد ہو کر جو سمجھ میں آئے کیا کریں اور بظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بجانب نظر آتا ہے لیکن ذرا غور کریں تو ان کو اس کا جواب اپنے گرد و پیش کے معاملات میں خود ہی مل جائے گا۔

ایک صاحب بیمار ہوئے ڈاکٹروں یا حکیموں کی آرام میں تشخیص و تجویز کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو وہ کیا کرتے ہیں؟ یہی نا کہ وہ ان ڈاکٹروں اور حکیموں کی ڈگریاں معلوم کر کے یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہل تجربہ سے دریافت کر کے اپنے علاج کے لئے کسی ایک ڈاکٹر کو متعین کر لیتے ہیں، اسی کی تشخیص و تجویز پر عمل کرتے ہیں، مگر دوسرے ڈاکٹروں اور حکیموں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑ دو اور اپنی آزادی رائے سے جو چاہو سو کرو۔ کیا یہی طرزِ عمل علماء کے اختلاف کے وقت نہیں کر سکتے

ایک مثال اور لیجئے۔ آپ کو ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنا ہے، قانون جاننے والے وکلاء سے مشورہ ان میں اختلاف رائے ہو تو کوئی آدمی یہ تجویز نہیں کرتا کہ مقدمہ دائر کرنا ہی چھوڑ دے یا پھر کسی وکیل کی نہ سنے، خود اپنی رائے سے جو سمجھ میں آئے کرے بلکہ ہوتا یہی ہے کہ مختلف طریقوں سے ہر شخص اتنی تحقیق کر لیتا ہے کہ ان میں کونسا وکیل اچھا جاننے والا اور قابل اعتماد ہے اس کو اپنا وکیل بنا لیتا ہے اور دوسرے وکلاء کو باوجود اختلاف کے دشمن نہیں سمجھتا، برا بھلا نہیں کہتا ان سے لڑتا نہیں پھرتا۔

یہی فطری اور سہل اصول اختلاف علماء کے وقت کیوں اختیار نہیں کیا جاتا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری اور مقدمے کے معاملات میں تو اگر آپ نے کسی غلط ڈاکٹر یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا تو اس کا جو نقصان پہنچتا ہے وہ آپ کو ضرور پہنچے گا مگر علماء کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں۔

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دے دیا تو اس کا گناہ سوال کرنے والے پر نہیں بلکہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔ شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہو جس کا عالم ہونا آپ نے ایسی تحقیق و جستجو کے ذریعے معلوم کیا ہو جو اچھے معالج اور اچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں۔

اپنی مقدور بھر صحیح عالم کی تلاش و جستجو کر کے آپ نے ان کے اقوال پر عمل کر لیا تو آپ اللہ کے نزدیک بری ہو گئے اگر اس نے غلط بتا بھی دیا ہے تو آپ پر اس کا کوئی نقصان یا الزام نہیں، ہاں یہ نہ ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں تو اس کا ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ہونا بھی معلوم کریں اور یہ بھی کہ اس کے مطب میں کس طرح کے مریض زیادہ شفا یاب ہوتے ہیں مگر عالم کی تلاش میں صرف عمامے، کرتے اور ڈاڑھی کو یا زیادہ سے زیادہ جلسے میں کچھ بول لینے کو معیار بنالیں اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے بری نہیں اس نے جواب میں کوئی غلطی کی تو آپ بھی اس کے مجرم قرار پائیں گے۔

باہمی جنگ و جدال کے دور کن

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آج مذہب کے نام پر جو جنگ و جدال کا بازار گرم ہے اس کے دور کن ہیں۔ ایک ہر فرقہ اور جماعت کے علماء، دوسرے وہ عوام جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

علماء اگر اپنی تحقیق اور تنقید میں قرآنی اصول دعوت کے مطابق دوسروں کی تنقیص و توہین سے پرہیز کرنے لگیں اور اسلام کے بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کو اختلاف نہیں اور اسلام اور

مسلمانوں پر جو مصائب آج آرہے ہیں وہ سب انہی مسائل کے متعلق ہیں۔ اپنی کوششوں اور محنتوں کا رخ اس طرف پھیر دیں اسی طرح عوام اپنی مقدور بھرپوری کوشش کر کے کسی صحیح عالم کا انتخاب کریں اور پھر اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے رہیں۔ دوسرے علماء یا ان کے ماننے والوں سے لڑتے نہ پھریں تو بتائیے کہ ان میں اشکال کیا ہے۔ سارے فرقے اور ان کے اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ و جدل ختم ہو سکتا ہے جس نے آج مسلمانوں کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ صرف ذرا سی توجہ دینے اور دلانے اور طرز عمل بدلنے کی ضرورت ہے کاش میری یہ آوازاں بزرگوں اور دوستوں تک پہنچے جو اس راہ میں کچھ کام کر سکتے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام پر اس ہمدردانہ دعوت کے لئے کھڑے ہو جائیں تو امت کی بہت سی مشکلات حل جائیں اور ہمارا پورا معاشرہ جن مہلک خرابیوں کی غار میں جا چکا ہے ان سے نجات مل جائے۔

تمام سیاسی اور شخصی جھگڑوں کا علاج

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مذہبی معاملات میں جس شخص نے کوئی خاص رخ اختیار کر رکھا ہے وہ اسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیم و تلقین سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہے۔ خواہ وہ حقیقت کے اعتبار سے بالکل غلط ہی ہو مگر اس کا نظریہ کم از کم یہی ہے کہ وہ اللہ کا دین ہے ان حالات میں اس کو ہمدردی اور نرمی سے اپنی جگہ افہام و تفہیم کی کوشش تو بجائے خود جاری رہنا چاہئے لیکن جب تک اس کا نظریہ نہ بدلے اس کو یہ دعوت نہیں دی جاسکتی کہ تم ایثار کر کے اپنا نظریہ چھوڑ دو اور صلح کر لو۔ ان سے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اختلاف رائے کو اپنی حدود کے اندر رکھیں اور افہام و تفہیم، قرآنی اصول و حکمت، موعظت، مجادلہ باللہی ہی احسن کو نظر انداز نہ کریں مگر جن معاملات کا تعلق صرف شخصی اور ذاتی حقوق اور خواہشات سے ہے وہاں یہ معاملہ بہل ہے کہ جھگڑے سے بچنے کے لئے دوسرے کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے، اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور جو شخص ایسا کرے دنیا میں بھی اس کی عزت کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور جس مقصد کو چھوڑا ہے وہ بھی دوسرے رستے سے حاصل ہو جاتا ہے اور آخرت میں تو اس کے لئے ایک عظیم الشان بشارت ہے جس کا بدل پوری دنیا اور دنیا کی ساری حکومتیں اور ثروتیں بھی نہیں ہو سکتیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا :

انا زعيم بييت في ربض الجنة لمن ترك المراء وهو محق

”میں ضامن ہوں اس شخص کو وسط جنت میں مکان دلانے کا جس نے حق پر ہونے کے

میں آخر میں اپنے پہلے جملے کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ہماری ساری خرابیوں کی بنیاد قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا ہے اور یہ آپس کی لڑائی بھی درحقیقت قرآنی تعلیمات سے ناواقفیت اور غفلت ہی کا نتیجہ ہے۔ گروہی تعصبات نے یہ حقائق نظروں سے اوجھل کر رکھے ہیں۔

دنیا میں صالحین کی اگرچہ قلت ضرور ہے مگر فقدان نہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے مصلحین کا سخت قحط ہے جو گرد و پیش کے چھوٹے چھوٹے دائروں سے ذرا سر نکال کر باہر دیکھیں اور اسلام اور قرآن ان کو کس طرف بلا رہا ہے ان کی صدا سنیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے راستے پر چلنے کی توفیق کامل عطا فرمائے۔

اللّٰهُمَّ وَفَّقْنَا لِمَا تَحِبُّ وَتَرْضَىٰ مِنْ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالْعَمَلِ وَالنِّيَّةِ وَصَلَّى
اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيَّ خَيْرِ خَلْقِهِ وَصَفْوَةِ رِسَالِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ ط

www.ahlehaq.org



جہاد پاکستان

فضائل و مسائل

۹/ جمادی الاول ۱۳۸۵ھ مطابق ۶/ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح پاکستان کے لئے ظاہری اعتبار سے کئی بھیانک اور کش مکش موت و حیات کی صبح تھی، جس میں غدار مملکت بھارت نے اعلان جنگ کئے بغیر چوروں کی طرح پاکستان کی سرحدات پر اپنی پوری فوجی طاقت کے ساتھ ہلہ کر دیا۔ اور ہماری سرحدات پر بسنے والے شہری مسلمانوں پر آگ برسانے لگے۔ ٹینکوں کی اتنی بڑی تعداد میدان میں لے آئے کہ کچھلی جنگ کے بعد اتنی تعداد سے کہیں جنگ نہیں لڑی گئی۔

بھارتی سورما چوبیس گھنٹوں میں لاہور پر قبضہ کر کے اس کے کلبوں میں شراب نوشی اور ناچ گانے کے مجنونانہ منصوبوں کا خبط دماغ میں لئے ہوئے آگے بڑھنے لگے اس کے جنگی ناخداؤں نے اپنی فوج کو بھی اس دھوکہ میں رکھ کر آگے بڑھنے کے لئے آمادہ کر دیا کہ میدان خالی ہے تم مارچ کرتے ہوئے شالامار پہنچ جاؤ۔ امرتسر، جالندھر کے شہری بھی اسی دھوکہ میں لاہور کی فتح کا تماشادیکھنے کے لئے پاکستانی سرحدات پر اُمند آئے تھے۔ مگر یہ بے وقوف آٹھ سو برس مسلمانوں کے محکوم رہ کر اور دو سو برس انگریز کے زیر سایہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کو نہ پہچان سکے۔ انھوں نے اسلامی تاریخ کی اس مسلسل کرامت کو فراموش کر دیا کہ ۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد

اس بھیانک اور تاریک صبح کا آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا کہ بھارتی سورماؤں کو اپنے خواب کی الٹی تعبیر کا نقشہ سامنے دکھائی دینے لگا اور ان کی فوجوں اور فتح لاہور کے تماشائیوں کی لاشوں کے ڈھیر ٹرکوں میں بھرے ہوئے امرتسر کے گلی کوچوں میں نوحہ خوانی کرتے ہوئے پھرنے لگے۔

واہگہ کی سرحد پر ایک سو پاکستانی سپاہیوں کی ایک کمپنی بھارت کی، بزدل ٹڈی دل فوج سے نو گھنٹے تک کھیلتی رہی اور بالآخر اسے پیچھے دھکیل دیا۔ سیالکوٹ کے محاذ پر اصحاب الفیل کے لشکر کو پاک فضائیہ کی ابابیل نے بھوسے کا ڈھیر بنا کر رکھ دیا۔

دوسرے سب محاذوں پر فتح کا خواب دیکھنے والے بھارت کے بزدل اپنی جوتیاں اور کپڑے تک چھوڑ کر بھاگ گئے، اور بھارت کا بہت بڑا رقبہ پاکستانی فوجیوں کے قبضہ میں آ گیا۔

پاک بحریہ کے ایک ہی ہلے نے دوار کا کے فوجی نقطہ نگاہ سے نہایت اہم قلعہ اور جنگی سازو سامان کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ اور اس کی ایک بھی کشتی یا کسی سپاہی کو خراش تک نہ لگی۔ ہماری ”غازی“ آبدوز نے بحر عرب میں بھارتی بحری جہازوں کو جہنم رسید کر دیا۔ بھارتی بمباروں کی سترہ روزہ اندھا دھند یلغار ہمارے فوجی ٹھکانوں، سرگودھا، پشاور کراچی وغیرہ پر مسلسل ہوتی رہی، مگر کسی جگہ بھی کوئی قابل ذکر نقصان نہ پہنچا سکی۔ نہتے بے گناہ شہریوں اور بستیوں کو بے شک ان بزدلوں نے نقصان پہنچایا۔ یہ آنکھوں دیکھا حال ہے جس کو ”آکاش وانی“ کے جھوٹ کی دھول دنیا کی نظروں سے نہ چھپا سکتی تھی اور نہ چھپا سکی !

بہر حال یہ تو مشاہدات اور واقعات ہیں، جو ہو چکے اور تاریخ عالم کا ایک زریں باب بن چکے یہاں اہل بصیرت کے لئے سوچنے سمجھنے کی یہ بات ہے کہ یہ فرق عادت اور خلاف قیاس واقعات جن پر دنیا انگشت بدندان رہ گئی، ہو کیسے گئے۔ برق و بھاپ اور صرف مادیات کے چکر میں پھنسی ہوئی سائنس اس کا جواب نہیں دے سکتی۔ اس کی حقیقت آپ کو صرف قرآن اور آسمانی صحیفے ہی بتلا سکتے ہیں، جو مادیات کے سارے عناصر اور ان کے جوڑ توڑ سے ہزاروں عجیب ایجادات بنانے والی سائنس کے خالق و مالک کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات ہیں۔ اُن میں غور کرنے ہی سے یہ راز کائنات کھلتا ہے کہ رب العزت جل شانہ نے اس عالم کو اسباب و مسببات کے ایک ایسے مضبوط و محکم نظام میں جکڑا ہوا ہے جو کہیں ٹوٹا نظر نہیں آتا۔ نظام کائنات میں کہیں ایک بال کا فرق نہیں پڑتا۔

قدرت کا مستور ہاتھ جو اس نظام کو چلا رہا ہے وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے اور ظاہر میں نظریں اسی نظام اسباب کے چکر میں کھوجاتی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آنے والی وحی اور پہچانے والے پیغمبر بتلاتے رہتے ہیں کہ یہ اسباب سب پردے ہیں ان میں کام کرنے والا ہاتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہے۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے اسی سے ہوتا ہے یہ اسباب اسی وقت تک کام دیتے ہیں جب تک قدرت کی مشیت ان کو کام پر لگائے رکھے۔ ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی آگ گلزار بن جاتی ہے اور آل فرعون پر دریا کا پانی آگ بن جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ فتح و شکست دراصل حق تعالیٰ جل شانہ کے دست قدرت میں ہے وہ جس قوم جس ملک کی تائید کرتے ہیں فتح اسی کا حصہ ہوتی ہے خواہ اس کے سامان و تعداد میں کیسی ہی کمی ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا دستور یہ ہے کہ وہ اللہ کے فرمانبرداروں کے ساتھ ہوتی ہے نافرمانوں کے ساتھ نہیں ہوتی۔

فتح کا سبب شرعی جہاد ہے

پاکستان اسلام کے نام پر بنا اس کے باشندوں کی بڑی بھاری اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ غفلتوں اور گناہوں کے باوجود اس قوم میں اب بھی بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسلامی فرائض، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے پابند ہیں اور حرام سے پرہیز کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ تائید ربانی کے لئے پوری کی پوری قوم کا متقی، پرہیزگار ہونا تو شرط نہیں کہ ان میں کوئی گنہگار نہ ہو کیونکہ ایسا تو قرن صحابہ کے بعد دنیا میں کہیں بھی نہیں ہوا۔ صرف اتنا کافی ہوتا ہے کہ ان میں کافی تعداد اطاعت شعار فرمانبردار نیک مسلمانوں کی ہو۔ سو بحمد اللہ پاکستان اس سے خالی نہیں۔ لیکن ہمارا ایک گناہ ایسا تھا جس میں ہماری پوری کی پوری قوم شریک تھی۔ جس سے علماء، صلحاء، عوام اور اعیان حکومت تک میں کوئی مستثنیٰ نہ تھا اور وہ گناہ تھا ”ترک جہاد“ کا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکومت، فوجی طاقت، مال و دولت کے سارے وسائل اور طاقتیں عطا فرمائیں، جن کے ذریعہ جہاد کی استطاعت ہمیں حاصل ہوگئی اور ہمارے پڑوس کشمیر اور دوسری جگہوں میں مقہور و مغلوب مسلمان کفار کے جو رستم کے تختہ مشق بنے رہے۔ ہم ان کے حالات کو دوسری خبروں کی طرح پڑھتے رہے، ان کے حالات کو تماشا بن کر دیکھتے رہے۔ قوت و قدرت کے باوجود ہم نے ایسے مظلوم مسلمانوں کی امداد کے لئے جہاد کا فریضہ ادا نہیں کیا جن کے بارے میں قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے :

وَمَالَكُمْ لَا تِقَاتُلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا جَج
وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا۔ (سورہ نساء پارہ ۵)

”اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور کمزور مسلمانوں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں کچھ عورتیں اور کچھ بچے۔ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کر دیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیج دیجئے۔“

یہ تھا ہمارا وہ مشترکہ گناہ جس میں پورے پاکستان کے مسلمان ملوث تھے اور جس نے ہمیں تائید ربانی سے محروم کر رکھا تھا۔

عدو شود سبب خیر

بھارت کے اچانک حملے نے ہماری سوئی ہوئی اور گناہوں، غفلتوں میں کھوئی ہوئی قوم کو یکبارگی جھنجھوڑ کر بیدار و ہوشیار کیا اور پاکستان نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا واسطہ دے کر اپنی قوم کو لاکارا تو پوری قوم کو پشاور سے چانگام تک اپنا بھولا سبق جہاد یاد آ گیا۔ ان کانفرہ جہاد لگانا تھا اور اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرتوں کے دروازے کھلنا۔ یہ ہے ان کے خلاف قیاس فتوحات پاکستان کا اصلی سبب!

جہاد شرعی

اسلامی جہاد تین وجہوں سے فرض ہوتا ہے۔ ایک اعلاء کلمۃ اللہ کا اصل مقصد، دوسرے مظلوم مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم سے آزاد کرانا، تیسرے کوئی کافر حکومت اسلامی شہروں پر یلغار کرے تو اس کی مدد کرنا۔

اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد پر تو قرآن کریم میں بیسار آیات موجود ہی ہیں، مظلوم و مقہور مسلمانوں کی رہائی کے لئے جہاد کا فرض ہونا۔ سورہ نساء کی آیت میں ابھی آپ اوپر دیکھ چکے ہیں اور مسلمانوں کے شہر اور ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے لئے جہاد کے متعلق رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد کتب حدیث میں موجود ہے :

من قتل دون ماله فهو شهيد	ومن قتل دون دمه فهو شهيد
جو قتل ہوا اپنے مال کے لئے پس وہ شہید ہے	اور جو قتل ہوا اپنے خون کے لئے پس وہ شہید ہے
ومن قتل دون دينه فهو شهيد	ومن قتل دون اهله فهو شهيد
اور جو قتل ہوا اپنے دین کے لئے پس وہ شہید ہے	اور جو قتل ہوا اپنے گھر والوں کے لئے پس وہ شہید ہے

(جمع الفوائد)

پاکستان کے موجودہ جہاد میں فرضیت کے یہ تینوں اسباب موجود ہیں۔ اعلاء کلمۃ اللہ تو ہر مومن کے دل کی آواز ہے ہی۔ کشمیر (مقبوضہ) کے مسلمانوں نے بھارتی مظالم سے تنگ آ کر اپنی آزادی کا مطالبہ کیا تو بھارت کے مظالم اور وحشیانہ حرکتیں اور تیز ہو گئیں۔ ان کی چیخ و پکار سے ان کے قریبی بھائی

آزاد کشمیری مسلمانوں میں جذبہ جہاد ٹھیک قرآنی آیت مذکورہ کے مطابق بیدار ہوا، وہ ان کی امداد کو پہنچے تو بھارت نے آگے بڑھ کر آزاد کشمیر کے علاقہ میں خط متار کہ جنگ کو پار کر کے آزاد کشمیر کے کئی مقامات پر قبضہ کر لیا اور پورے کشمیر کے مسلمانوں پر اپنی فوجوں اور غنڈوں کو مسلط کر کے وہ مظالم ڈھائے کہ خدا کی پناہ۔

یہ حالات تو ایسے ہیں کہ اس کے لئے جہاد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے اور پاکستان کے لئے یہ فرض اس لئے بھی زیادہ اہم ہے کہ وہ ان سے قریب تر اسلامی مملکت ہے اور قرآن کریم کا حکم ہے :

وَقَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلِيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً
”یعنی اپنے قریب کے کافروں سے جہاد کرو اور تم ایسے نوکڑہ تہاری قوت و شدت کو محسوس کرنے لگیں۔“

اور اس لئے پاکستان پر یہ فرض عائد ہو رہا تھا کہ آزاد کشمیر جو درحقیقت پاکستان ہی کا ایک حصہ ہے اس پر بھارت نے یلغار کی تھی اور اس لئے بھی کہ مقبوضہ کشمیر میں ابتداء پاکستان کے قیام کے وقت کشمیریوں کو جنگ بند کرنے پر سلامتی کو نسل اور بھارت و پاکستان کے اس مشترکہ وعدہ پر مجبور کیا گیا تھا کہ کشمیر میں استصواب رائے کے ذریعہ کشمیریوں کو حق خود اختیاری دیا جائے گا۔ جس کو اٹھارہ سال تک بھارت نے پورا نہ ہونے دیا۔ پاکستان کو اپنے وعدے کے مطابق ان کی امداد ناگزیر تھی۔

یہ سب کچھ تو کشمیر میں ہو رہا تھا کہ اچانک بھارت نے اہل پاکستان پر مختلف محاذوں سے حملہ کر دیا۔ جس کی مدافعت پاکستان پر فرض عین کی حیثیت سے عائد ہو گئی۔

بھارت کا ریڈیو، بھارت کی حدود میں بسنے والے چند علماء کے بیانات نشر کرتا رہا ہے کہ پاکستان کی یہ جنگ جہاد نہیں ہو سکتی صرف ایک سیاسی لڑائی ہے۔ معلوم نہیں کہ جو کچھ ان علماء کی طرف منسوب کر کے اس جھوٹوں کے بادشاہ ریڈیو نے کہا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں یا یہ بھی بھارتی ریڈیو کی کذب بیانی ہی کا ایک شاخسانہ ہے اور اگر یہ صحیح بھی ہو کہ ان علماء نے ایسا بیان دیا ہے تو معلوم نہیں کہ وہ کس طرح ایسا بیان دینے پر مجبور کئے گئے ہوں گے، جو قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے!

کیا کوئی مسلمان جس کو کچھ بھی قرآن و حدیث کا علم ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ کشمیری مسلمانوں پر بے پناہ مظالم کے واقعات سن کر ان مظالم سے ان کی رہائی کے لئے جنگ کرنا ٹھیک اسلامی اور شرعی جہاد نہیں محض ایک سیاسی جنگ ہے اور جو ایسا کہتے ہیں ان کے پاس سورہ نساء کی مذکورہ بالا آیات کا کیا جواب ہے۔

اور کیا کوئی مسلمان بلکہ سمجھدار مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ بھارت کی ٹڈی دل فوج نے جب پاکستان پر چڑھائی کر دی تو پاکستان کو جھک کر اس کا استقبال کرنا چاہئے تھا اور پاکستان ان کے حوالے کر دینا شریعت کا حکم تھا یا یہ کہ اس کی مدافعت میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنا عین شرعی فریضہ جہاد تھا۔

رہا ان کا یہ کہنا کہ بھارت بھی پاکستان کی طرح ایک اسلامی ملک ہے اور بھارت میں پانچ چھ کروڑ مسلمان آباد ہیں یا یہاں مسلمان بادشاہوں کی عظیم الشان یادگاریں ہیں اولیاء اللہ کے مزارات اور بہت سے اسلامی ادارے ہیں اس لئے بھارت کے خلاف جہاد کرنا جائز نہیں۔ سواؤل تو یہ سوال اس وقت ہوتا جب پاکستان دہلی پر حملہ آور ہوتا آج تو اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ پاکستان اپنی سرحدات پر بھارت کی یلغار کو روکنے کے لئے جہاد کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ بھارت کے چھ کروڑ مسلمانوں پر آئے دن جو مظالم بھارتی ہندوؤں کے ہاتھوں ہوتے رہتے ہیں اور جن کے واقع ہونے سے یہ حضرات بھی انکار نہیں کر سکتے اور ان کے ساتھ جس قسم کا سلوک کیا جاتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح یہ بات ان حضرات کے زبان و قلم پر آئی کہ بھارت بھی ایک اسلامی ملک ہے اس کے خلاف جہاد جائز نہیں۔

رہا یادگاروں کا معاملہ تو انڈس میں تو ہماری یادگاریں وہاں سے زائد ہیں۔ کیا یہ حضرات یادگاروں کی خاطر وہاں بھی جہاد کو ممنوع قرار دیں گے؟

اور پھر یہ بھارتی ریڈیو جو اپنے مرنے والوں کو ”شہید“ کہتا ہے تو کیا وہ اس لڑائی کو مذہبی لڑائی کا رنگ نہیں دیتا۔ اس کے لئے یہ حضرات کیا فرماتے ہیں !

حقیقت یہ ہے کہ صدیوں کے بعد یہ جہاد صحیح شرائط جہاد کے مطابق عین اسلامی اور شرعی جہاد ہوا ہے۔ اس حیثیت سے بھی یہ جہاد ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت و نعمت ہے کہ اس نے اپنے فضل سے ہمیں اس خالص اسلامی جہاد میں حصہ لینے کا ایک موقع عطا فرمادیا اور اس اعتبار سے بھی کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی غیبی امداد و نصرت سے نوازا اور اس حیثیت سے بھی کہ اس کی وجہ سے ہماری پوری قوم جو ہزاروں گناہوں میں ملوث، غفلتوں میں سرشار تھی اس کو کچھ ہوش آگیا اور اللہ جل شانہ کی طرف اس کی توجہ بڑھ گئی اور کھلے معاصی رقص و سرور، بے حیائی، فسق و فجور رشوت، دھوکہ فریب وغیرہ جرائم خود بخود کم ہوتے چلے گئے پولیس کی رپورٹ کے مطابق ستر فیصد جرائم گھٹ گئے۔

اور اس لحاظ سے بھی کہ ہماری پوری قوم جو پارٹیوں فرقوں اور انفرادی واجتماعی اختلافات اور جھگڑوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی اس جہاد نے ان کے سب جھگڑے فراموش کر کے ان کو دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک بنیان مرصوص بنادیا۔

روحانی بیماریوں کا علاج

معلوم ہوا کہ جہاد جس طرح ایک اہم فریضہ اور عبادت ہے اسی طرح وہ بہت سی روحانی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔ خصوصاً آپس کے جھگڑے لڑائی اور بغض و کینہ کا خاص کامیاب علاج جہاد ہے۔ تزکیہ نفس کے لئے جو مجاہدات صوفیائے کرام کے یہاں معروف ہیں ان سب سے زیادہ نفس کی پاکی اور طہارت جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسے واقعات بھی مسلمان مجاہدین میں کم نہیں کہ جہاد سے پہلے ان کی حالت دینی اعتبار سے کچھ اچھی نہیں تھی مگر میدان جہاد میں اترنے کے بعد خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور گناہوں سے توبہ نصیب ہوئی۔ ہمارے ہندوستان کے مسلمان بادشاہ ظہیر الدین بابرؒ کا یہی واقعہ ہے کہ عین میدان جنگ میں خالص توبہ نصیب ہوئی اور شراب کے خم و جام توڑے گئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا حال بھی شروع میں کچھ ایسا ہی تھا۔ جب جہاد کی قیادت سنبھالی تو توبہ کر کے اولیاء اللہ میں شمار ہوئے حضرت سلطان محمود غزنویؒ کا واقعہ بھی کچھ اس قسم کا ہے کہ یک بیک ان میں انقلاب آیا جبکہ خواب میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے ان کی کمر میں تلوار باندھی اور ہندوستان کے کفار پر جہاد کا حکم دیا۔



جہاد کی فرضیت اور فضیلت حالیہ جہاد کا درس

۹/ جادی الاول ۱۳۷۵ھ مطابق ۶/ ستمبر ۱۹۶۵ء کے حالیہ جہاد پاکستان میں حقیقت ہے کہ ہم اور ہماری پوری قوم اللہ تعالیٰ کی اس تائید و نصرت کی ہرگز مستحق نہیں تھی جس کا مشاہدہ ہوا اور سو سپاہیوں کی ایک کمپنی نے ٹنڈی دل فوج کا منہ پھیر دیا۔ بحری بری اور فضائی ہر فوج کے ہمارے سپاہیوں اور افسروں نے ایسے بیشمار واقعات دیکھے جن کو ساز و سامان یا جنگی تیاریوں کا نتیجہ کسی طرح نہیں کہا جاسکتا اور سب کو اس کا اقرار ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید کا کام ہے۔

دوار کا بھارتی قلعہ پر بحری حملے کے وقت ایک سیاہ بادل یادھویں کا پاکستانی بیڑہ ہر ایسا محاصرہ رہا کہ گویا ایک چھتری ڈھکی ہوئی ہے اور دشمنوں کی نظروں اور حملوں سے ان کو بچائے ہوئے ہے۔ اور کراچی پہنچنے تک اس سائبان کا بیڑے کے ساتھ رہنا جس کے شاہد پاکستانی بحریہ کے تمام ہی افسر اور سپاہی ہیں۔ اور حد تو یہ ہے کہ چونکہ دشمن کے علاقہ میں ہوتے ہوئے ہمارا بیڑہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو کوئی پیغام نہیں بھیج سکا تھا اس لئے اس کی خبر گیری کو جو پاک فضائیہ کے طیارے گئے ان کو بھی ہمارا بیڑہ اس سائبان غیبی کی وجہ سے نظر نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہماری کسی تدبیر کا نتیجہ نہیں خالص امداد غیبی تھی۔

ہم نے پاکستان بننے بنانے کے بعد جو غفلت بلکہ اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات سے بغاوت کا راستہ اختیار کر رکھا تھا کہ فواحش و منکرات، شراب نوشی، بے حیائی، رقص و سرور، مرد و عورت کے بے محابہ اختلاط، عورتوں کی نمائش حسن جو مغرب کے بے دین ملکوں کا شعار تھے وہ ہمارے دین دار گھرانوں میں بھی پھوٹ پڑے اور ہم مال و دولت اور حکومت کے نشے میں سرشار نفس کی خواہشات و لذات میں کھو گئے تھے، ہم بلاشبہ سزا کے مستحق تھے نہ کہ انعام کے۔

مگر مالک پروردگار نے اپنے رسول کریم ﷺ کے طفیل میں ہمارے ضعف پر رحم فرمایا اور بغیر کسی استحقاق کے اپنی تائید و نصرت بھیج دی اور پاکستان کو دشمن کے شدید حملے سے محفوظ فرمادیا۔ اس پر ہم جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں حق شکر ادا نہیں ہو سکتا اور اس سے زیادہ قابل شکر یہ ہے کہ اس نے اپنے فضل سے ہماری پوری قوم میں یک بیک دینی رجحانات اور اللہ تعالیٰ سے مومنانہ تعلق کی

دولتِ عظمیٰ عطا فرمادی۔ ان کے باہمی اختلافات اور تفرقوں کو دور کر کے ان میں ایک مستحکم وحدت عطا فرمادی۔

اس جہاد کے دوران میں مسلمانوں کو نماز و دعا کا خاص اہتمام کرتے دیکھا گیا۔ گھر گھر اور گلی کوچوں میں وظیفے ختم کر کے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ بازاروں میں ملاوٹ اور چور بازاری کم ہو گئی، دفتروں میں رشوت ستانی گھٹ گئی، اسی طرح تمام جرائم میں کمی آ گئی، رقص و سرور کی محفلیں سرد پڑ گئیں، ریڈیو پاکستان نے فلمی گیتوں اور فضول چیزوں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے بہترین مضامین اور نظمیں سنائیں اور پوری قوم کو جہاد کے لئے تیار کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ خدا کرے وہ ہمیشہ اسی طرز پر قائم رہے! پولیس کی بعض رپورٹوں کے مطابق جرائم میں ستر فیصد کمی آ گئی۔

لیکن ہماری یہ کیفیت اگر صرف وقتی اور ہنگامی تھی اور اس سے فارغ ہو کر ہم پھر انہی بد مستیوں میں لگ گئے تو یاد رہے کہ بلا استحقاق کے ایسے انعامات بار بار نہیں ہوا کرتے۔ ہمیں ایک چالاک اور غدار دشمن سے سابقہ ہے، معلوم نہیں کہ کس وقت ہم پھر پہلے سے زیادہ وسیع اور سخت جنگ کے لئے مجبور ہو جائیں اس لئے جس طرح ہماری حکومت اور عوام کے لئے یہ ضروری ہے کہ پچھلے حالات کے تجربے سے فائدہ اٹھا کر سامانِ جنگ فراہم کرنے اور نئی فوجوں کو تربیت دینے اور اپنے ملک کو خود کفیل بنانے کی جدوجہد میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں۔

اسی طرح بلکہ اس سے بھی پہلے ہم سب کا یہ فریضہ ہونا چاہئے کہ ہمارا ہر گھر، ہر دکان، ہر دفتر قرآن اور ذکر اللہ سے آباد ہو، نمازوں کے اوقات میں یہ سب بند ہوں اور مسجدیں آباد ہوں۔ ہم سب مل کر بے حیائی، مردوزن کے بے محابہ اختلاط، رقص و سرور کی محفلوں، شراب اور حرام آمدنیوں سے اخلاص کے ساتھ ہمیشہ کے لئے توبہ کر لیں اور غضبِ الہی کے ان تمام جرائم کو ملک بدر کر دیں، غیروں کی نقالی اور فیشن پرستی اور ان کی گندی اور مہنگی معاشرت جس نے ہمارے ملک کو کھوکھلا کر دیا ہے اس کو یکسر رخصت کر کے اسلام کی سادہ معاشرت اختیار کریں۔

عام خانگی زندگی کو سادہ بنائیں، تقریبات میں فضول رسموں کو زہر سمجھیں، اس طرح ملک کی دولت کو بچا کر ترقیاتی منصوبوں میں نفع بخش صورت سے لگائیں تو کچھ دور نہیں کہ ہمارا ملک خود کفیل اور ہمارے عوام کا معیارِ زندگی بلند ہو ہم اپنی صلح و جنگ میں دوسروں کی طرف دیکھنے کے محتاج نہ رہیں۔

قوت و سامان جہاد کی فراہمی فرض ہے

صبر و تقویٰ اور اللہ تعالیٰ پر توکل و ایمان تو مسلمانوں کی اصل اور ناقابلِ تسخیر طاقت ہے ہی اس کے ساتھ یہ بھی ایمان ہی کا تقاضہ ہے۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به
عدوا الله وعدوكم

”اور تیار کرو تم دشمن کے لئے جتنا بھی تم کر سکو، سامانِ جنگ اور سدھے ہوئے گھوڑے تاکہ دھاک پڑ جائے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر“۔

رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ جنگی مشقوں کا اہتمام فرمایا۔ اس زمانہ میں جنگ کے جو ہتھیار تھے ان کو جمع کرنے کی ہدایت فرمائی، جہاد کے گھوڑے، اونٹ، زرہ وغیرہ جمع فرمائی، تیر اندازی اور نشانہ کی مشق کے لئے ہدایت فرمائی۔

جنگی صنعتوں کے لئے صحابہ کا سفر

امام حدیث و تفسیر ابن کثیر نے اپنی تاریخی کتاب البدایہ والنہایہ میں غزوہ حنین کے تحت نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے دو صحابی، حضرت عروہ بن مسعودؓ اور غیلان بن اسلمہؓ اس جہاد میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس لئے شرکت نہیں کر سکے کہ وہ بعض جنگی اسلحہ اور سامانوں کی صنعت سیکھنے کے لئے دمشق کے مشہور شہر جرش میں اس لئے گئے ہوئے تھے کہ وہاں دبّابہ، ضبّور کی وہ جنگی گاڑیاں بنائیں جاتی تھیں جن سے اس وقت آج کل کے ٹینکوں کا کام لیا جاتا تھا۔

اسی طرح منجیق کا وہ آلہ جس سے بھاری پتھر قلعوں پر پھینک کر قلعہ شکن توپوں کا کام لیا جاتا ہے اس کی صنعت بھی وہاں ہوتی تھی۔ یہ صنعتیں سیکھنے کے لئے ان بزرگوں نے ملک شام کا سفر اختیار کیا تھا۔

اس واقعہ سے بھی یہ ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ملک کو جنگی اسلحہ اور سامان کے لئے خود کفیل بنائیں، دوسروں کے محتاج نہ رہیں ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ یہ جنگی گاڑیاں اور منجیق وہاں سے خرید کر درآمد کر لیا جاتا مگر رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خود اپنے یہاں ان کے تیار کرنے کی تدابیر اختیار فرمائیں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر غور کریں کہ رسول کریم ﷺ کو تو وہ روحانی اور ربانی طاقت اور نصرت حاصل تھی جس کے ہوتے ہوئے مادی سامان کی چنداں ضرورت نہیں تھی مگر پھر بھی آپ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا تو ہم جیسے گنہگار، ضعیف الایمان لوگوں کو اس کی ضرورت کس قدر زیادہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں جنگ کے لئے جس طرح کے اسلحہ اور آلات سامان کی ضرورت ہے ان میں سے کسی سے پیچھے نہ رہیں اور اس کوشش میں لگ جائیں کہ قریب سے قریب مدت میں ان چیزوں کے لئے اپنے ملک کو خود کفیل بنا سکیں۔

رباط و حفاظت حدود

جہاد ہی کے مہمات میں سے ایک کام اسلامی سرحدات کو دشمن کی یلغار سے محفوظ رکھنے کا ہے۔ جس کو قرآن و حدیث کی اصطلاح میں رباط کہا جاتا ہے اور جہاد کی طرح اس کے بھی بڑے فضائل قرآن مجید و حدیث شریف میں مذکور ہیں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے اس کام کو دوسرے کاموں پر ترجیح دے کر اسلامی سرحدات پر قیام اختیار فرمایا تھا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

”ایک دن اللہ کی راہ میں رباط کی خدمت انجام دینا ایک مہینے کے مسلسل روزے اور شب بیداری سے افضل ہے اور اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تو جو نیک عمل یہ کیا کرتا تھا وہ مسلسل اس کے نامہ اعمال میں مرنے کے بعد لکھے جاتے رہیں گے اور قبر کے سوال و جواب اور عذاب سے محفوظ رہے گا۔“

اور طبرانی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ شخص قیامت کے روز شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور قیامت کے ہولناک حالات میں بھی اس کو اطمینان ہوگا۔ (فتح القدیر)

رباط کا مفہوم اسلامی سرحدات کی حفاظت ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کام انہیں مقامات پر ہو سکتا ہے جو اسلامی ملک کی آخری حدود پر واقع ہیں لیکن اس زمانہ کی فضائی جنگ نے اس معاملہ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے کیونکہ چھاتہ بردار فوج ہر جگہ اتر سکتی ہے۔ بمبارطیاروں سے ہر جگہ بم گرائے جاسکتے ہیں اس لئے جن مقامات پر بھی دشمن کی ایسی یورش کا خطرہ ہو ان کے حفاظتی انتظامات بھی اسی رباط کے حکم میں داخل ہوں گے۔ قدیم فقہاء نے بھی رباط کے معاملہ میں فرمایا ہے کہ جس بستی پر ایک مرتبہ دشمن حملہ کر دے اس کی حفاظت چالیس سال تک رباط کے حکم میں داخل ہے۔ (فتح القدیر ص ۲۸۷ جلد ۲)

پاکستان کے حالیہ جہاد میں سرگودھا، پشاور، کراچی وغیرہ جہاں چھاتہ فوجیں اترنے کے خطرات پائے گئے اور جہاں دشمن کے بمباروں نے بمباری کی ان کی حفاظت کا ہر قدم رباط کے حکم میں ہے۔ یہ ایسا جہاد ہے جس میں ہر شہری اپنے گھر میں بیٹھا ہو بھی رباط کا ثواب لے سکتا ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ اپنے شہر اور شہریوں کی حفاظت کا جذبہ رکھتا ہو اور مقدور بھراس میں کوشش کرے۔

بلیک آؤٹ رباط کے حکم میں ہے

ایسے خطرات کے وقت جن بستیوں میں حکومت کی طرف سے اندھیرا رکھنے کی ہدایات جاری ہوں ان کی تعمیل بھی انہی حفاظتی انتظامات کے تحت رباط کے حکم میں داخل ہو کر انشاء اللہ اس ثواب کا موجب ہوگا۔ مسلمان اس سے تنگدل نہ ہوں بلکہ مفت کا ثواب رباط حاصل کرنے پر خوش ہوں اور شکر ادا کریں۔

عہد رسالت میں بلیک آؤٹ کی نظیر

جنگی حالات اور ان کے تقاضے ہر زمانہ اور ہر ملک میں جدا ہوتے ہیں۔ ملک کے مبصر اور ارباب حکومت جس چیز کو شہری دفاع کے لئے ضروری قرار دیں اس کی تعمیل شرعی حیثیت سے بھی ضروری ہو جاتی ہے، خواہ اس معین چیز کا ثبوت قرون اولیٰ کی روایات میں ہو یا نہ ہو کیونکہ بنیادی مسئلہ مباحات میں اطاعت امیر کا ہے۔ اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے وہی ان تمام جائز کاموں میں تعمیل حکم کی اصل علت ہے لیکن کوئی خاص کام اگر سرور کائنات ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے بھی منقول ہو تو اس کا محبوب و مشروع ہونا اور مبارک عمل ہونا ظاہر ہے۔

دوران جنگ میں پاکستان میں شہری دفاع کے لئے حکومت نے رات کو روشنی کرنے پر پابندی لگا رکھی تھی اطاعت حکم کے تحت تو اس کی تعمیل ضروری تھی ہی، اتفاق سے اس کی ایک نظیر خود عہد رسالت ﷺ میں بھی ملتی ہے جو قارئین کی دلچسپی اور ایمان کو مستحکم کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

جمادی الثانی ۸ھ میں جہاد کے لئے یک لشکر مدینہ طیبہ سے دس منزل کے فاصلہ پر نخم و جذام کے قبائل کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا جس کے امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ اس غزوہ میں دشمن سپاہیوں نے پوری فوج کو حلقہ زنجیر میں جکڑ رکھا تھا تا کہ کوئی بھاگ نہ سکے اس لئے یہ غزوہ ذات السلاسل کے نام سے موسوم ہے۔

حدیث کی مشہور کتاب جمع الفوائد میں معجم کبیر طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس غزوہ ذات السلاسل میں امیر لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ لشکر گاہ میں تین روز تک رات کے وقت کسی طرح کی روشنی نہ کریں اور نہ ہی آگ جلائیں۔

تین دن کے بعد دشمن میدان سے بھاگ کھڑا ہوا، بھاگتے ہوئے دشمن کا صحابہ کرامؓ نے جو لشکر میں موجود تھے، تعاقب کرنا چاہا مگر امیر لشکر نے تعاقب سے بھی منع کر دیا۔ لشکر کے جانبازوں کو روشنی بند کرنے کے حکم ہی سے ناگواری تھی کہ تعاقب نہ کرنے کا حکم اور بھی ناگوار گذر۔ مگر اطاعتِ امیر کی بنا پر تعمیل لازمی تھی اس لئے ان دونوں احکامات کی بلاچوں چراں پابندی کی گئی۔ البتہ جب لشکر واپس مدینہ طیبہ پہنچا تو آنحضرت ﷺ سے شکایت کی گئی۔

آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بلا کر وجہ دریافت کی، حضرت عمرو نے عرض کیا کہ، یا رسول اللہ ﷺ میرے لشکر کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں تھوڑی تھی، اس لئے میں نے رات کو روشنی کرنے سے منع کیا کہ مبادا دشمن ان کی قلت تعداد کا اندازہ لگا کر شیر نہ ہو جائے اور اس کا حوصلہ نہ بڑھ جائے، اور تعاقب کرنے سے بھی اس لئے روکا کہ ان کی کم تعداد اس کے سامنے آجائے گی تو کہیں وہ پلٹ کر ان پر حملہ نہ کر دے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی یہ جنگی تدابیر اور عمل پسند فرما کر اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ (جمع الفوائد ص ۲۷۔ جلد ۲)

مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ اور پونجی ان کا ایمان ہے۔ آج اس گئے گزرے دور اور حالات میں بھی جس کام پر دین و ایمان اور حکمِ خدا اور رسول کی چھاپ لگ جاتی ہے، اس میں یہی نہیں کہ مسلمانوں کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوتی ہے۔ بلکہ ان کا عمل دوسروں کے لئے حیرت کا موجب بن جاتا ہے۔

چنانچہ حالیہ جہاد کے متعلق لندن کے اخبار ”سٹڈے ٹیلیگراف“ ۱۱ ستمبر ۱۹۷۵ء میں ڈگلس براؤن کا ایک طویل مضمون دورانِ جنگ میں پاکستان کے حالات پر مشتمل شائع ہوا ہے، اس کا ایک جملہ یہ ہے :

”بلاشبہ یہاں کے عوام کے حوصلے بلند ہیں۔ لندن میں بھی دوسری جنگِ عظیم کے درمیان اتنا مکمل بلیک آؤٹ کبھی نہیں ہوا جتنا کراچی میں ہوتا ہے یہ یہاں کے عوام کی فرض شناسی کی مثال ہے۔“ (بحوالہ روزنامہ حریت کراچی۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۵ء)

بعض ضروری احکامِ جہاد

جہاد عام حالات میں فرضِ کفایہ ہے۔ فرضِ کفایہ اصطلاحِ شرع میں اس فرض کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق ہر مسلمان کی ذات سے نہ ہو بلکہ پوری مسلم قوم سے ہو ایسے فرض کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے

چند آدمی اس فرض کو پورا کر دیں تو باقی سب مسلمان سبکدوش ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو جن جن لوگوں کو اطلاع پہنچے اور قدرت کے باوجود ادا نہ کریں تو وہ سب گنہگار ہوں گے۔

مثال کے طور پر مسلمان مردے کی نماز جنازہ اور کفن و دفن کا انتظام فرض کفایہ ہے کہ یہ فریضہ پوری مسلمان قوم کے ذمہ ہے، عزیز قریب اور برادری کے لوگ اگر اس فریضہ کو ادا کر دیں تو باقی سب مسلمان سبکدوش ہو گئے اور اگر میت کا کوئی ایسا عزیز قریب موجود نہیں یا موجود ہوتے ہوئے عاجز ہے یا جان بوجھ کر غفلت کرتا ہے تو محلہ کے دوسرے لوگوں پر ہے کہ وہ اس کو انجام دیں۔ محلہ والے بھی نہ کریں تو شہر کے دوسرے لوگوں پر جن کو اطلاع ملے یہ فریضہ عائد ہو جائے گا، شہر والے بھی نہ کریں تو اس کے متصل دوسرے شہر والوں پر عائد ہوگا۔

اسی طرح اسلام کے جتنے بھی اجتماعی فرائض و واجبات ہیں سب فرض کفایہ ہیں اور ان کا یہی حکم ہے، احکام دین کی تعلیم و تبلیغ، ضرورت کے مطابق مسجدوں کی تعمیر اور دینی مدرسوں کا قیام محتاجوں، یتیموں، غریبوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے محتاج خانے، یتیم خانے وغیرہ قائم کرنا، نادانوں کو احکام شرعیہ بتلانے کے لئے فتویٰ دینے کا انتظام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انتظام، اسلام کے خلاف، اسلام کے دشمن یا گمراہوں کی طرف سے شبہات و تحریفات کے جواب کا انتظام، اسلام کا کلمہ بلند کرنے اور معاند دشمنوں کو زیر کرنے کے لئے جہاد، یہ سب امور وہی ہیں جن کا تعلق پوری مسلم قوم سے ہے اور یہ اجتماعی فرائض ہیں۔

ایسے فرائض کو عین حکمت کے مطابق حق تعالیٰ نے ہر شخص پر فرض عین نہیں کیا بلکہ پوری قوم کے ذمہ لگایا ہے تاکہ وہ تقسیم عمل کے ذریعہ ان تمام فرائض کو آسانی سے ادا بھی کر سکیں اور اپنی معاشی ضروریات اور عینی فرائض کی ادائیگی کے لئے بھی ان کو فرصت مل سکے۔

پوری قوم میں سے جس قدر آدمی ایک ضرورت کو پورا کر سکیں اور وہ اس کام میں لگ جائیں تو باقی پوری قوم اس فریضہ سے سبکدوش ہو جاتی ہے۔

بعض تعلیم دین کے لئے مدارس کا انتظام کریں۔ بعض فتویٰ اور تصنیف کی ضرورت پوری کریں۔ بعض مساجد کے قیام و انتظام میں لگیں۔ بعض یتیم خانے محتاج خانے اور شفا خانے کا کام کریں۔ بعض قلم اور زبان کا جہاد کر کے مخالفین اسلام کے جوابات دیں، بعض جہاد و قتال کے فرائض کو انجام دیں، جہاد و قتال کے بارے میں حق تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے :

فضل الله المجاہدین باموالہم وانفسہم علی القعدین درجہ .
و کلا وعد الله الحسنی . و فضل الله المجاہدین علی القعدین
اجر اعظیما . (النساء ب ۵ رکوع ۱۳)

”اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت بلند بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے
ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے
اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے اجر عظیم دیا ہے۔“

اس آیت نے واضح طور پر بتا دیا کہ اگرچہ جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ اللہ کے نزدیک
بڑا ہے مگر جو لوگ دوسرے کاموں کی وجہ سے خود جہاد میں شریک نہیں ہو سکے ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے
جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جہاد اپنی اصل عام قومی فرائض کی طرح فرض کفایہ ہے۔
دوسری آیت : وما کان المؤمنون لیفروا کافۃ۔ میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ ”جب مسلمانوں
کی ایک جماعت جہاد کے لئے کافی ہو تو سب پر جہاد واجب نہیں رہتا۔“

فرض کفایہ کبھی فرض عین ہو جاتا ہے

اگر کوئی قومی فرض جو علی الکفایہ سب کے ذمہ فرض ہے اس کے ادا کرنے والی کوئی جماعت موجود نہیں
ہے یا موجود ہوتے سستی و غفلت کر رہی ہے یا اس کی تعداد اور سامان اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں
ہے تو ان سے قریب کے مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ وہ اس فریضہ کو ادا کریں اور اگر ادا کرنے والوں کو
جانی یا مالی امداد کی ضرورت ہو تو اس کو پورا کریں۔ قریب کے مسلمانوں نے بھی غفلت برتی یا وہ بھی اس فریضے
کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوئے تو ان سے قریب کے تمام شہروں اور دیہات میں بسنے والے سب
مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہو جائے گا۔ اسی طرح جس قدر جانی، مالی امداد کی ضرورت پیش آتی جائے
گی۔ نزدیک سے لے کر دور تک کے سب مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا چلا جائے گا۔ صرف بچے، عورتیں،
بوڑھے، بیمار، نابینا اور اچانچ لوگ اس فرض سے مستثنیٰ ہوں گے یہ عام ضابطہ تمام علی الکفایہ فرائض کا ہے۔

جہاد فرض عین

جب کفار مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ کر دیں اور اس کی مدافعت کے لئے ملک کا مسلمان حاکم
امیر حکم عام جاری کرے کہ سب مسلمان جو قابل جہاد ہوں شریک ہوں تو سب پر جہاد کے لئے نکلنا

فرض عین ہو جاتا ہے۔ مدافعت کی ضرورت میں عورتوں پر بھی مقدور بھر مدافعت فرض ہو جاتی ہے۔ غزوہ تبوک میں رسول کریم ﷺ نے ایسا ہی حکم عام جاری فرمایا تھا اسی لئے جو لوگ اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے ان پر سزائیں جاری کی گئیں۔

مسائل

۱۔ یہ ضروری نہیں کہ شہر کا حاکم و امیر جو اعلان جہاد کرے متقی، پرہیز گار یا عالم ہی ہو۔ جو بھی مسلمان حاکم ہو جب ایسے حکم عام کی ضرورت محسوس کرے یہ حکم دے سکتا ہے اور سب مسلمانوں کو اس کا یہ حکم ماننا فرض ہے۔ (فتح القدیر ص ۲۸۰ ج ۲)

اس میں شبہ نہیں کہ امیر جہاد کا علم متقی ہونا بہت بڑی نعمت اور فتح کا بہت بڑا سامان ہے۔ رسول کریم جب بھی کسی کو امیر جہاد مقرر فرماتے تو اس کو وصیت فرماتے تھے کہ خود بھی تقویٰ اختیار کرے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کی تلقین کرے اور یہی مسلمان کا وہ اصلی جوہر ہے جو دنیا کی کسی طاقت سے مغلوب نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ ہے مگر عمل جہاد کے لئے شرط نہیں۔ جہاد ہر مسلمان امیر و حاکم کے ساتھ ضروری اور اس کے جائز احکام کی تعمیل واجب ہے۔

۲۔ جہاد جب فرض کفایہ ہو تو بیٹے کو ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز نہیں کیونکہ ان کی خدمت و اطاعت فرض عین ہے۔ وہ فرض کفایہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر جہاد کے کام میں لگنا جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی صورت میں جائز نہیں۔ البتہ اگر دشمن کے شدید حملہ کی وجہ سے مسلمان حاکم وقت سب کو جہاد میں لگنے کا حکم جاری کر دے۔ اور جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر بیٹا ماں باپ کی اجازت کے بغیر عورت شوہر کی اجازت لئے بغیر بھی اپنے اس فرض کو ادا کرے۔

۳۔ میدان جہاد سے بھاگنا انتہائی سخت گناہ اور غضب الہی کا سبب ہے قرآن کریم میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُتِلْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُولُوهُمُ الْاُدْبَارَ
”اے ایمان والو! جب جنگ میں کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو اُن سے پشت نہ پھیرو۔“

اور ارشاد فرمایا :

وَمَنْ يُؤَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرَهُ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ
”اور جس نے اس دن کافروں سے پشت پھیری تو اللہ کا غضب لے کر لوٹا۔“

۴۔ ہاں اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ مجاہدین کو حالات سے اس کا پورا اندازہ ہو جائے کہ اگر ہم اس وقت لڑیں گے تو ہم سب فنا ہو جائیں گے اور دشمن کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ ایسے وقت ان کے لئے یہ جائز ہے کہ دوسرے مسلمانوں سے کمک حاصل کرنے اور تیاری کے بعد لڑنے کی نیت سے اس وقت میدان چھوڑ دیں اور پھر دوسرے مسلمانوں کی امداد اور سامان کی تیاری کے ساتھ دوبارہ مقابلہ پر جائیں، اس کا مدار مجاہدین کی تعداد سامان کی کمی زیادتی پر نہیں محاذ جنگ کے مجموعی حالات اور تجربے پر اس کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس مقام پر لڑنا مفید ہے یا پیچھے ہٹنا۔ قرآن مجید میں ایسے ہی حال کے متعلق ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُولِهِمْ يُؤْمِدْ دُبْرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحِيزًا إِلَى قِتْلَةٍ

فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ

”اور جس نے اس دن کافروں سے پشت پھیری سوائے جنگی چال یا دوسرے مسلمانوں سے امداد حاصل کرنے کے تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جنگی تدبیر کے لئے یا دوسرے مسلمانوں سے امداد حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹنے کی خاص حالت میں اجازت دی گئی ہے جبکہ مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ دوبارہ حملہ کرنا ہو۔

تنبیہ

صاحب بدائع نے فرمایا کہ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم میں جو یہ ارشاد ہے کہ:

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین

”اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آجائیں گے۔“

ان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا

”اور اگر تم سو ہو تو ہزار پر غالب آ جاؤ گے۔“

یہ آیات جن میں ایک مسلمان کو دس کافروں پر غالب اور بھاری ہونے کا ذکر ان کی بڑی تعداد کے مقابلہ سے گریز نہ کرنے کی ہدایت ہے۔ منسوخ نہیں ہوئی اگر اس کا امکان غالب آئے تو محض تعداد کی کمی کی وجہ سے پیٹھ پھیرنا جائز نہیں ہوتا۔ آج بھی ایسا ہو سکتا ہے اور پاکستان کے حالیہ جہاد میں خصوصاً لاہور کے محاذ پر تو اس کا ایسا مشاہدہ ہوا کہ دشمن کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کی بہت تھوڑی سی تعداد نے دشمن کی ٹڈی دل فوج کا حملہ روکا اور اس پر فتح پائی۔

۵۔ ضرورت پیش آئے تو دشمن کے درختوں، کھیتوں کو کاٹ کر یا جلا کر تباہ کر دینا بھی جائز ہے۔ (بدائع)

۶۔ دشمن قلعہ بند ہو جائے یا کسی محفوظ مکان میں داخل ہو کر دروازہ بند کرے تو اس کو ہتھیار ڈالنے اور اطاعت قبول کر لینے کی دعوت دی جائے۔ اگر نہ مانے تو آگ لگا کر یا پانی میں غرق کر کے یا دوسرے طریقوں (مثلاً بمباری) سے قلعہ اور مکان کو منہدم کر دینا جائز ہے۔ (بدائع)

۷۔ دشمن اگر قلعہ بند ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ دشمن کے ملازموں میں کچھ مسلمان بھی ہیں تو ان کی وجہ سے دشمن کی کوئی رعایت نہ کی جائے گی۔ البتہ مسلمانوں کو کسی صورت سے بچا سکتے ہوں تو بچانے کی فکر کریں دشمن کو تباہ کرنے کے مقصد و ارادہ سے حملہ کریں۔ گولہ باری کریں، جو مسلمان اس کی زد میں بلا اختیار آجائیں تو وہ معاف ہے کیونکہ کافروں کا کوئی شہر یا بستی ایسی نہیں ملے گی جس میں کوئی مسلمان قیدی یا ملازم وغیرہ ان کے پاس نہ ہوں۔ اگر ان کی رعایت سے دشمن کا مقابلہ چھوڑ دیا جائے تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ (بدائع ص ۱۰۰ ج ۷)

۸۔ یہی صورت اس وقت بھی کی جائیگی جبکہ دشمن اپنے آپ کو بچانے کے لئے مسلمان قیدیوں یا بچوں وغیرہ کو آگے کر دے اس وقت بھی اگر مسلمانوں کو بچانے کی کوئی صورت نہ رہے تو دشمن پر حملے کی نیت سے مقابلہ کیا جائے اور جو مسلمان اس کی زد میں آجائیں ان کا خون معاف ہے۔ (بدائع)

(البتہ ان مسلمانوں کو جن کو کافروں نے اپنی ڈھال کے طور پر آگے کیا ہوا ہے یہ چاہئے) کہ وہ مسلمانوں کی طرف بھاگ آئیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ کافروں کی گولیوں سے مر جائیں تو درجہ شہادت پر فائز ہوں گے۔

۹۔ عین حالت جنگ و قتال میں بھی ایسے کافروں کو قتل کرنا جائز نہیں جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے مثلاً چھوٹے بچے، عورتیں، بوڑھے، اپانچ، اندھے، دیوانے، مندروں، عبادت خانوں میں مشغول عبادت رہنے والے، بشرطیکہ وہ جنگ میں حصہ نہ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک میدان جنگ میں کسی کافر عورت کو مقتول پایا تو بہت افسوس کا اظہار فرمایا کہ یہ تو جنگ کرنے والی نہ تھی اس کو کیوں قتل کیا گیا۔

۱۰۔ جو عورتیں، بچے جنگ میں جاسوسی کا کام کریں یا دوسرے طریقہ سے جنگ میں حصہ لیں ان کو حالت جنگ میں قتل کیا جائے گا تاکہ ان کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں لیکن اگر بچے قید ہو جائیں تو قید ہونے کے بعد ان کا قتل کرنا جائز نہیں۔ خواہ انہوں نے جنگ میں کھلے طور پر حصہ بھی لیا ہو،

کیونکہ گرفتار کرنے کے بعد ان سے کوئی خطرہ تو نہیں رہا باپ اگر قتل کیا جائے گا تو ان کے پچھلے عمل کی سزا میں قتل کیا جائے گا اور بچوں پر سزا جاری کرنا شرعاً جائز نہیں۔

۱۱۔ جہاد میں اگر کسی مسلمان کا کافر باپ کے سامنے آجائے تو جب تک وہ حملہ نہ کرے بیٹے کو اس پر حملہ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی ہدایت یہ ہے کہ دنیا میں کافر ماں باپ کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، ان کی خدمت و خبر گیری کرو، اس لئے جہاد کے وقت بھی ابتداً ان کا قتل کرنا جائز نہیں۔ حضرت حظلہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اپنے کافر باپ کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ البتہ اگر باپ ہی بیٹے پر حملہ کر دے اور اس کے حملے سے اپنی جان بچانا بغیر اس کے ممکن نہ ہو کہ باپ کو قتل کرے تو اس کو اپنی حفاظت کرنا چاہئے خواہ اس میں باپ کا قتل ہی واقع ہو جائے مگر یہ باپ کو قتل کرنے کا ارادہ نہ کرے۔ (بدائع ص ۱۰۲۔ جلد ۷)

۱۲۔ جہاد میں جانے کے وقت اپنے ساتھ قرآن کریم کو تلاوت کے لئے لے جانا ایسی صورت میں جائز ہے جبکہ مسلمانوں کی قوت مستحکم و مضبوط ہو۔ قتل یا قید ہو جانے کا خطرہ کم ہو اور جہاں یہ خطرہ قوی ہو تو قرآن کو اپنے ساتھ نہ رکھے، اس میں بے ادبی کا خطرہ ہے۔ رسول کریم ﷺ نے دشمن کی زمین میں قرآن کریم لے جانے کو جو منع فرمایا ہے وہ اس حالت سے متعلق ہے۔ (بدائع)

۱۳۔ جنگی قیدی جو مسلمانوں کے ہاتھ آجائیں ان کو بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیف دینا جائز نہیں۔ (بدائع)

۱۴۔ کافر قیدیوں سے اپنے مسلمان قیدیوں کا تبادلہ کر لینا جائز ہے۔ (علی قول الصاحبین، بدائع)

۱۵۔ جہاد میں جن لوگوں کو قتل کرنا جائز ہے ان کا بھی مثلہ کرنا یعنی جسم کے مختلف اعضاء کاٹنا شرعاً جائز نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (بدائع)

(ماخوذ بینات ، کراچی)



حُبِ وطن اور اسلام

اسلام وطن پرستی نہیں سکھاتا اس نے وطنی، نسلی، قبائلی اور صوبائی قومیت بتوں کو توڑا ہے۔
اقبال مرحوم نے صحیح کہا ۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے

اور خوب فرمایا کہ ۔

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر اس کا نہ دلی نہ صفا ہاں نہ سمرقند

لیکن اسلام نے وطن سازی کے کچھ اصول بتائے ہیں جو وطن ان اصولوں کے تحت بنایا جائے
اس کی محبت و حفاظت جماعت کے ہر مسلمان کا نہ صرف اخلاقی اور طبعی بلکہ ایک دینی اور شرعی فرض
ہو جاتا ہے۔ آئیے آج ہم آپ کو وطن کے متعلق اسلامی نظریہ بتائیں۔
یہ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کوئی فلسفہ یا صرف نظری فکری چیز نہیں، خالص عملی اور مکمل نظام ہے
جس کا خاکہ رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ سے تیار ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی زندگی میں ہمیں دو باب
کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۱۔ ترکِ وطن ۲۔ وطن سازی

سب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کا آبائی وطن مکہ مکرمہ تھا۔ آپ ﷺ نے مع اپنے صحابہ کرام کے اس
کو چھوڑا اور مدینہ طیبہ کو اپنا وطن بنایا اور پھر اس جدید وطن کی آبادی، حفاظت اور ترقی کے لئے بھرپور
کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ اس سے مدافعت کے لئے بڑی جنگیں لڑی گئیں اور اللہ جل شانہ کی
تائید و نصرت سے یہ وباؤں کی بستی جس کو پہلے یشرب کہا جاتا تھا، چند ہی سال میں بجا طور پر
مدینۃ الرسول اور مدینہ طیبہ کہلانے کی مستحق اور اسلام کا دار الحکومت بن گئی۔

اس جگہ ذرا ٹھہر کر غور کیجئے کہ بنے بنائے اصلی اور آبائی وطن کو چھوڑنے کی نوبت کیوں آئی؟ اور نیا
وطن بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اگر آپ نے اس کا راز صحیح طور پر پایا تو آپ کے بہت سے مشکلات کا حل اور مستقبل میں کامیابی کی راہیں کھلی نظر آئیں گی۔

اگر مکہ میں مسلمان اپنی اعتقادی اور عملی اخلاقی اور معاشرتی (خصوصیات سے صرف نظر کر کے صرف معاشی پہلو پر اپنی نظریں جمالیتے تو مسلم، غیر مسلم کی متحدہ قومیت اور ان دونوں کی مشترک حکومت کا قیام وہاں بھی کچھ مشکل نہ تھا، بلکہ وہاں ہندوستان کی طرح اکثریت اور اقلیت کی نمائندگی کی تعداد میں چھپن اور چوالیس کی بحث بھی درمیان میں نہ آئی۔

کیونکہ اسلام کی روز افزوں ترقی اور قریش کی مخالفت کا بے اثر ہونا، مشاہدہ کر کے پورے قبائل قریش کے سرداروں نے جمع ہو کر باتفاق رائے عقبہ بن ربیعہ کو اس کام کے لئے منتخب کر کے رسول کریم ﷺ کے پاس بھیج دیا تھا۔ جس نے آپ ﷺ کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر آپ اپنی تبلیغ و دعوت میں رواداری سے کام لیں تو ہم آپ کو پورے عرب کا بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں کہ ہم ہر امر میں آپ کے حکم کی اطاعت کیا کریں اور اگر آپ مال کے خواہشمند ہیں تو ہم اتنا مال آپ کے لئے جمع کر سکتے ہیں کہ آپ پورے عرب میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں گے۔ جس کے جواب میں رسول کریم ﷺ نے قرآن مجید کی چند آیتیں سنا دیں جس سے عقبہ حیرت زدہ ہو کر واپس چلا آیا اور اپنی قوم کے سامنے قرآنی اعجاز کا اقرار کیا۔

یہاں یہ بحث بھی درمیان میں نہ تھی کہ حکومت میں ہماری نمائندگی کس مقدار سے ہوگی اور مسلمانوں کو کسی مقدار سے بلکہ پورے عرب کی حکومت کی پیش کش تھی مگر شرط یہ ہے کہ آپ اپنی دعوت کو عام نہ کریں۔ آج کا کوئی عقل مند ہوتا تو اس پیشکش کو قبول کر کے اقتدار حاصل کر لیتا اور پھر دینی دعوت کو بھی جاری رکھتا لیکن وہاں تو رسول امین ﷺ تھے جن سے معاہدے کی خلاف ورزی ممکن ہی نہ تھی اس لئے اس پیشکش کو قبول نہ کیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنا وطن عزیز آپ ﷺ کے لئے طرح طرح کی ایذاؤں، مشقتوں کا گھر بن گیا اور بالآخر اس کو چھوڑنا پڑا اور ایک ایسے نئے وطن کی بنیاد ڈالنی پڑی جس میں اسلام کے شعار سر بلند ہوں، اسلامی عقائد و اعمال رو بکار آئیں، اسلامی معاشرت و اخلاق کو رواج دیا جاسکے۔ یہی وجہ تھی جس نے آپ ﷺ سے اور مسلمانوں سے اپنا وطن چھڑایا اور یہی وہ نظریہ تھا جس نے نیا وطن بنانے اور بسانے کی مشقتوں کو آپ ﷺ کے لئے آسان کر دیا۔

خوشحالی اور صحت مند ہونے کی دعا کی ہے اور مدینہ کی حفاظت اور مخالفین کے دفاع کے لئے غزوہ اُحد و احزاب کے معرکے اور ان میں خود رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی جانباز خدمتیں تاریخِ عالم میں مشہور و معروف ہیں۔

حسن اتفاق اور اہل پاکستان کے لئے بڑی سعادت ہے کہ ہم خواہ کتنے ہی گنہگار اور عمل میں کوتاہ ہیں مگر پاکستان کی بنیاد اسی خالص اسلامی نظریہ پر رکھی گئی اور جب تک تحریک پاکستان کی بنیاد میں اس کا رنگ غالب نہیں ہوا اس وقت یہ صرف ایک تحریک اور ایک نعرہ تھا۔ اس تحریک اور نعرہ کو کامیاب بنانے والی روح جس نے ہندستان کے سینکڑوں فرقوں اور مختلف الخیال طبقوں کو اسیر متفق کر دیا وہ بھی مذہبی رجحانات تھے اس لئے پاکستان ہمارے لئے صرف اس لئے محبوب نہیں کہ وہ ہمارا مسکن مستقر ہے، ہم بھارت ماما اور مادرِ وطن کے قائل نہیں، پاکستان ہمیں اس لئے محبوب ہے کہ وہ مسلم قوم کا ضامن اور مسلمانوں کے نظامِ حیات کا ایک سہارا ہے۔ اس میں اگر ہماری اپنی غفلتیں اور کوتاہیاں نہ ہوں تو اسلام کا پورا قانون اور نظامِ زندگی رائج کرنے میں کوئی طاقت رکاوٹ نہیں بن سکتی اس کی قدر قیمت کا اندازہ ان مسلمانوں سے پوچھئے جو بنائے پاکستان کے شروع میں مسلمانوں کے قتل عام کے قیامت خیز ہنگاموں سے بچ کر کس طرح حدود پاکستان میں داخل ہوئے اور ان کو مدت کے بعد امن و اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا۔

ہاں مملکتِ پاکستان جس طرح ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت اور سعادت ہے اسی طرح یہ بات انتہائی افسوس ناک اور بڑی بد نصیبی ہے کہ ہم نے اس نعمت کی قدر نہ پہچانی۔ پاکستان میں آباد ہونے اور دولت و ثروت حاصل ہونے کے بعد ہم بناء پاکستان کے نظریے اور اس کے تقاضوں کو یکسر فراموش کر کے ایسی رنگ رلیوں اور معاشرتی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے کہ ہمارے حالات و معاملات کو دیکھنے والا کبھی اس پر یقین نہیں کر سکتا کہ ہم نے یہ مملکت اسلامی اصولوں اور اسلامی معاشرت کو رواج دینے کے لئے قائم کی تھی۔ ہماری علمی، عملی، اخلاقی، معاشرتی ہر حالت پہلے سے زیادہ ابتر ہو گئی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارا وطن پاکستان اپنی ظاہری ترقیات کے باوجود داخلی اور خارجی فتنوں کے نرغہ میں پھنسا ہوا ہے۔

کاش کہ ہم آج بھی اس نعمت کی قدر کو پہچان کر اپنے طرزِ فکر اور طرزِ عمل کی تجدید کریں اپنے اخلاق و کردار کو پاک کرنے اور پاکستان کو پاکستان بنانے کی فکر میں لگ جائیں اور اس ملک کا عملی طور پر اسلامی ملک ہونا ثابت کر دیں۔ ہمارے بازار جھوٹ، فریب، ملاوٹ اور دھوکہ سے پاک ہوں،

ہمارے سرکاری دفاتر بے انصافی، بے رحمی، رشوت سے پاک ہوں تو یہ بازار اور دفاتر بھی ہماری مسجدیں بن جائیں اور ہر دیکھنے والا پکاراٹھے کہ یہ اسلامی ملک پاکستان ہے۔

ہماری یہ کوشش ہر حال میں ہر جگہ جاری رہنی چاہئے مگر یہ تصور بھی کسی وقت ذہن سے اوجھل نہ ہو کہ موجودہ سب خرابیوں اور ہمارے گناہوں اور غفلتوں کے باوجود پاکستان کا وجود اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ ساری اصلاحات اور اصلاحی تجاویز جب ہی کارگر ہو سکتی ہیں جب وطن پاکستان کی سالمیت برقرار ہو۔

ہمیں اصلاح کے نام پر بھی ہر ایسے عمل سے اجتناب کرنا ہے جس سے پاکستان کی سالمیت اور وجود ہی خطرہ میں آ سکتا ہو پاکستان کی سالمیت اور حفاظت اپنے دین و ایمان اور جان و مال اور آبرو کی حفاظت ہے، اس کے خلاف ہر فتنہ اور حملہ کی صورت کی مدافعت بلاشبہ ایک عظیم جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو تمام داخلی و خارجی فتنوں سے اور آفتوں سے محفوظ فرمائے اور ہم سب کو پاکستان کی صحیح خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔



اسلام اور سوشلزم

مغربی سامراج ایک لعنت تھا۔ قہر الہی کا مظہر تھا تو یہ
سُرخ سامراج اس سے بڑی لعنت
اور پوری انسانیت کے لئے عذاب الیم ہے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا :

یورپین سامراج کا تسلط ایشیائی ممالک ہندوستان وغیرہ پر ہوا تو اپنے ساتھ بہت کچھ عیش و عشرت کے سامان گھروں اور بازاروں کی رونق آرام و راحت زیب و زینت کے نئے نئے طریقوں کی چہل پہل لے کر آیا اور ہندوستان کی نو سو سالہ اسلامی حکومت کوتاہ بالا کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی شعور اور قومی غیرت رکھنے والوں نے تو اس وقت بھی مومنانہ فراست سے مغربی تہذیب و معاشرت کے نتائج بد کا کچھ اندازہ لگا کر یہی کہا تھا کہ۔

نگاہ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
مری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

مگر عام نظریں اس ظاہری ٹیپ ٹاپ اور نقد آرام و عیش میں الجھ کر رہ گئیں۔ خدا تعالیٰ اور آخرت سے غفلت اس کا لازمی نتیجہ تھا وہ سامنے آیا۔ انگریزوں کی یہ پالیسی کہ مسلمانوں کی مسجدیں اور دینی مدارس منہدم کئے بغیر ویران ہو جائیں، اس راہ سے کامیاب ہوتی نظر آئیں۔ لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی نے اس کو پورا استحکام بخشا دینی اور دنیوی تعلیم میں ایک بڑی خلیج حائل ہو گئی اور بالآخر دینی تعلیم اچھوت کی صورت میں منتقل ہو کر گمنام گوشوں میں رہ گئی۔ حکومت کے ایوانوں، تجارتی چیمبروں اور بازاروں پر یورپ سے درآمد کیا ہوا سرمایہ دارانہ نظام چھا گیا۔

سودقمار انشورنس کے بازار گرم ہو گئے، جن لوگوں کے دماغ نئی تعلیم سے مسحور اور زنگاہیں نئے نظام معاشیات کی ظاہری رونق سے خیرہ ہو چکی تھیں۔ ان کا دینی شعور اور مذہبی جذبہ پہلے ہی مضحمل اور

نیم مردہ ہو چکا تھا اب ان کے سامنے اہم مسئلہ صرف معاش کا تھا اُس نے نئے نظام معاش کو انسان کی معاشی صلاح و فلاح کا نسخہ اکسیر سمجھ کر قبول کر لیا۔

اس وقت کون یہ جانتا تھا کہ اس نئے نظام کے نتیجہ میں یہ روز بددیکھنا پڑے گا کہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں یا چند برادریوں کے قبضہ میں آ جائے گی۔ اور پوری قوم محنت مزدوری اور نوکری کرنے پر مجبور ہوگی اور ان کو ان کی محنت کا صلہ بھی ان کی ضرورت اور محنت کے مطابق نہ مل سکے گا اور ان سب آفتوں سے بڑی آفت یہ ہوگی کہ دولت اور پیسہ عزت کا معیار بن جائے گا، اس طرح پوری قوم عزت نفس سے بھی محروم ہو کر غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

ہاں قرآن اور اسلامی تعلیمات پر نظر رکھنے والے علماء جانتے تھے کہ جو نظام اس وقت ملک پر مسلط کیا جا رہا ہے وہ صرف دین و مذہب کے خلاف نہیں بلکہ عام انسانی معاشیات کے لئے بھی بدترین نتائج کا حامل ہے کہ سودی قمار کے معاملات سے پورے ملک کی دولت سمٹ کر چند افراد اور جماعتوں کے ہاتھ میں آ جائے گی اور ملک کے عوام فقر و افلاس کے شکار ہو جائیں گے۔

عام دیندار مسلمانوں اور خصوصاً علماء کرام نے اولاً طاقت کے ساتھ اس سامراج اور سرمایہ دارانہ نظام کا مقابلہ کیا۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو علماء نے فکری اور نظری طور پر جہادِ قلم کے ذریعہ اس کا مقابلہ جاری رکھا۔ قرآنی احکام کے ماتحت سود سنہ اور قمار کے تباہ کن اثرات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے مگر اس وقت علماء کو تنگ نظر تنگ خیال کہہ کر ان کی بات کی طرف التفات نہ کیا گیا۔

یہاں تک کہ اس نظام کی تباہ کاری آنکھوں کے سامنے آ گئی اور خلقِ خدا سامراج اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف چلا اٹھی مگر ساتھ ہی اس کے مقابلے پر کمیونزم اور سوشلزم کے نظریات جارحانہ صورت میں ابھرے ان نظریات کی بنیاد خدا اور آخرت کے خلاف بغاوت اور مذہب سے بیزاری پر رکھی گئی اور اس نے انفرادی ملکیت ہی کو ظلم قرار دے دیا اور محنت کشوں، مزدوروں اور سرمایہ داروں میں ایک طبقاتی مناظرات قائم کر کے ہر طرح کی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کو ان کے لئے نہ صرف جائز بلکہ مقصد زندگی قرار دے دیا اور یہ سبز باغ دکھلایا کہ ان سرمایہ داروں کو لوٹ کھسوٹ لو۔ سب تجارتوں صنعتوں، ملوں اور کارخانوں کے مالک تم ہو۔

پھر تعبیر اس خواب کی یہ نکلی کہ ان غریب فاقہ کش عوام کا دین و ایمان تو اس نظریے نے پہلے ہی رخصت کر دیا تھا۔ اب قومی ملکیت کا دلفریب عنوان دے کر تمام وسائل پیداوار پر حکمران ٹولی قابض

ہوگئی اور سابقہ سامراج کی جگہ اس خونی سُرخ سامراج نے لے لی اور محنت کش طبقہ کو جانوروں کی طرح بلکہ بے جان مشینی کل پرزوں کی طرح استعمال کیا طاقت سے زائد محنت اور فریاد کی اجازت نہیں۔ خدا اور مذہب کا نام لینا جرم اور سامراج کے ایجنٹ ہونے کی علامت قرار دے کر اُن لوگوں پر وہ مظالم توڑے گئے جن کو زمین و آسمان نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا نہ سنا۔

ایک خاندان کی جوان لڑکیوں کو جہاں اور جس کام میں لگانے کا حکم ملے گا اس کے خلاف کوئی حرف زبان سے نکالنے کی اجازت نہیں۔ باپ کسی ایک مشین کا پرزہ بنا ہوا ہے اور بیٹا کسی دوسری کا اور بیوی کسی اور جگہ مزدوری کرنے پر مجبور ہے۔ جوان بیٹی کسی اور کارخانے میں خدمت پر مامور ہے۔ اس طرح پورا معاشرہ آزادی ضمیر اور فریاد کرنے کی اجازت سے محروم اور شدید محنت کشی کے علاوہ حرام کاری کی ایسی لعنتوں میں گرفتار ہو گیا کہ جنگل کے جانور بھی انہیں دیکھ کر شرم جائیں۔ حلال و حرام کی بحث، حیا و شرم کے پرانے قصے خاندانی شرافت کا فسانہ ماضی سب خواب و خیال ہو گئے اور جس نے ذرا ان چیزوں کا نام لیا وہ ”سامراج کا ایجنٹ“ کہلا کر گردن زدنی ہو گیا۔

کفر و شرک دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے مگر کفر کی تمام اقسام میں جتنا شرمناک اور وحشت ناک کفر اس نظریہ سوشلزم اور کمیونزم کا ہے اس کی نظیر کہیں زمانہ ماضی میں بھی نہیں ملتی۔ عام طور پر تو کفار کا ہر طبقہ کسی نہ کسی صورت میں خدا کو مانتا ہے، اس کی تعظیم کو سب سے مقدم جانتا ہے، صرف مٹھی بھر قدیم دہریوں کی ٹولی ہے جس نے خدا کا انکار کیا۔ مگر یہ جرات اس کو بھی نہ ہوئی جو ان جدید دہریوں کی سوشلسٹ اقوام نے کی کہ براہ راست خدا کی توہین کی اور اس کے جنازے کے جلوس نکالے اور یہ نعرے لگائے کہ ہم نے اس ملک سے خدا کو نکال دیا ہے۔ (معاذ اللہ)

یہ کوئی کہانی نہیں ہے، اسلامی تاریخ میں اسلام کے سب سے بڑے گہوارے سمرقند و بخارا اور پورے روسی ترکستان کی مساجد و معابد سے پوچھو وہاں یہی کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے آج ان شہروں میں اسلام کا مرثیہ پڑھنے والا بھی کوئی نہیں ملتا۔ جہاں سے علوم حدیث و قرآن کے چشمے پھوٹے تھے۔ اس ملک سے اپنا ایمان اور اپنی جان بچا کر ہجرت کرنے والوں کی بڑی تعداد آج بھی اسلامی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے ان کے جاں گداز حالات کو سننے کے لئے بھی پتھر کا دل چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن محنت کش عوام نے اپنی جانوں کی بازی لگا کر سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کیا تھا، اب ان کی آنکھ کھلی تو اپنا کھلا ایک ایسے سامراج کے چنگل میں دبا ہوا پایا جہاں نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے

یہی سوشلزم اور کمیونزم کا وہ سبز باغ ہے جو غریب مزدوروں اور محنت کش عوام کو دکھلا کر ان کا دین و ایمان اور آزادی ضمیر خودداری، شرافت نفس سب کچھ پہلے قدم پر لوٹ لیا جاتا ہے اس کے کفر عظیم اور انسانیت کے لئے فساد عظیم ہونے میں کس کوشبہ ہو سکتا ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ مغربی سامراج ایک لعنت اور قہر الہی کا مظہر تھا تو یہ سرخ سامراج اس سے بڑی لعنت اور پوری انسانیت کے لئے عذاب الیم ہے۔ برطانوی سامراج تو دم توڑ چکا اور اپنی شامت اعمال کو اسی دنیا میں بھگت رہا ہے اور امریکی سامراج جو اس کا وارث بن کر دنیا پر چھا گیا تھا اب اس کی باری آرہی ہے لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا ہے کہ جس جگہ سے اینگلو امریکی سامراج کا قدم پیچھے ہٹتا ہے وہیں سوشلسٹ سرخ سامراج اپنا قدم جما لیتا ہے اس وقت کے تمام اسلامی ممالک کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو آپ کو اس کی تصدیق ہو جائے گی، شام، مصر، عراق، شمالی یمن، الجزائر، سوڈان، لیبیا وغیرہ اس کے شاہد ہیں اور وہاں اسلام اور اسلامی شعائر اور خد و مذہب کے نام لینے والے مسلمانوں پر جو کچھ بیت رہی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔

اس لئے آج اینگلو امریکی سامراج کے مقابلے پر جہاد کرنے والوں کے لئے پہلے قدم پر یہ سوچنا ہے کہ وہ کہیں اس سفید سامراج کو مٹا کر اس کی جگہ سرخ سامراج کی لعنت اور پوری انسانیت کی تباہی کو دعوت نہیں دے رہے۔ غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ مغربی سامراج کو مٹانے کے لئے ایک راستہ اسلام اور اسلامی نظام کا ہے اور دوسرا راستہ سوشلزم اور کمیونزم کا ہے دونوں راستے ایک دوسرے سے مختلف سمتوں کو جاتے ہیں۔ ان کے طریقے الگ الگ اور مرحلے الگ الگ ہیں۔

سوشلزم کا راستہ

اس نظریہ کی بنیاد تو خدا اور مذہب سے بغاوت اور خالص مادہ پرستانہ نظریہ پر ہے۔ اس میں انفرادی ملکیت جرم اور ہرز میں جائیداد یا کسی سرمایہ کا مالک مجرم ہے اس لئے وہ ہر سرمایہ دار کا دشمن صرف مزدور کا طرف دار ہے مگر اس نظریہ کے پرستار جب اسلامی ملکوں میں گھستے ہیں تو اپنے اس نظریہ اور عقیدہ کو ظاہر نہیں کرتے۔ اپنے مقاصد کو کبھی اسلامی مساوات کبھی اسلامی سوشلزم کا نام دے کر پھیلاتے ہیں۔

ان کے عقیدہ میں چونکہ انفرادی ملکیت ہی جرم اور سرمایہ دار مطلقاً مجرم ہے، وہ مزدوروں کو سرمایہ داروں کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور پہلے قدم میں مزدوروں اور سرمایہ داروں میں طبقاتی جنگ اور

منافرت پیدا کرتے ہیں اور غریب عوام اور محنت کش مزدوروں کو جن کی بھاری اکثریت پکی مومن، مسلمان ہوتی ہے روٹی اور پیٹ کے مسئلوں میں ایسا الجھا دیتے ہیں کہ وہ حلال و حرام اور خدا و آخرت کے خوف سے بیگانہ ہو کر رہ جائیں۔

پھر ان کو خونی انقلاب کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے اور یہ سبز باغ دکھایا جاتا ہے کہ آتش زنی، قتل و غارت گری کے ذریعہ ان تمام ملوں کا رخنوں، زمینوں اور تمام وسائل پیداوار پر جارحانہ اور غاصبانہ قبضہ کر لو تو تمہیں اس کے مالک ہو اور جو تمہارے راستہ میں حائل ہو اس کو سامراج کا ایجنٹ اور جاسوس سمجھو اور مار ڈالو اور جب یہ سب کچھ غریب عوام اور مزدوروں کی طاقت سے ہو سکتا ہے تو نتیجہ وہ ہونا ہے۔ جو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تمام وسائل پیداوار اور سرمایہ پر ایک حکمران ٹولی قابض ہو جاتی ہے اور غریب عوام اور مزدوروں کی حیثیت جانوروں کی بھی نہیں رہتی بلکہ بے جان مشینی کل پرزوں کی سی ہو جاتی ہے، وہ اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔

یہ مزدور اور سرمایہ دار کی طبقاتی منافرت اور باہمی جنگ اسلام کے بنیادی اصول کے منافی ہے۔ اسلام کا قانون مزدور اور آجر دونوں کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن ہے۔ جس شخص نے جائز طریقوں سے کوئی دولت حاصل کی ہے اس کے چھین لینے کا کسی کو حق نہیں دیتا اور ناجائز طریقوں کی کمائی خواہ سرمایہ دار کی ہو یا مزدور کی دونوں کو ناجائز قابل واپسی قرار دیتا ہے۔

اسلام کی نظر میں مزدور اور آجر دونوں ایک ہی برادری کے افراد ہیں۔ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے نہ مزدور ہوتا ہے نہ سرمایہ دار یہ اپنے اپنے عمل اور کوشش کے مختلف رخ ہیں جو بدل بھی سکتے ہیں اور رات دن بدلتے رہتے ہیں۔ کیا آپ کی نظر میں یہ واقعات نہیں کہ سینکڑوں مزدور سرمایہ دار بن گئے البتہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام جو سراسر ظلم و جور پر مبنی ہے اس کے رد عمل میں منافرت اور جنگ اس طرح پیدا ہوئی کہ اس نظام نے مزدوروں محنت کشوں کے لئے دولت مند ہونے کے راستے بند کر دیئے۔ دولت سمٹ کر محدود اور محدود افراد میں رہ گئی۔

ان کی بڑی بڑی تجارتوں اور صنعتوں نے چھوٹی تجارتوں اور صنعتوں کے لئے کوئی راستہ نہ چھوڑا، اب باقی دنیا ان کی نوکری یا مزدوری کرنے کے بغیر اپنی ضروریات زندگی سے محروم ہو گئی اور وہ بھی ان کی من مانی کم سے کم مزدوری اور تنخواہ پر جو مزدور کی ضروریات زندگی کے لئے قطعاً کافی نہیں۔

اس کے ساتھ ان کی عزت، نفس کو بری طرح مجروح کیا گیا، ان کو حقیر و ذلیل سمجھا گیا۔ یہ سب مغربی سامراج اور سرمایہ دارانہ نظام کی لائی ہوئی آفتیں تھیں۔ سوشل ازم یہ دعویٰ لے کر کھڑا ہوا کہ وہ مزدوروں کو اس ظلم و ستم سے نجات دلائے گا، امیر و غریب میں مساوات پیدا کرے گا، مزدوروں اور غریبوں کی اپنی حکومت ہوگی لیکن اشتراکی ملکوں کے مشاہدہ نے بتایا کہ یہ سب فریب ہی فریب تھا اس نظریہ نے مزدور کو کچھ نہیں دیا، اس کا دین و ایمان ہی لوٹ لیا اور آزادی ضمیر بھی۔

اسلام کا راستہ

اسلام اور قرآن کی نظر میں انسانوں کی تقسیم اگر ہے تو صرف اللہ کے ماننے اور نہ ماننے یعنی کفر و ایمان پر ہے۔ ارشادِ باری ہے:

خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ
 ”یعنی تم سب کو پیدا کیا اور تم میں سے بعض کافر ہیں، بعض مومن۔“

اسی طرح اسلام کی نظر میں کل انسان دو پارٹیوں میں منقسم ہیں۔ ایک کا نام قرآن حکیم میں حزب اللہ اور دوسری کا نام حزب الشیطن ہے۔ طبقہ داری اور علاقائی یا قبائلی میں کوئی موثر تقسیم نہیں اسلام ایک عادلانہ اور حکیمانہ اور امنِ عالم کا واحد ذریعہ ہے اس میں حدود کی پابندی اور حقوقِ انسانیت کی ہر حال میں رعایت کی جاتی ہے۔ اسلام ہی کا نظام ہے جو عین میدانِ جنگ میں بھی اپنے مقابل دشمنوں کے کچھ حقوق رکھتا ہے، جن کی خلاف ورزی جرم ہے۔ اسلام جو کچھ کہتا ہے وہ کر کے دکھاتا ہے، جو وعدہ کرتا وہ پورا کرتا ہے، اس میں کبھی دھوکہ فریب کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف لازم ہے، غداری جرم ہے۔ وہ حدودِ شرعیہ کے خلاف کسی غاصبانہ قبضہ کو روا نہیں رکھتا، ہاں اس ظالم کا ہاتھ روکتا ہے، مظلوم کی امداد کر کے اس کا حق دلواتا ہے، غریب و امیر، مزدور اور دولت مند کے طبقاتی فرق کی نفی کرتا ہے سب کو ایک اسلامی برادری کا مساوی فرد بناتا ہے، مساوی حیثیت بھی دیتا ہے اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ ہے :

۱۔ اسلامی نظام میں بنیادی چیز یہ ہے کہ وہ نسلی، وطنی، علاقائی، طبقاتی تقسیموں کا قائل نہیں۔ اس کا اصول المومنون اخوة کا ہے، یعنی مسلمان، مسلمان سب بھائی ہیں۔ کوئی امیر ہو یا غریب، مزدور اور نوکر ہو یا مالدار اور آقا، عزت سب کی برابر ہے، حقوق سب کے برابر ہیں بلکہ غریب اور مزدور اگر زیادہ نیک اور متقی ہے تو اسلام کی نظر میں وہ مالدار سے زیادہ عزت والا ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے :

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اتْقٰكُمْ

اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ اس نے بلال حبشی کو وہ عزت بخشی ہے جو عرب و عجم کے بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل نہیں، مزدوروں کے متعلق رسول کریم ﷺ کا فرمان یہ ہے :

اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ قَلِيْطِعْمُهُ مِنْ طَعَامِهِ وَلْيَلْبِسْهُ مِنْ لِبَاسِهِ وَلَا يَكْلِفْهُ مَا يَغْلِبُهُ فَاِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ

”تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے زیر دست کر دیا ہے لہذا جس کا بھائی اس کا زیر دست ہو وہ اپنے کھانے میں سے اس کو کھلائے اور اپنے لباس میں سے اس کو پہنائے اور اسے کسی ایسے کام پر مامور نہ کرے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر ایسا کوئی کام اسے بتائے تو خود اس کی مدد کرے۔“

اس میں یہ بات خاص طور پر قابلِ نظر ہے کہ یہاں موقعِ بظاہر اس کا تھا کہ خولکم اِخْوَانُكُمْ کہا جاتا کیونکہ مقصود اس ارشاد کا مزدوروں اور نوکروں کو بھائی قرار دینا ہے مگر آنحضرت ﷺ نے اِخْوَانُكُمْ کو مقدم کر کے بتا دیا کہ وہ تمہارے بھائی پہلے ہیں اور نوکر یا مزدور بعد میں۔

پاکستان میں اسلامی نظام کا مغالطہ

افسوس ہے کہ مملکتِ پاکستان جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی اور اس کے حکمران اول سے آج تک اس میں اسلامی نظام رائج کرنے کے دعوے کرتے چلے آئے ہیں، مگر عمل میں وہ سرمایہ دارانہ نظام رائج رکھا جو انگریز ہم پر مسلط کر کے چھوڑ گیا تھا۔ اس کا اثر ناواقف عوام پر یہ ہونے لگا کہ ملک کے عوام جس اقتصادی بحران کا شکار ہیں یہ شاید اسلامی نظام ہی کے نتائج ہیں۔ سوشلسٹ طبقات کو موقع مل گیا، انہوں نے مزدوروں اور غریب عوام کی توجہ اسلام سے پھیر کر اپنے ملحدانہ اصول کی طرف کھینچنے کی کوشش شروع کر دیں اور مزدور و سرمایہ دار کی طبقاتی جنگ کا میدان گرم کر دیا اور ان کو یہ فریب دیا کہ تمہاری اقتصادی مشکلات کا حل صرف سوشلزم میں ہے۔

اس وقت علمائے امت کا کام یہ ہے کہ ہر مکتبہ فکر کے علماء اس فتنہ ارتداد کے روکنے کی طرف متوجہ ہوں، ملک کے غریب عوام اور مزدور اور محنت کش مسلمان جو اسلام کے نام پر جان دینے والے ہیں۔

ان کو سوشلسٹ گروہوں کے گمراہ کن پروپیگنڈہ کا شکار نہ ہونے دیں ان کو اسلامی نظام کی ان تعلیمات سے آگاہ کریں جن میں ان کی تمام مشکلات کا صحیح اور سچا منصفانہ حل موجود ہے۔ مثلاً :

۱۔ ملک میں اسلامی نظام رائج ہوا تو وہ تمام راستے یکسر بند کر دیئے جائیں گے جن کے ذریعہ ملک کی دولت سمٹ کر ایک محدود دائرے میں محصور ہو جائے اور عام خلق اللہ افلاس، تنگ دستی کی شکار بنے، یعنی سود، سٹہ، قمار، انشورنس۔ جن میں دس ہزار روپیہ کا مالک بنک کے واسطے سے لاکھوں روپے کا کاروبار کرتا ہے اور نفع میں سے چند ٹکے بنک کو اور بنک کے ذریعہ قوم کو دے کر باقی سب منافع کا مالک خود بنتا ہے اور اس طرح ملک کی دولت سمٹ کر ایک جیب میں جمع ہوتی چلی جاتی ہے۔

۲۔ بیرونی تجارت میں لائسنس پر مٹ کا مروجہ طریقہ کو بڑے سرمایہ داروں کو سیاسی رشوت کے طور پر بڑے بڑے لائسنس دے کر صنعت و تجارت کے مرکروں پر ان کی اجارہ داری قائم کر دی جاتی ہے، بازار کے نرخ اور اشیاء ضرورت کی قیمتیں ان کے قبضہ میں آ جاتی ہیں جس سے ایک طرف پورے ملک میں گرانی بڑھتی ہے، دوسری طرف چھوٹے سرمایہ والوں کے لئے صنعت و تجارت کے میدان میں آنے کا راستہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ صنعت و تجارت کے مرکروں پر قابض بڑے بڑے سرمایہ دار ان کی چھوٹی صنعت و تجارت کو بڑھنے بلکہ چلنے نہیں دیتے۔ جب اسلامی نظام کے تحت یہ طریقہ ختم ہوگا تو مزدور و محنت کش صرف مزدوری کرنے اور سرمایہ داروں کی من مانی ماننے پر مجبور نہیں ہوں گے، ان کی مرضی کے مطابق محنت کا صلہ ملے گا اور وہ صنعت و تجارت کے مالک بھی بن سکیں گے۔

۳۔ اسلامی نظام میں کسی کو یہ حق نہیں دیا جائے گا کہ وہ ملازم و مزدور کو اپنی محنت و ضرورت سے کم تنخواہ پر کام کرنے کے لئے عملاً مجبور کر ڈالے اور جب چھوٹی تجارتوں اور صنعتوں کا رواج ہوگا تو یہ مجبور کرنے کی صورتیں خود بخود ختم ہو جائیں گی اور اگر پھر بھی کوئی فرد یا جماعت مزدوروں پر ایسا ظلم روا رکھے تو اسلامی حکومت اس کو مزدور کا پورا حق دلوانے پر مجبور کرے گی۔

۴۔ اسلامی نظام میں چونکہ مزدور اور دولت مند ایک ہی برادری کے افراد ہیں تو ایک طرف مزدور کا یہ احساس کمتری ختم ہوگا کہ وہ مالکان صنعت و تجارت سے کوئی کم حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری طرف دولت مندوں کا معاملہ ان کے ساتھ مشفقانہ اور برادرانہ ہوگا۔ جس سے مزدور و سرمایہ دار کی تباہ کن کشمکش ختم ہوگی۔

۵۔

موجودہ سرمایہ داریوں، زمینداریوں، جاگیرداریوں کی تحقیق کی جائے گی۔ ان میں جو کچھ ناجائز طریقوں سے حاصل کیا گیا ہے اُس کو واپس لے کر حقداروں کو دلویا جائے گا۔ جائیدادوں میں اگر شرعی قانون میراث جاری کر کے تقسیم نہیں کی گئی تو ان کو شرعی اصول کے مطابق تقسیم کر کے حقداروں کو دلویا جائے گا۔ اس طرح فوری طور پر بھی بڑی زمینیں اور جائیدادیں تقسیم ہو کر فرد واحد کی اجارہ داری سے نکل جائیں گی۔ اور آئندہ کے لئے اس کا راستہ بند ہوگا۔

۶۔

اسلام کا نظام زکوٰۃ باقاعدہ جاری کیا جائے گا۔ جو منافع پر نہیں بلکہ سال بھر میں بچے ہوئے اس مال پر ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کوئی عقلمند انسان اپنے سرمایہ کو بند کر کے نہیں رکھے گا ورنہ سالانہ زکوٰۃ کچھ عرصہ میں اس کو ختم کر دے گی اس لئے ہر مالدار اپنے مال کو کسی تجارت صنعت پر لگانے کے لئے مجبور ہوگا اور دولت گردش میں آ کر پورے ملک و عوام کو نفع پہنچائے گی۔ (دائیل ذلک)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مغربی سامراج اور سرمایہ دارانہ نظام کا مخالف اسلام بھی ہے اور سوشلزم بھی مگر دونوں کی راہیں بالکل الگ الگ ہیں۔ اسلام کا راستہ عادلانہ حکیمانہ، سچا اور صاف ہے، اس کے بالمقابل سوشل ازم کا راستہ فساد ہی فساد کا ہے جس کے نتیجہ میں غریب مزدور اور محنت کش طبقہ پہلے سے زیادہ مصائب کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنے دین و مذہب اور آزادی ضمیر سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

سوشلسٹوں کے ساتھ مل کر اسلامی نظام کا خواب

ہمارے بعض لیڈر جو اس وقت سوشلسٹ عناصر کے ساتھ اپنے اشتراک عمل کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی صفوں میں داخل ہو کر سوشلزم کے کافرانہ عقائد و اعمال سے روکیں گے اور پھر خالص اسلامی نظام قائم کریں گے۔ ان کا یہ کہنا کسی درجہ ہیں قابل غور ہوتا اگر وہ سامراج کی مخالفت میں ان عناصر کو اسلام کی راہ پر چلانے کی قدرت رکھتے۔ مزدور اور سرمایہ داری کی کشمکش جو خالص سوشلسٹ نظریہ کا نتیجہ ہے ان کو اس سے روک کر اسلام کے عادلانہ نظام کا دعویدار بناتے۔

مگر ہو یہ رہا ہے کہ وہ خود مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ کی کمان کرنے لگے۔ سوشلزم کے کافرانہ عقیدہ والے اگر ایسا کریں تو وہ ان کے اصول کا تقاضا ہے کیونکہ وہ انفرادی ملکیت کے قائل نہیں۔ اس لئے ان کے خیال میں ہر سرمایہ دار مجرم ہے اس کا مال ان کے لئے مباح ہے جس طرح چاہیں لوٹ لیں۔ مگر

اسلامی نظریہ رکھنے والے خدا جانے کس تاویل سے اس کو صحیح قرار دے دیتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ میدان سیاست میں ان کے نعرے ان کے بیانات ان کا طریقہ کار سب سوشلسٹ طبقات کے عین مطابق سے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام اشتراکی پریس ان کے پروپیگنڈے پر لگا ہوا ہے اور ان لوگوں کو اپنے اشتراکی کاروبار میں اپنا بڑا معاون سمجھتا ہے۔ جس کے اعلانات بھی ان کے ذمہ داروں کی طرف سے آتے رہتے ہیں او وہی اشتراکی عناصر اپنے اشتراکی نظریات کے ساتھ ہر جگہ ان حضرات کے گرد و پیش نظر آتے ہیں۔

ان حالات میں ان کو اسلامی نظام کے دعوے میں کتنا ہی نیک نیت سمجھ لیا جائے مگر نتائج تو کسی کی نیت کے تابع نہیں ہوتے سعی و عمل کے تابع ہوتے ہیں۔ کعبہ اور حرم کا مسافر کسی پیکنگ چین کو جانے والے جہاز میں کتنی ہی نیک نیتی سے سوار ہو مگر وہ بہر حال کعبہ کے بجائے چین پہنچے گا۔

کاش یہ حضرات اس حقیقت کو اس وقت سے پہلے سمجھ لیں جبکہ دشمن خدا دشمن مذہب اپنا قدم جما چکے ہوں گے اور یہ حضرات خود بھی اسلام یا نظام اسلام کا نام لینے کی پاداش میں سامراج کے جاسوس اور ایجنٹ کہلائیں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ وہ بھی اُن بلاؤں میں مبتلا ہوں جن کا مشاہدہ روسی ترکستان اور دوسرے اشتراکی ممالک میں ہو چکا ہے اور ہوتا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھیں۔ آمین

(بشکریہ ”البلاغ“ کراچی)



حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
مفتی اعظم پاکستان، صدر دارالعلوم - کراچی

میری علمی و مطالعاتی زندگی

کرم فرمائے محترم : السلام وعلیکم ورحمة الله وبرکاتہ

آپ نے مجھ ناکارہ کی علمی زندگی کے بارہ میں کچھ سوالات کئے ہیں۔ میں علم و عمل سے تہی دامن اس کا جواب کیا دوں۔ یہ خود ایک مسئلہ بنا ہوا تھا جس کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ نے مولوی محمد تقی سلمہ کو مسلط فرمادیا جو جواب کے لئے یاد دہانی کے ساتھ تاکید بھی کرتے رہے، آج مجبور ہو کر یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی علمی اور عملی زندگی کے جس باب اور جس پہلو پر نظر ڈالتا ہوں سب کوتاہیوں اور لغزشوں اور غفلتوں سے لبریز نظر آتے ہیں ان حالات میں میں دوسروں کو کیا بتاؤں البتہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اس ناکارہ پر بے حد و بے شمار ہونے ان میں سب سے بڑا احسان یہ کہ اس نے ایک ایسے گھرانے میں پیدا کر دیا جو اسلام و ایمان اور اس کے ساتھ دینداری میں معروف تھا جب سے ہوش سنبھالا دین کی باتیں بزرگوں کی حکایتیں کان میں پڑتی رہیں۔ اس کے بعد سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی جگہ پیدا فرمادیا جو علم اور دین کے اعتبار سے پورے ملک میں بلکہ شاید پوری دنیا میں ایک امتیازی مقام رکھتا تھا یعنی دیوبند جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ایسے راسخ العلم محقق علماء کو جمع فرمادیا تھا جو علم کے ساتھ عمل اور تحقیق کے ساتھ اعتدال اور بلند نظری رکھنے والے تھے، والد ماجد اسی دارالعلوم میں علمی عملی تربیت پا کر اس کے مدرس کی حیثیت میں تھے۔

قدرت نے اس سوال کی زحمت ہی سے بچا دیا کہ بچے کو تعلیم کے لئے کہاں بھیجیں۔ جب تک پڑھنے کے قابل نہ تھا اس وقت بھی دارالعلوم کا صحن میرے کھیلنے کی جگہ تھی۔ ہر طرف علماء صلحاء ہی پر نظر پڑتی تھی، کوئی بھی بات کان میں پڑتی تو انہی بزرگوں کی۔

۱۳۲۰ھ میں جبکہ عمر کا ساتواں سال تھا باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی اور ۱۳۶۲ھ تک اسی گہوارہ علم و عمل میں رہنے کی توفیق ملی۔ میری علمی عملی زندگی کے کسی گوشہ میں کوئی خیر کا پہلو ہے

تو وہ سب ان بزرگوں کا فیض نظر ہے میرا پنا کچھ نہیں عام مسلمانوں اور طلباء و علما کیلئے کچھ مفید باتیں اور کلمات حکمت انہی بزرگوں سے سنے سنائے ہیں جن کو اپنے لئے بھی سرمایہ سعادت سمجھتا ہوں اور دوسرے اہل علم دوستوں کو بھی ان کا پہنچانا مفید سمجھ کر لکھتا ہوں اس کی معافی چاہتا ہوں کہ آپ کے سوالات کی ترتیب پر اس کے جوابات نہیں مگر امید ہے کہ مقصد سوالات پر نظر کی جائے تو اس میں ان کے کافی جواب ملیں گے۔

سوالنامہ

- ۱۔ آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے؟
- ۲۔ ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیات۔
- ۳۔ کن مجلات اور جرائد سے آپ کو شغف رہا۔ موجودہ صحافت میں کون سے جرائد آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں؟
- ۴۔ آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لئے، ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طالباء کی تعمیر و تربیت میں مدد ملی۔
- ۵۔ اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث و نوازل کا سامنا ہے اس کے لئے قدیم یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کا رآمد اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں؟
- ۶۔ علمی، فکری اور دینی محاذوں پر کئی فتنے تحریفی، الحادی اور تجدیدی رنگ میں (مثلاً افکار حدیث، عقلیت، اباحت، تجدید، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرنزم) معروف ہیں، ان کی سنجیدہ علمی احتساب میں کون سی کتابیں حق کے متلاشی نو جوان ذہن کی رہنمائی کر سکتی ہیں؟
- ۷۔ موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں؟
- ۸۔ مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کونسی تبدیلیاں ہیں جو اسے موثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں؟

امید ہے اپنے مفید خیالات سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

مطالعہ کتاب

اصل یہ ہے کہ انسان کا معلم درحقیقت انسان ہی ہو سکتا ہے کوئی کتاب خود معلم نہیں ہوتی البتہ تعلیم تعلیم میں معین ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے اصول کی بات یہ ہے کہ جس علم و فن کو حاصل کرنا مقصود ہو اس کا ماہر محقق استاد تلاش کیا جائے اور جب وہ مل جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھ کر اس سے اکتساب علم میں مشغول ہو کسی کتاب کا مطالعہ بھی کیا جائے تو اسی معلم کی تجویز سے، تاکہ وہ اس کی استعداد اور ضرورت پر نظر کر کے اس کے لئے مطالعہ کی کتابیں تجویز کرے۔ خود رائی سے مختلف کتابوں کا مطالعہ وقت اور محنت بہت لے گا۔ فائدہ اتنا نہیں ہوگا آجکل مدارس عربیہ میں استاد کا انتخاب طالب علم خود نہیں کر سکتا تو طالب علم کم از کم یہی کرے کہ ایسے مدرسہ کا انتخاب کرے جہاں وہ کتابیں جو اسکو پڑھنا ہیں ان کے ماہر استاذہ کے سپرد ہوں، پھر جس استاد کو اپنے مطلوب فن میں زیادہ ماہر سمجھے اس سے استفادہ کا سلسلہ قائم کرے خواہ سبق اس کے پاس ہو یا نہ ہو۔

اس زمانہ میں تصنیف تالیف کتابوں کی اشاعت اتنی عام ہے کہ احاطہ دشوار ہے، ہر اہل و نااہل تصنیف میں لگا پڑا ہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو قرآن و سنت میں تحریف کرتے ہیں اور بے دین و ملحد بھی ہیں اس لئے اس زمانے میں کتابوں کے مطالعہ کے لئے مناسب صورت یہ ہے کہ عوام کسی عالم سے اپنے مناسب حال کتابیں مطالعہ کی تجویز کرائیں اور طلباء اپنے استاذہ سے۔ اور جہاں مطالعہ میں کوئی اشکال پیش آئے اس کو اپنی رائے سے طے نہ کریں، بلکہ عوام علماء سے اور طلباء اساتذہ سے تحقیق کر کے رفع کریں۔ اگر یہ طریق اختیار نہ کیا گیا تو بیشمار کتابیں دیکھنے اور بڑی محنت کرنے کے بعد کچھ علم آئے گا وہ بھی قابل اطمینان و اعتماد نہیں ہوگا۔

جس کتاب کا مطالعہ کرنا ہو پہلے اس کے مصنف کا حال معلوم کیجئے کہ جس موضوع پر یہ کتاب ہے اس فن میں مصنف کی مہارت کس حد تک ہے۔ اگر مصنف ہی کی مہارت فن کی تحقیق نہ ہو تو اپنے وقت اور محنت کو اس کے پیچھے ضائع نہ کریں اور اگر کتاب دینیات سے متعلق ہے تو مصنف کے علمی مقام کے ساتھ اس کی عملی اور اخلاقی زندگی کی بھی تحقیق مناسب ہے کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ علوم دین میں بے عمل آدمی کی تصنیف اور کلام میں وہ اثر نہیں ہوتا جو متقی علماء کی تصانیف میں ہے۔

۴۔ عام مسلمان جو دین کا کافی علم نہ رکھتے ہوں وہ فرق باطلہ کی کتابیں اور ملحدین اور بے دین لوگوں کے مضامین ہرگز نہ دیکھیں کہ جس طرح بے دینوں کی مجالست اور صحبت برا اثر ڈالتی ہے اسی طرح ان کا کلام اور تصنیف بھی بلکہ بعض اوقات اس کا اثر صحبت و مجالست سے زیادہ مضر ہوتا ہے۔

۵۔ اہل علم میں بھی صرف وہ حضرات ملحدین اور فرق باطلہ کی کتابوں کا مطالعہ کریں جن کو ماہر اساتذہ کی صحبت سے علم میں رسوخ حاصل ہو چکا ہے اور وہ اپنے وسائل کے اعتبار سے دفاع عن الاسلام کی خدمت انجام دینے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ مثلاً تحریر، تقریر اس درجہ میں ہو کہ حق بات کو دلنشین انداز میں فریق مخالف کے نفسیات پر موثر کر کے بیان کر سکیں جو لوگ یا اتنی استعداد نہیں رکھتے یا ان کو ایسے لوگوں سے سابقہ نہیں پڑتا، وہ فضول اپنا وقت اور محنت ان کتابوں کے مطالعہ میں صرف کر نیکی بجائے ان کتابوں کا مطالعہ کریں جو اپنے لئے اصلاح نفس کا ذریعہ بنیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کی تعلیم و تبلیغ مفید ہو۔

ہمارے اکابر فرمایا کرتے تھے کہ درس نظامی سے فراغت کا حاصل اتنا ہے کہ اس کے فاضل میں مطالعہ کی ایسی استعداد پیدا ہوگئی ہے کہ استاد کی مدد کے بغیر بھی مطالعہ کر کے استفادہ صحیح کر سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ ضرورت کے سب علوم اور سب معلومات درس نظامی میں پورے حاصل ہو چکے یہ ایک ایسی بات ہے جو اکثر درس نظامی کے فارغ التحصیل لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس لئے ایک عالم کی شایان شان خدمت میں کامیاب نہیں ہوتے۔ ایسے علوم میں خصوصیت سے تاریخ، جغرافیہ، اور تصوف ہے جو درس نظامی میں درساً نہیں پڑھائے جاتے لیکن درس نظامی کی صحیح استعداد پیدا کر لینے والا ان کو مطالعہ کر کے اسی طرح سمجھ سکتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ مدارس سے فارغ التحصیل حضرات ان فنون کا مطالعہ اہتمام سے کریں خصوصاً تصوف یعنی اصلاح نفس سے متعلق کتابوں کے مطالعہ کو وظیفہ زندگی بنائیں جس کے بغیر علم نہ دین کا مقصد حاصل ہوتا ہے، نہ تعلیم و تبلیغ میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

اس معاملہ میں امام غزالی کی کتابیں عموماً اور بالخصوص ہدایۃ المبتدی، تعلیم دین، فاتحہ العلوم، اور احیاء العلوم کی جلد رابع، علامہ ابن قیم کی کتاب الجواب الکافی عن الدواء، الشافی اور کتب متقدمین میں سے رسالہ کشیریہ اور عوارف المعارف وغیرہ اور آخری دور میں حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف تعلیم الدین، التشریف، قصد السبیل۔ امثال الاقوال وغیرہ اور آپ کے مطبوعہ مواعظ و ملفوظات اس معاملہ میں اکسیر ثابت ہوئے ہیں۔

رہا معاملہ موجودہ نصاب مدارس میں اصلاح و ترمیم کا تو اس کے لئے، انفرادی رایوں کی اشاعت شاید مفید نہ ہو۔ یہ کام مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کے اشتراک اور باہمی محبت و تمحیص کے بعد ہی کوئی مفید صورت اختیار کر سکتا جس سے مدارس عربیہ کے نصاب میں ہم آہنگی اور اشتراک باقی رہے۔

آپ کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ ”آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لئے، ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف“۔ اس میں جہاں تک درسگاہوں کا تعلق ہے وہ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ صرف ایک درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں بچپن سے بچپن ۵۵ تک عمر گزاری ہے۔ اس کی خصوصیات محتاج بیان نہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں اور بیرونی ممالک میں بھی اسکی علمی ساکھ ہمیشہ مسلم رہی اور جس چیز نے اس کو دنیا کی دوسری درسگاہوں سے ممتاز کیا وہ علم کے ساتھ عمل کی جامعیت ہے۔ میرے والد ماجد مولانا محمد یسین صاحب فرماتے ہیں، کہ ”ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا جب کہ اس کے مہتمم اور صدر مدرسہ مدرس سے لے کر ایک چپراسی اور دربان تک سب اولیاء اللہ تھے۔ دارالعلوم دن بھر قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے گونجتا تھا تو رات کو جگہ جگہ تہجد میں تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی دلنواز صدائیں سنائی دیتی تھیں اور اساتذہ جن کے سا۔ منہ زانوئے ادب تہ کر نے کی دولت حق تعالیٰ نے اس ناکارہ کو نصیب فرمائی ان کے امتیازی اوصاف بیان کرنا تو اس ناکارہ کے بس کی بات نہیں۔ قلم جب یہاں پہنچتا ہے تو ایک طرف محبت کا داعیہ قلم کے افتاد کو خود بخود تیز کرنا چاہتا ہے۔“

این زماں جان و انم را تا فت ست

بوئے پیرایاں یوسف یافت ست

دوسری طرف ان بزرگوں کی عظمت اور ان کے کمالات علمی و عملی کی وسعت سے اپنے دامن فکر و نظر کو تنگ پاتا ہوں، خصوصاً اس وقت جب کہ میرے سب قوی جواب دے چکے ہیں۔ عمر کے آخری ایام لیٹ بیٹھ کر گزارا ہوں۔

ذرا غور تو کیجئے کہ ان حالات میں اپنے اساتذہ شیخ العرب والعجم استاد حضور مولانا محمود الحسن شیخ الہند نور اللہ مرقدہ حجۃ السلام والمسلمین، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ”اور عارف با خدا حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن، عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب، شیخ الاسلام

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے طبقہ میں حضرت مولانا اعجاز علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب، حضرت مولانا رسول خاں صاحب جیسے اساطین امت بزرگوں کے امتیاز اوصاف پر قلم اٹھاؤں تو سمندر کو تیراکی کے ذریعے پار کرنے کی مثال سے کیا کم ہوگی۔ اس وقت تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اور یہ کہ

تولائے مِرداں ایک ماک بوم
بر ایختم خاطر از شام و روم

اور یہ کہ

ناز م پچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
رستم بپائے خو دکہ بکویت رسیدہ است

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی معیت آخرت میں نصیب فرمادیں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز .



حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

دارالافتاء

نابالغ لڑکی کا نکاح اور سوء اختیار کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ! اندریں مسئلہ یہ کہ مسمی زیدناحق طور پر قتل کے کیس میں ماخوذ ہو گیا جس میں چار واقعی قاتل تھے۔ مسمی زیدناحق تھا، کیس کے دوران ملزموں کے ورثاء مقتول کے وارثوں کے ساتھ صلح تجویزیں کرتے رہے۔ کیونکہ شہادتیں مضبوط تھیں اور سزا کا خطرہ غالب تھا۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ قاتلین کے ورثاء تین لڑکیوں کے رشتے اور چار ہزار روپیہ دیں، اور مقتول کے ورثہ سیشن کی عدالت میں اپنے گواہان بٹھا دیں گے۔ چنانچہ روپیہ امانت رکھ دیا گیا اور تین شیرخوار لڑکیوں کے عقد کر دیئے گئے۔ مسمی زید کی لڑکی کا عقد اس پینتیس سالہ آدمی سے جو کہ مقتول کا بھائی اور لوفرمزاج آدمی تھا زید کی اجازت سے کر دیا گیا۔

بعد میں مقتول کے ورثاء نے سیشن میں پوری ڈٹ کر گواہی دی جس سے پانچوں ملزم کو حکم سزائے موت سنایا گیا ہے۔ چار ہزار روپے تو ثالث نے مقتول کے ورثاء کو دینے سے انکار کر دیا کہ تم نے دھوکہ کیا ہے، لہذا تم اس کے عقد نہیں مگر عقد تو پہلے ہو چکے تھے۔

اب اس پندرہ سال کے بعد زید کی لڑکی جوان ہوئی تو اس نے اپنے عقد کی تہنیک کا اعلان کر دیا اور شہادتیں فراہم کیں۔ اب شرعی طور پر التماس ہے کہ کیا باپ جبکہ موت و حیات کی کشمکش میں پھنسا ہوا تھا اور اس نے مقتول کے گھرانے میں اپنی اس شیرخوردہ کا عقد کر دیا تھا۔ پھر ایک لوفر طبع اور عمر میں اتنے تضاد کے باوجود محض اپنے آپ کو بری کرانے کی خاطر جبکہ اس ہندہ مظلومہ کو وہاں ذلت و خواری نصیب ہوگی، شرعاً عقد درست ہے یا نہیں ہے۔ بصورت ثانی ہندہ کسی دوسری جگہ عقد کر کے شریفانہ زندگی گزارنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ کیا ابتدا ہی سے باپ سببی الاختیار نہیں ہے جس میں مسماۃ کو حق مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : صورت مسئلہ میں بہ تقدیر صحت واقعہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تھا۔

لڑکی مذکورہ آزاد ہے جہاں چاہے اپنی مرضی کے مطابق دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

بوادرنوادرج ۲- ص ۹۶ میں ہے کہ اگر نابالغہ کا نکاح باپ دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ علم

محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس۔ ملتان
الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ

اس جواب کے بعد لڑکی نے اپنی مرضی و برضاء و رثا دوسری جگہ بلا تنسیخ عدالت نکاح کر لیا اور تقریباً نو دس ماہ سے وہاں راضی و خوشی آباد ہے۔ اب فریق اول نے اس کے خلاف واویلا کیا کہ پہلا نکاح صحیح تھا، اب نکاح پر نکاح ہو گیا۔ نکاح خوان ثانی اور شہود سے ترک موالات لازم ہے اور امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جس نے نکاح ثانی پڑھایا ہے، انہوں نے کچھ فتوے بھی منگوائے کہ باپ کا کیا ہوا عقد ہے جو صحیح ہے کیونکہ اس نے جیل میں ہی اجازت دی تھی، چنانچہ اس سلسلہ میں مفتی جمیل احمد صاحب کا جواب ارسال ہے :

(۱) درست ہے نابالغہ کا نکاح باپ کا کیا ہوا منہ بھی نہیں ہو سکتا سوائے ایک صورت کے کہ باپ معروف بسوء الاختیار ہو۔ یعنی باپ ولی ہونے کے اختیار کو زیر ولایت کی مصالح کے خلاف لگانے میں مشہور و معروف ہو اور مشہور و معروف ہونے کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ جیسے فتاویٰ شامی میں ہے کہ اپنا اختیار ولایت ایک لڑکی کے بارے میں پہلے خلاف مصالح لڑکی کے کر چکا ہو صرف اسی وقت غلط طریقہ کرنے سے معروف بسوء الاختیار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے باپ کا کیا ہوا نکاح منہ نہیں کیا جاسکتا۔ اب جس طرح ہو سکے زور سے لالچ سے جبر سے طلاق مل جائے تو علیحدگی ہو سکتی ہے۔

۲۔ سبب الاختیار ہونے سے خیال بلوغ حاصل نہیں ہوتا معروف بسوء الاختیار ہونے سے حاصل ہوتا ہے جس کا مطلب نمبر ۱ میں عرض کر دیا گیا ہے۔

کتبہ جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ناؤن۔ لاہور ۲۸ / ۳ / ۸۹ھ

حضرت والا آپ اس کے متعلق واضح اور صحیح جواب مدلل بیان فرمائیں۔ کیونکہ موجودہ دور میں اس قسم کے عقد ہوتے ہیں اور نتیجہ سوائے غیر آبادی کے کچھ نہیں اور حصول طلاق بھی مخالفین سے مشکل ہے اور اب اس لڑکی کی واپسی بھی دشوار ہے۔ کیا معروف بسوء الاختیار کی جو تشریح علامہ شامی نے فرمائی ہے

یہ ان کی رائے نہیں ہے؟ جبکہ صاحب فتح القدر، بحر الرائق، فتاویٰ خیر یہ درمختار میں سوء اختیار کے لئے واقعہ اول شرط ذکر نہیں کیا، امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے۔

خدا بخش، جہادریاں۔ سرگودھا

البلاغ ۱۲۷ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

الجواب : حامداً ومصلیاً، صورت مسئلہ کا صحیح جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس صورت میں لڑکی کو بوقت بلوغ اختیار حاصل ہوگا وہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں دعویٰ کرے۔ شرائط شرعیہ کے مطابق ثبوت پیش کر کے وہ اپنا نکاح مسلمان حاکم سے فسخ کر سکتی ہے خود بخود نکاح باطل نہیں ہوگا اگر ایسا کرنے اور فیصلہ فسخ نکاح حاصل کرنے کے بعد نکاح ثانی کر لیا ہے تو وہ شرعاً صحیح و درست ہے۔ لاہور کے فتویٰ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ نکاح چونکہ باپ نے کیا ہے اس لئے خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا یہ اس معاملہ میں صحیح نہیں ہوگا کیونکہ باپ کا سوء اختیار اس معاملہ میں ایسا واضح ہے کہ مشہور بسوء الاختیاء ہونے میں بھی ایسا یقین نہیں ہو سکتا۔

اور علامہ شامی نے جو فتح القدر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار کی تشریح یہ کی ہے کہ باپ کو معروف بسوء الاختیار اس صورت میں قرار دیا جائے گا جبکہ ایک مرتبہ اس سے پہلے اس نے ایسی حرکت کی ہو کہ ایک لڑکی کا نکاح جانتے اور بوجھتے ہوئے اس کی مصالح کے خلاف کر چکا ہو تو اس پہلی لڑکی کا نکاح صحیح اور نافذ ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت وہ سوء اختیار میں مشہور نہیں تھا۔ دوسری لڑکی کا اسی طرح نکاح کر دے گا تو اب وہ مشہور بسوء الاختیار ہوگا۔ یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات سے مختلف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے۔ خصوصاً جبکہ اس بحث کے خاتمہ پر خود علامہ شامی نے فتح القدر کے حوالہ سے اس تشریح کی جو وجہ لکھی ہے وہ کوئی یقینی وجہ نہیں لکھتے :

ولو كان المانع مجرد تحقق سوء الاختيار بدون الاشتهار لزوم احالة المسئلة اعنى قولهم ولزم النكاح ولو بغبن فاحش او بغير كفؤ ان كان الولي ابا او جدًا. (شامی ص: ۳۳، ج ۲۔ مصری)

اس کا حاصل یہ ہے کہ غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں نکاح کر دینا خود ہی سوء اختیار کو ثابت کر رہا ہے تو تحقق سوء اختیار کا متعین ہے۔ اگر صرف تحقق سوء اختیار کا کافی ہوتا تو آگے یہ شرط لم يعرف بسوء الاختیار بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ واقعہ ایسا نہیں

بعض اوقات ایک شفیق اور عقلمند باپ مہر کی کمی یا غیر کفو ہونے پر اس لئے راضی ہو جاتا ہے کہ دوسرے مصالح اس میں محسوس کرتا ہے۔

مثلاً ایک عالم صالح غیر کفو ہے اور مہر بھی مہر مثل سے کم دے رہا ہے مگر وہ ایسا مشہور و معروف بالصلاح عالم ہے کہ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی دُنیوی اور دُنیوی دونوں اعتبار سے خوشگوار رہنے کی قوی امید ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب مہر مثل سے کم پر عقد کیا یا کسی غیر کفو میں کیا تو سوء اختیار متحقق ہو گیا وہ سوء اختیار نہیں دانشمندانہ مصلحانہ اختیار ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کی اصل عبارت لم يعرف بسوء الاختیار ہے اس کا مقصد کھلا ہوا یہ ہے کہ یہ حالت مشتبہ نہ رہے کہ باپ نے یہ نکاح اپنی کسی غرض یا حماقت سے کیا ہے لڑکی کے مصالح کو ملحوظ نہیں رکھا۔

جب یہ بات مشتبہ نہ رہے تو حکم یہی ہوگا کہ یہ نکاح نافذ و لازم نہیں ہے۔ اس جملہ لم يعرف کی شرح جو در مختار اور تمام کتب فقہ میں متفقہ طور پر لکھی گئی، وہ یہ ہے مجانۃ و فسقا یعنی باپ کا یہودہ، بے پرواہ، یا فاسق ہونا کھلا ہوا نہ ہو۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنے نفع کے لئے کر دیا ہے تو باپ کا سوء اختیار معروف اور غیر مشتبہ ہو گیا۔ اب اس کے کئے ہوئے نکاح کو لازم قرار دینے کی وہ علت باقی نہ رہی جس کی بناء پر باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو دوسرے اولیا سے امتیاز دیا گیا ہے یعنی باپ دادا کا وافر شفقت اور اولاد کی منفعت پر گہری نظر ہونا اور جب واقعہ سوال کی طرح بلا اشتباہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے خالص اپنے نفع کے لئے یہ کام کیا ہے، لڑکی پر شفقت کا کوئی داعیہ اس میں نہیں تو باپ دادا اور دوسرے اولیاء سب برابر ہو گئے۔

خود علامہ شامی نے اس جملہ مجانۃ و فسقا کی شرح میں بحوالہ شرح مجمع یہ نقل کیا ہے :

حتى لو عرف من الاب سوء الاختيار لسفهه اولطعمه لايجوز

عقدہ اجماعاً ۵۱ . (شامی ، ج ۲ ص ۳۱۸)

اس میں محض باپ کی سفاہت (بے وقوفی) اور طمع ثابت ہو جانے پر عدم انعقاد نکاح کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس پر شامی نے بھی کچھ اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معروف بسوء الاختیار کے ذیل میں شامی کا اس کی بنیاد پر تمام فقہاء کی تصریحات سے اور خود مسئلہ کی صریح علت سے صرف نظر

نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ خیر الدین ربلی نے فتاویٰ خیر یہ میں اس مسئلہ کی تشریح حسب الفاظ ذیل کی ہے۔
اس میں دوسرے ائمہ فقہاء کے اقوال واضحہ بھی موجود ہیں۔

(سئل) فی الاب اذا علم منه سوء الاختیار وعدم النظر فی العواقب
اذا زوج ابنته القابلة للتخلق بالخير والشرب غیر كفوء هل یصح ام لا
(اجاب) قال ابن فرشته فی شرح المجمع لو عرف من الاب سوء
الاختیار لسفهہ او لطمعہ لا یجوز عقدہ اتفاقاً ومثله فی الدرر الغرر
وقال فی البحر فی شرح قول الکنز ولو زوج طفله غیر كفوء او بغین
فاحش صح ولم یجز ذالک لغير الاب والجد اطلق فی الاب
والجدو وقیدہ الشارحون وغیرہم بان لا یكون الاب معروفا بسوء
الاختیار حتی لو کان معروفاً بذالک مجاناً او فسقاً لعقد باطل علی
الصحیح. قال فی فتح القدیر ومن زوج ابنته الصغیرة القابلة للتخلق
بالخير والشرف من یعلم انه شریرا وفاسق فهو ظاهر سوء اختیاره ولأن
ترک النظر ههنا مقطوع به فلا یعارضه ظهور ارادة مصلحة تفوق
ذالک نظراً الی شفقة الابوة اه ثم قال وقد وقع فی اکثر الفتاویٰ فی
هذه المسئلة ان النکاح باطل فظاهره انه لم ینعقد وفی الظہیریة
یفرق بینہما ولم یقل انه باطل وهو الحق ولذا قال فی الذخیرة فی
قولہم فالنکاح باطل ای یبطل انتہی کلام البحر والمسئلة شہیرة.

(فتاویٰ خیر یہ، ص ۲۳)

عبارات مذکورہ میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح
میں ترک شفقت اور مسامحت یقینی ہو جائے تو اس کا کیا ہوا نکاح بھی لازم نہ ہوگا خصوصاً فتح القدیر کے
حوالہ سے یہ جو لکھا گیا ہے کہ لأن ترک النظر ههنا مقطوع به اس میں یہ کوئی قید نہیں کہ پہلی
مرتبہ ایسا کیا ہو یا دوسری مرتبہ فقط ترک شفقت کا قطعی بلا اشتباہ ہونا کافی قرار دیا ہے۔ اس سے بھی یہی
واضح ہوتا ہے کہ فتح القدیر کی جو بحث علامہ شامی نے نقل کی ہے وہ محض ایک بحث ہی ہے ابن ہمام کا
فتویٰ اور فیصلہ نہیں ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ لاہور کا فتویٰ مرحوج ہے۔ اسی طرح ملتان کے فتویٰ میں بھی جو یہ
لکھا گیا ہے کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا لڑکی آزاد ہے جہاں چاہے نکاح کر لے، یہ بھی صحیح نہیں جیسا کہ

فتاویٰ خیر کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جس کسی نے اس کو نکاح کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت کے ذریعہ فسخ کرا کر باطل ہو سکتا ہے۔ ملتان کے فتویٰ میں جو حوالہ بواہر النور اور کا دیا گیا۔ صاحب خیر یہ کی توجیہ کے مطابق اس کا بھی یہی مفہوم متعین ہے کہ بخیار بلوغ یہ نکاح مرتفع ہو سکتا ہے۔

ثم اعلم ان مامر من النوازل من ان النكاح باطل معناه انه سيطل كما في الذخيرة لان المسئلة مفروضة فيما اذا لم ترض البنت بعدما كبرت كما صرح به في الخانية والذخيرة وغيرهما وعليه يحمل ما في القنية زوج ابنته الصغيرة من رجل فانه حر الاصل وكان معتقا فهو باطل بالاتفاق اهـ . (شامی۔ ص ۴۱۸ ج ۲ : ۲)

اس لئے مسئلہ مذکورہ کا صحیح جواب وہی ہے جو شروع میں لکھا گیا ہے کہ صورت مندرجہ سوال میں باپ کے کئے ہوئے نکاح پر بھی نابالغہ کو خیار فسخ ملے گا۔ شرائط کے مطابق عدالت مسلمہ سے نکاح فسخ کرا لے تو فسخ ہو جائے گا اور نکاح ثانی کی اجازت ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

بندہ، محمد شفیع

دارالعلوم۔ کراچی۔ ۱۴

۱۷ / ۷ / ۸۹ھ



اسلامی دستور



اسلام کی بنیاد پہ یہ ملک بنا ہے
اسلام ہی اس ملک کا سامانِ بقا ہے
بنیاد پہ قائم نہ رہے گا تو فنا ہے
دنیا کی نگاہوں سے نہیں بات یہ مستور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اب رات کٹی ظلم کی ، آجے گا سویرا
پھیلے گی ضیاء نور کی ، بھاگے گا اندھیرا
ہو جائے گا ہر سمت اُجالوں کا بسیرا
سُرخ جو افق پر ہے وہ ہو جائے گی کافور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

قانونِ الہی نہ ٹلا ہے ، نہ ٹلے گا
ہر ازم کے خورشید کو ڈھلنا ہے ، ڈھلے گا
اس ملک میں اسلام کا سکہ ہی چلے گا
بن جائے گی یہ پاک زمین جلوہ گرہ طور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اچھائی کو پھیلائیں گے ، روکیں گے بُرائی
چلنے نہیں دی جائے گی بندوں کی خدائی
جتنے بھی مسلمان ہیں آپس میں ہیں بھائی
اللہ کا یہ حکم ہے ہم لوگ ہیں مامور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلام سکھاتا نہیں انساں کو دورنگی
اس کے لئے یکساں ہیں وہ ابیض ہو کہ زنگی
تہذیب ہماری ہے نہ رُوسی نہ فرنگی
بہتا ہوا یہ زخم ، وہ رستا ہوا ناسور

ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلام کی تعلیم یہاں عام کریں گے
سب کا ہو بھلا جس میں وہی کام کریں گے
سب مل کے ترقی کے لئے کام کریں گے
افسر ہو کہ تاجر ہو وہ آقا ہو کہ مزدور

ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلاف کی ہم زندہ روایات کریں گے
راضی ہو خدا جس سے وہی بات کریں گے
اس ملک میں قائم وہ مساوات کریں گے
سب شاہ و گدا آئیں نظر خرم و مسرور

ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

دولت کا یہاں کوئی پجاری نہ رہے گا
انسان کا انسان شکاری نہ رہے گا
جاری ہے جواب ظلم یہ جاری نہ رہے گا
ظالم نظر آئے گا نہ مظلوم نہ مقہور

ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

آزاد تجارت کو نہ پابند کریں گے
ہاں سود کے بازار کو ہم بند کریں گے
ہم عزت و توقیر ہنر مند کریں گے
محنت جو کرے گا وہ صلہ پائے گا بھرپور

ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

دولت کو بکھیریں گے سمٹنے نہیں دیں گے
ہاتھوں میں امیروں کے ہی بٹنے نہیں دیں گے
ہم جادہ انصاف سے بٹنے نہیں دیں گے
ہو جائیں گے خوش حال جو بد حال ہیں مزدور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور
اسلام محبت بھی ہے اخلاص و وفا بھی
تسکین دل و جاں بھی ہے چہروں کی ضیا بھی
ہر درد کا درماں بھی ہے پیغامِ شفا بھی
کردار ہی کردار ہے اسلام کا منشور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

تمت

دَارُالِشَاعَةِ ← کی مطبوعہ فقہی کتب ایک نظر میں

- خواتین کے مسائل اور انکا حل ۲ جلد ————— جمع و ترتیب مفتی ثناء اللہ محمود، فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
- فتاویٰ رشیدیہ مقاب ————— حضرت مفتی رشید احمد گنگوہی
- کتاب الکفالة والنفقات ————— مولانا عمران الحق کلانی
- سہیل الضروری لاسائل القدوری ————— مولانا محمد عاصم الہی البرنی
- بہشتی زیور مدلل مکمل ————— حضرت مولانا محمد شرف علی تھانوی ۲۰
- فتاویٰ رقیمیہ اردو ۱۰ حصے ————— مولانا مفتی عبد الرحیم لاچوری
- فتاویٰ رحیمیہ انگریزی ۳ حصے ————— ” ” ” ” ” ”
- فتاویٰ عالمگیری اردو ۱۰ جلد مع پیش نظر مولانا محمد تقی عثمانی ————— ” ” ” ” ” ”
- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۲ حصے ۱۰ جلد ————— مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب
- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲ جلد کاہل ————— مولانا مفتی محمد شفیع رح
- اسلام کا نظام اراضی ————— ” ” ” ” ” ”
- مسائل معارف القرآن (تعارف القرآن میں ذکر قرآنی احکام) ————— ” ” ” ” ” ”
- انسانی اعضا کی پیوندکاری ————— ” ” ” ” ” ”
- پراوینٹ فنڈ ————— ” ” ” ” ” ”
- خواتین کے لیے شرعی احکام ————— اہلیہ نظریات احمد تھانوی رح
- بیمہ زندگی ————— مولانا مفتی محمد شفیع رح
- رہنقی سفر سفر کے آداب احکام ————— ” ” ” ” ” ”
- اسلامی قانون نکاح، طلاق، وراثت ————— فضیل الرحمن صاحب لعل عثمانی
- علم الفقہ ————— مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رح
- نماز کے آداب احکام ————— انشاء اللہ تبحر مرحوم
- قازن وراثت ————— مولانا مفتی رشید احمد صاحب
- دراہمی کی شرعی حیثیت ————— حضرت مولانا قاری محمد عظیم صاحب
- الصنع النوری شرح قدوری اعلیٰ ————— مولانا محمد حنیف گنگوہی
- دین کی باتیں یعنی مسائل بہشتی زیور ————— مولانا محمد شرف علی تھانوی رح
- ہمارے عائلی مسائل ————— مولانا محمد تقی عثمانی صاحب
- تاریخ فقہ اسلامی ————— شیخ محمد خضریٰ
- معدن الحقائق شرح کنز الدقائق ————— مولانا محمد حنیف گنگوہی
- احکام اسلام عقل کی نظر میں ————— مولانا محمد شرف علی تھانوی رح
- حیلہ ناجزہ یعنی غورتوں کا حق تنسیخ نکاح ————— ” ” ” ” ” ”

دَارُالِشَاعَةِ ۞ اردو بازار ۵۰ ایم ایف جیل روڈ، سندھ اسلامی و علمی کتب مرکز